تخلیق الاوّل

مُصنفہ

سیّدہ حفیظۃُ الرّحمٰن

تخلیق الاوّل

مصنفہ

سیّد حفیظۃ الرّحمٰن

نام کتاب ـــــ تخلیق الاوّل
نام مصنفہ ـــــ حفیظۃ الرحمٰن
تاریخ طبع دوم ـــــ اگست ۲۰۰۵ء
تعداد اشاعت ـــــ ایک ہزار
کتابت ـــــ محمد ارشد خوشنویس
پرنٹر ـــــ اے آر پرنٹنگ سروسز کراچی
ناشر ـــــ قرۃ العین

انتساب

حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق میرے والدِ محترم سیّد حافظ عبدالرحمن مرحوم نے اپنی اولاد کو عشقِ رسولؐ وراثت میں عطا کیا۔ جو تخلیق الاوّل کی صورت میں ان کے نام معنون کرتی ہوں۔"

طالبہ دعا

حفیظۃ الرحمٰن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝ نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

پیش لفظ

خداتعالیٰ کی ہزاروں برکات نازل ہوں ان بزرگوں پر جن کے علمی خزائن کی روشنی میں عاجزہ نے یہ کتاب ترتیب دی۔ اس ناچیز سعی میں صاحبِ لولاک فخر الاوّلین والآخرین حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی مکّی و مدنی زندگی کے چیدہ چیدہ منتخب پہلے واقعات انہیں بزرگوں کے علمی خزائن سے ترتیب دیئے گئے ہیں۔ واقعات کی کسوٹی در پرکھ انہیں ہستیوں کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہے۔ حاشیہ میں جو حوالہ جات دیئے گئے ہیں وہ مطابقت کے بعد پیش کئے گئے ہیں ۔

اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہوں کہ وہ میری اس حقیر سعی کو قبول فرمائے بہتوں کی راہنمائی کا موجب ہو اور میری بخشش کا واسطہ بنے۔ آمین ۔

طالبۂ دُعا

حفیظۃ الرحمٰن

بیگم میر مبارک احمد تالپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝ نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

فہرست

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ٭ نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّيۡ عَلٰى رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡمِ

هُوَالنَّاصِرُ خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

پہلی تخلیق

۵۷۰ء، ۵۲ سال قبل ہجرت، ۲۰ اپریل صبح بروز شنبہ

یہ ایک سیدھی سی بات ہے کہ تمام کائنات کو جس نے پیدا کیا ہے وہ ہمارا رب ہے۔ محبت۔ ربوبیت۔ پیار۔ رحم۔ احسان۔ انصاف اور انعام یہ تمام صفات اعلیٰ اور جامع طور پر صرف اور صرف ہمارے خالق میں ہی پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ لیکن "اَحَد" ہونے کے باوجود اس نے اپنی صفات کے مظہر دنیا میں پیدا کئے ہیں۔ اور اپنی ایک تخلیق کو ایسی صفات عطاء کیں کہ وہ رب العٰلمین کا پرتو بن گئی اور رحمۃٌ لِّلعَالَمِین کہلانے لگی۔ وہ تخلیق محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے جو ۵۷۰ء میں ۱۲ ربیع الاوّل بمطابق ۲۰ اپریل بروز پیر بوقت صبح آمنہ مقدسہ کے گھر پیدا ہو کر مکہ کی پاک زمین سے علیٰ وجہ التفصیل طلوع ہوئے۔ جب خدا تعالیٰ نے اپنا ظہور چاہا۔ تو اپنی ذات کا عکسی طور پر ایک نمونہ قریش خاندان کے ایک معزز گھرانے کو عطا کر دیا۔ یہ دنیا کا نجات دہندہ جب پیدا ہوا تو باپ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب فوت ہو چکے تھے۔ دادا نے آپؐ کا نام محمّد رکھا[1]۔ یہ نام الہامی تو نہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عبدالمطلب کے

---

[1] شبلی نعمانی صفحہ ۱۷۳۔

دل پر تصرف فرما کر آپ کو القاء کیا تھا۔ چنانچہ وہی نام رکھا گیا۔ جو پیشگوئیوں میں موجود تھا۔

حضرت آمنہ جبکہ وہ خاوند کی بے وقت وفات پر گریہ وزاری اور آہ و بکا کرتی رہتی تھیں نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ جیسے تمام عالم میں گھپ اندھیرا ہے۔ نہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی دیتا ہے نہ کچھ نظر آتا ہے۔ یکایک ان کے سینے سے ایک چمکتا ہوا نور نکلا۔ جو پھیلتا پھیلتا ہر جگہ چھا گیا۔ آپ کی طبیعت پر اس خواب کا بھی اثر تھا۔ دوسرے دادا کی خواہش تھی کہ تعریف و توصیف میں میرے بیٹے کا کوئی ثانی نہ ہو۔ اور میرا پوتا دنیا بھر کی ستائش کا مستحق ہو اور ہر قسم کی بھلائی اس میں پائی جائے۔ دنیا بھر میں کسی انسان کی خواہش اتنی عمدگی سے پوری نہیں ہوئی ہوگی جیسی کہ حضرت عبد المطلب کی آرزو رنگ لائی۔ آج تک جبکہ چودہ سو برس آپ کی وفات پر گزر چکے ہیں۔ اس طویل عرصہ میں ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا کہ جس میں آپ کی تعریف دنیا کے کسی نہ کسی کونہ میں نہ ہوئی ہو۔

عرش پر خدا، فرش پر انسان۔ آسمان پر فرشتے اور زمین پر جن و انس برابر رطب اللسان ہیں۔

پس کوئی سورج اتنی آب و تاب سے نہیں چمکا جتنا کہ آمنہ کا نور اور کوئی دستر خوان اتنا وسیع و عریض نہیں پھیلا جتنا کہ محمدی مائدہ۔ غرض کسی ہادی، کسی رسول اور کسی پیغمبر کی اتنی تعریف نہیں ہوئی جتنی کہ احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفٰے کی ہو رہی ہے اور ہوتی رہے گی۔

مؤرخین نے اس تخلیق الاوّل کی پیدائش کے متعلق ایسے واقعات لکھے ہیں۔ جو معجزہ کا رنگ رکھتے تھے۔ مثلاً کسریٰ کے محل میں سخت زلزلہ آیا۔ یہاں تک کہ اس کے چودہ کنگرے ٹوٹ گئے۔ فارس کا مقدس آتشکدہ جو صدیوں سے برابر روشن چلا آرہا تھا۔ دفعتاً بجھ گیا۔ اور چشمہ ساوہ یکلخت خشک ہو گیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن سچ یہ ہے کہ "ایوانِ کسریٰ نہیں بلکہ شانِ عجم، شوکت روم، چین کے قصر ہائے فلک بوس گر پڑے۔ آتش کدہ ہی نہیں بلکہ جحیم و شر، آتشکدہ کفر اور آذر کدہ گمراہی سرد

ہو کر رہ گئے۔ صنم خانوں میں خاک اُڑنے لگی۔ شیرازۂ مجوسیت بکھر گیا اور نصرانیت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے [1]

عرب میں بُت پرستی کا بانی عمرو بن یحییٰ تھا۔ اس کا اصل نام ربیعہ بن حارص تھا۔ عمرو بن یحییٰ نے چند بُت شامیوں سے لے کر کعبہ میں قائم کر دیئے۔ اور کعبہ چونکہ عرب کا مرکز تھا۔ اس لئے لازمی نتیجہ یہ ہوا۔ کہ کعبہ کے حج پر آنے والا ہر شخص خاص و عام بت پرستی کا عادی ہو گیا [2]

مؤرخین کے مطابق آپ کی پیدائش کے وقت تین سو ساٹھ بت کعبہ میں موجود تھے گویا قمری مہینوں کے لحاظ سے ہر دن کے لئے ایک علیحدہ بُت تھا۔ اور عرب کا چپہ چپہ شرک میں مبتلا تھا۔ شرک کی نوبت یہ آچکی تھی کہ قریب تھا کہ آسمان پھٹ کر گر جائے اور زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر زمین پر گر جائیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ سورہ مریم میں فرماتا ہے کہ:۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ (مریم: ۹۱)

چونکہ شرک بُت پرستی صفاتِ الٰہیہ اور فطرت صحیحہ کے خلاف ہے اس لئے آسمان جوش سے پھٹ جائے گا اور زمین کا سینہ اندرونی جوش سے چاک ہو جائے گا۔

اور ایسے وقت میں خدا تعالیٰ خاموش نہیں رہتا بلکہ اس کی صفتِ رحمانیت جوش میں آتی ہے اور جس طرح ظاہری عالم میں بغیر مانگے کے اس نے ہزاروں ہزار نعمتیں پیدا کر دی ہیں۔ اسی طرح روحانی عالم کی نعماء سے نوازتا رہتا ہے اور کسی نجات دہندہ کو پیدا کر دیتا ہے۔ تاکہ شرک کی جڑھ کٹ جائے۔

ابرہہ ایک مسیحی اتنا بڑھ گیا کہ اس نے خدا تعالیٰ کے مقدس گھر پہ حملہ کر دیا تو ٹھیک

[1]: شبلی حصہ اوّل صفحہ ۱۲۲ ؛ [2]: شبلی حصہ اوّل صفحہ ۱۲۰ ؛

پچیس دن بعد خداوند عالم نے اس شرک کی بیخ کنی کرنے اور توحید کو پھیلانے کے لئے مکہ مکرمہ میں اپنی تخلیقِ اوّل کو صفاتِ الٰہیہ کا مظہر بنا کر پیدا کر دیا۔

پس یہ مظہر اتم الوہیت ۵۷۰ء میں بروز پیر ۱۲ ربیع الاوّل ان پیدا کردہ شخصیتوں کو مٹانے کے لئے آیا جن کو کفار نے خدا بنا چھوڑا تھا۔

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلِّمْ۔

پہلی مرضعہ —— حضرت حلیمہ سعدیہ

بعمر ۸ یوم

سلامتی کے شہزادے کی پہلی رضاعت کا شرف اگرچہ ثوبیہ[1] کو حاصل ہے جنہوں نے آپؐ کو چند دن دودھ پلایا تھا۔

اور حضرت حمزہؓ بھی آپؐ کی اس رضاعت میں شامل تھے۔ دونوں چچا بھتیجے ایک ہی وقت ایک ہی عورت ابو لہب کی آزاد کردہ لونڈی کا دودھ پیتے تھے۔ اس لئے وہ آپؐ کے چچا بھی اور رضاعی بھائی بھی تھے۔ ثوبیہ کے بعد تقریباً آٹھ یوم کے بعد ۲۸/۲۹ اپریل کو آپؐ کی مستقل رضاعت کی ذمہ داری حلیمہ سعدیہ کے سپرد ہوئی۔

حضرت حلیمہ سعدیہ وہ وجود ہے جس کو قیامت تک نسلیں یاد رکھیں گی۔ جن کی گودِ شفقت میں آپؐ نے پانچ برس بسر کئے تھے۔

مکہ کے شرفاء میں یہ دستور تھا کہ مائیں اپنے بچوں کو خود دودھ نہیں پلاتی تھیں۔ بلکہ عام طور پر بچوں کو شہر سے باہر بدوی لوگوں کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ جنگل کی کھلی فضا میں بچے تندرست و توانا ہو جاتے تھے۔ اور زبان بھی چونکہ بدوی لوگ عمدہ اور صاف بولتے تھے اس لئے بچے فصاحت و تندرست زبان کے بھی ماہر ہو جاتے تھے۔ چنانچہ مکہ کے اردگرد کے گاؤں کی عورتیں ایک خاص موسم میں مکہ میں جمع ہو جاتی تھیں۔ تاکہ امیروں کے بچے دودھ پلانے کے لئے اپنے ساتھ لے جائیں۔ اس سال بھی کچھ عورتیں مکہ میں آئیں جن میں ایک دائی حلیمہ بھی تھی۔ حلیمہ کا خاندان غریب تھا۔ وہ قبیلہ بنو سعد کی ایک خاتون تھیں۔ اور کسی بچہ کی

[1]: شبلی نعمانی ص۱۰۳

[2]: حیات رسالت مآب ص۶۳

تلاش میں مکہ آئی تھیں ۔ امیر گھروں میں وہ گئیں لیکن انہوں نے اپنے بچے اسے دینے سے انکار کردیا ۔ یہ سمجھ کر کہ یہ غریب عورت ہے بچے کو اچھی طرح پال نہیں سکتی ۔ حلیمہ سارا دن مکہ کے گھروں میں پھرتی رہیں ۔ اتفاق سے کوئی بچہ ان کو ہاتھ نہیں آیا[1] ۔ اُدھر مقصود کائنات پیارے آقا کی ماں بی بی آمنہ اپنے گھر کسی بچہ کی دایہ کا انتظار کرتی رہی ۔ لیکن کسی دایہ نے جھانکنا تک پسند نہ کیا ۔ اس خیال سے کہ بیوہ کے بچے کا بدلہ کون دے گا ۔

جب حلیمہ سارا دن مکہ کے ہر گھر سے دھتکاری گئی تو اس نے خیال کیا کہ اگر میں بغیر بچے کے واپس گئی تو بدنام ہو جاؤں گی ۔ چونکہ عرب میں یتیم بچہ منحوس خیال کیا جاتا تھا ۔ اس لئے وہ ایک یتیم بچے کو لے جانے میں خوش تھی ہی نہیں ۔ اُدھر آمنہ نے جب سُنا کہ دیہات سے عورتیں آئی ہوئی ہیں ۔ لیکن میرا بچہ (کل کا شہنشاہ) بوجہ غربت گھر میں ہی ہے تو آہ کھینچ کر رہ گئی ۔ لیکن یہ آہ کام کر گئی ۔ حلیمہ نے اپنے شوہر حارث سے کہا ۔ بیکار سے بیگار بھلی آمنہ کا بچہ ہی کیوں نہ لے آؤں ؟ حارث کی رضامندی پر حلیمہ دائی دُرِ یتیم کو لینے آگئی ۔ لیکن وہ کیا جانے ؟ کہ قسمت سامنے کھڑی مُسکرا رہی ہے اور فرشتے آسمان سے جھانک کر کہہ رہے ہیں ۔ حلیمہ! تجھے بچہ نہیں بنی نوع انسان کا سردار اور اقلیم روحانیت کا تاجدار مل رہا ہے ۔ حلیمہ! تو بچہ نہیں نور اللہ اپنے گھر لے جا رہی ہے[2] ۔

پس ساری دائیوں کا رد کردہ بچہ اُس دایہ نے لیا ہے جسے سب مکہ والوں نے رد کر دیا تھا ۔ اور اس طرح وہ پیشگوئی بھی پوری ہوئی ۔ جو صحف سابقہ میں آچکی تھی کہ "جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا[3] " پس حلیمہؓ نے وہ نمعا جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا ۔ لولاك لما خلقت الافلاك ۔

[1] :- شبلی نعمانی ص ۱۴۳ ؛
[2] :- سیرۃ الحلبیہ جلد اوّل ص ۹۶ ؛
[3] :- متی باب ۲۱ آیت ۴۲ ؛

یعنی تو موجودات کی علتِ غائی ہے اور سب سے پہلا نور ہے جو پیدا کیا گیا ہے ۔ اور پھر اس نور کی برکت سے تمام چیزیں وجود میں آئیں اور اس میں ہر چیز کی بقا ہے ۔ پانچ سال تک اپنے سایہ میں رکھا ۔ اور اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی رہی ۔ حلیمہؓ کی ایک صاحبزادی تھیں جن کا نام شیماء تھا ۔ اُن کو پیارے محمدؐ سے بہت پیار تھا ۔ وہی آپؐ کو کھلایا پلایا کرتی تھی[1] ۔

ہر چھٹے مہینے حضرت آمنہ کو بچہ دکھا آتی تھیں اور واپس لے آتی تھیں ۔ کیونکہ اس ننھے کے دم کرم سے اُس کا گھر خیر و برکت سے معمور ہو گیا تھا ۔ دو برس کے بعد دونوں میاں بیوی گھبرائے کہ کیا کریں ۔ کیونکہ وہ بچہ بموجب دستور وہ نہیں رکھ سکتے تھے ۔ نہ واپس دے آنے کو طبیعت چاہتی تھی ۔ صرف محبت و اُنس کی وجہ سے نہیں بلکہ اس رحمت و برکت کی وجہ سے جو اس گھر کے در و دیوار سے ٹپکتی تھی ۔ جس میں آپؐ پرورش پا کر بڑے ہو رہے تھے ۔ کہ اچانک مکہ میں کچھ بیماریاں پھیل گئیں ۔ جن کی بناء پر حضرت آمنہ نے یہی پسند فرمایا کہ حلیمہؓ بچہ کو چند سال اور قبیلہ سعد کے لڑکے لڑکیوں میں ہی کھیلتے رہنے دے ۔ کیونکہ اس قبیلہ کی زبان خاص طور پر فصیح اور صاف تھی ۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ اُمّی بھی تھے لیکن فصاحت و بلاغت میں آپؐ لاثانی تھے ۔ حلیمہؓ سے رسُولِ پاکؐ کو بہت اُنس تھا ۔ آپؐ ہمیشہ انہیں عزت و توقیر کی نظر سے دیکھتے تھے ۔ اور ماں کا درجہ عطا کرتے تھے ۔ جب ایک دفعہ آپؐ نے حلیمہؓ کو آتے دیکھا تو اپنی چادر کندھوں سے اتار کر نیچے بچھا دی ۔ اور اس پر حلیمہؓ سعدیہ سے بیٹھنے کی درخواست کی ۔ خُدا تعالیٰ کا نبی احسان مند وجود تھا ۔ وہ اُن پانچ برسوں کا بدلہ جو بحیثیت معمار کے حلیمہؓ نے گزارا تھا ۔ کسی احسان سے اتارنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے ۔ غزوہ حنین میں حلیمہؓ کی قوم کے افراد قید ہوئے ۔ اور مجبور ہو کر حلیمہؓ کے بچوں کے پاس گئے ۔ کہ جاؤ "محمدؐ" رسُول خُدا کے سامنے اپنی قوم کی سفارش کرو ۔ محمد رسول اللہ دیر تک انتظار کرتے رہے

[1] :- شبلی نعمانی ص ۱۷۱ ؛

تھے - آخر آپؐ نے مجبور ہو کر فوجیوں میں مالِ غنیمت تقسیم کر دیا - صرف غلام رہنے دیئے - کہ حلیمہؓ کی ایک بچی آپؐ کے پاس سفارش لے کر آ گئی - تو آپؐ نے فرمایا - میں نے تمہارا بہت انتظار کیا آخر تنگ آ کر مال تقسیم کر دیا - اب تم خود ہی پسند کر لو - آیا میں مال واپس لے کر تم کو دوں یا قیدی چاہئیں - اس نے قوم سے مشورہ کر کے جواب دیا کہ ہمیں قیدی چاہئیں - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لشکرِ اسلام کے سامنے یہ معاملہ رکھا - انہوں نے کہا "یا رسول اللہ! ہم خوشی سے اپنے اپنے قیدی آزاد کرنے کے لئے تیار ہیں - چنانچہ اسی وقت قبیلہ ہوازن کے چھ ہزار قیدی رہا کر دیئے گئے - لہ

حضرت رسولِ پاکؐ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کے واقعہ سے ایک مشابہت حاصل ہے - یہ کہ دونوں انبیاء کو کفالت ماں سے نہیں ملی - بلکہ حضرت رسولِ خدا کو حلیمہؓ کی رضاعت حاصل ہوئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بظاہر دوسری عورت کی کفالت میسر آئی - اگرچہ وہ حقیقتاً ان کی ماں ہی تھی - لیکن کچھ اختلاف بھی رونما ہوا - کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلوانے کے لئے ان کی بہن نے کوشش کی - رسولؐ خدا کو دودھ پلانے والی عورت کو خدا تعالیٰ خود پکڑ کر لایا - اور اس طرح آپؐ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر برتری حاصل ہو گئی -

لہ:- سیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۱۴۰-۱۴۱ ؎

آپؐ کی پہلی جرأت

بعمر ۵ سال

قبیلہ ہوازن میں حلیمہؓ سعدیہ کے گاؤں میں ہی جب محمد صلعم پانچ سال کے ہوئے تو ایک عجیب و غریب واقع پیش آیا جس میں آپؐ نے عظیم جرأت و دلیری کا ثبوت دیا - آپؐ دوسرے بچوں کے ساتھ بکریاں چرانے جنگل میں جایا کرتے تھے - صبح کو جاتے اور شام کو بکریاں واپس لے کر آ جاتے تھے -

ایک دن حسب معمول گاؤں کے بچے جنگل میں بکریاں چرا رہے تھے کہ ڈاکو آن پڑے - جن کی خوفناک شکلیں اور چمکدار تلواریں دیکھ کر تمام بچے بدحواسی کے عالم میں گاؤں کی طرف بھاگے - صرف ایک بچہ ایسا تھا - جو نہ ڈرا اور نہ بھاگا - وہ بچہ ہمارا پیارا رسولؐ تھا -

لٹیرے اس چھوٹے بچے کی موجودگی کا کیا خیال کرتے انہوں نے بکریاں اکٹھی کیں اور چلنے لگے - لیکن ننھا بچہ آگے بڑھا اور کہا کہ یہ بکریاں گاؤں والوں نے ہمارے ساتھ بھیجی ہیں - تم پہلے گاؤں والوں سے اجازت لے لو - پھر انہیں ساتھ لے جانا - ڈاکوؤں کو ننھے کی بھولی باتوں پر بے اختیار ہنسی آئی اور چل پڑے - وہ بچہ الجھ کر پریشان نہیں ہوا - بلکہ پھرتی سے آگے بڑھا - اور راستہ روک کر کھڑا ہو گیا ڈاکوؤں کو بچے کی جرأت دیکھ کر حیرانی ہوئی - انہوں نے کہا "ہٹ جاؤ اور ہمیں بکریاں لے جانے دو" - بچے نے ننھے کندھوں پر بزرگ سر کا ثبوت دیتے ہوئے کہا - "نہیں کبھی نہیں" مجھے مار ڈالو - اور بکریاں لے جانا - جب تک میں زندہ ہوں ان کی حفاظت کروں گا -

ڈاکو بولا! بے شک سردارِ قریش کے بیٹے کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ ننھے بہادر میں تمہاری دلیری کی قدر کرتا ہوں۔ تمہاری خاطر تمہاری بکریاں چھوڑے جاتا ہوں۔ سارا عرب تم پر فخر کرے گا۔ تمہارا نام کیا ہے؟ ننھے نے جواب دیا "محمدؐ"۔ ڈاکو بے ساختہ بولا۔ محمدؐ بے شک محمدؐ عجیب اور کتنا پیارا نام ہے۔ ننھے بہادر سلام تم پر سلام۔ یہ کہکر رخصت ہوگیا۔

پہلی بار فرشتوں کا نزول شق الصدر

۵۷۴ء، ۵۷۵ء بعمر پانچ سال

چونکہ آمنہ کا لال مقصودِ کائنات تھا۔ اور خدا تعالیٰ کے علم اور ارادہ میں تخلیقِ کائنات سے بھی پہلے اُس کا تصور تھا۔ اُس وقت بھی وہ "نُور" موجود تھا جبکہ آدمؑ ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھا۔ لہٰذا ضروری تھا کہ اس کی عظمت و رفعت میں بھی یکتائی ہوتی۔ دوسرے صفاتِ الٰہیہ کے انعکاس کے لئے ایک نہایت صاف و شفاف اور وسیع آئینہ کی ضرورت تھی۔ چونکہ آپؐ سب سے اعلیٰ و اتم۔ افضل و اصفیٰ تھے اس لئے خداوندِ عالم نے آپؐ کے سینہ کو اپنے نورؐ سے ممسوح و معطر کرنے کے لئے آپؐ پر فرشتہ ابتدائی عمر میں ہی نازل فرما دیا۔ فرشتہ نے سینہ کو چاک کرکے اُس کو بشری آلودگیوں سے پاک اور ایمان و حکمت کے نورؐ سے بھر دیا۔

ہُوا یُوں کہ آپؐ ابھی پانچ برس کے ہی تھے کہ ایک دن حلیمہ کے ہاں سے ہی بچوں کے ساتھ جنگل میں کھیلنے کے لئے گئے۔ کوئی بڑا آدمی پاس نہیں تھا۔ کھیل کے دوران اچانک دو سفید پوش آدمی نمودار ہوئے اُن کی صورتیں بہت نورانی تھیں۔ انہوں نے آتے ہی آپؐ کو پکڑ کر لٹا دیا۔ اور ایک تیز خنجر سے آپؐ کا سینہ چاک کر دیا۔ اور دل میں کسی چیز کی تلاش کرکے باہر پھینک دیا اور دل کو باہر نکال کر ایک طشت میں رکھ کر نہایت شفاف پانی سے دھو دیا۔ دھوتے دھوتے جب دل چمک اُٹھا تو اُسے سینہ کے اندر رکھ کر پھر جوڑ دیا۔ یہ نظارہ دیکھ کر بچے خوفزدہ ہوگئے اور بھاگ کر حلیمہؓ اور حارثؓ کو اطلاع دی۔ حلیمہؓ کے بچے

عبداللہ نے چونکہ یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس لئے کانپ کر نڈھال
ہو گیا۔ یہ واقعہ عبداللہ کی زبانی سنتے ہی دونوں میاں بیوی بھاگتے ہوئے آئے
اور کیا دیکھتے ہیں کہ ننھا محمدؐ اکیلا کھڑا ہے۔ حلیمہؓ نے بھاگ کر معصوم بچے کو سینہ سے
لگا لیا۔ اور پیشانی چوم کر ساری کیفیت دریافت کی۔ بیٹے نے سارا ماجرا من و عن بتا دیا
اور کہا کہ وہ کوئی چیز میرے سینے میں سے تلاش کر رہے تھے۔ ننھا کیا جانے کہ وہ
اسے نہایت اعلیٰ درجہ کا صیقل شدہ آئینہ بنانے کے لئے نور کے پانی سے دھو
رہے تھے۔ چنانچہ حلیمہؓ نے خیال کیا کہ نہ تو یہاں خون گرا دکھائی دیتا ہے۔ نہ پانی اور
نہ کسی کے قدموں کے نشانات موجود ہیں۔ ہو نہ ہو یہ کسی جن یا بھوت کا سایہ ہے۔
وہ آپؐ کو اپنے خیمہ میں لے گئیں۔ اور فوراً باہم مشورہ کیا کہ بچہ کو اس کی ماں
کے پاس چھوڑ آنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں۔ اور
یہ جنات کا سایہ ہمارے لئے دائمی بے عزتی کا موجب بن جائے۔ گو آپؐ کی
جدائی ہم پر شاق ہے۔ لیکن اگر بچہ ضائع ہو گیا تو ہم کیا کریں گے۔ وہ دہلتے ہوئے
دل اور کانپتے ہوئے قدموں کے ساتھ حضرت آمنہ کے پاس گئیں۔ اور تمام واقعہ
سُنا کر کہا کہ شاید یہ جنات کا سایہ ہے جو رونما ہوا ہے۔ یہ سُن کر حضرت آمنہ
مُسکرائیں اور فرمانے لگیں۔ ایسا خیال نہ کرو۔ میرا بچہ ہرگز ضائع نہیں ہوگا۔ بلکہ
بڑی شان والا ہوگا۔ جب یہ بچہ پیدا ہوا تھا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک نور
میرے بدن سے نکلا ہے جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔ اس لئے یہ
مافوق العادت باتیں بھی اسی کی کڑی ہیں۔ اور امید ہے کہ میرا بچہ ہرگز ہرگز ضائع
نہیں ہوگا۔ اور نہ یہ واقعہ پریشانی کا موجب ہو سکتا ہے۔
سو یہ ہمارے آقاؐ کا پہلا کشف تھا جو آپؐ نے پانچ برس کی عمر میں دیکھا
اور جو ایسا اعلیٰ درجہ کا تھا کہ دوسرے بچوں کو بھی نظر آ گیا۔ حدیث شریف میں آتا
ہے کہ "بعض اوقات کشف اتنا اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے کہ اردگرد کے لوگوں کو بھی وہ
تفہیماً کچھ نظر آ جاتا ہے"۔ [۱]

[۱] : ۔ روض الانف ۔ جزو اوّل

سو یہ کشف جسے شق الصدر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ایسا ہی بلند درجہ
کا کشف تھا۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب حجۃ البالغہ میں لکھتے ہیں :۔
"لیکن سینہ کا پاک کرنا اور اس کو ایمان سے بھرنا اس کی حقیقت
انوار ملکیہ کا رُوح پر غالب ہو جانا اور طبیعت (بشری) کے شعلہ کا بجھ
جانا اور عالم بالا سے جو فیضان ہوتا ہے۔ اس کے قبول کیلئے طبیعت
کا آمادہ ہونا کشف ہے[۱]"
پس شاہِ دین کا سینہ کھول دیا جانا ایک غیر معمولی بات ہے۔ اس سے یہ
مُراد نہیں کہ خالی خولی سینہ دھو کر بند کر دیا۔ بلکہ اس کی یہی مقصود تھا۔ کہ آپؐ
کے سینہ سے وہ علم و عرفان کے چشمے پھوٹیں گے اور ایسا ملکۂ ادراک بخشا
جائے گا کہ آپؐ کا سینہ بمنزلۂ زرخیز زمین کے ہو جائے گا۔ اور اس واقعہ
کی طرف "اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ" میں اشارہ ہے۔ پس رسُولِؐ
خُدا کا سینہ بچپن میں ہی نیکیوں کے لئے کھل گیا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپؐ
اپنی قوم میں امین و صدیق کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ اور ساری
قوم سے آپؐ نے راستبازی کا خطاب لے لیا تھا۔ چونکہ آپؐ کا دل پہلے ہی پاک
تھا۔ اس کو دھونے سے یہ مقصود نہیں تھا کہ دل پر کوئی سیاہی یا آلائش تھی جو
صاف کرنی تھی۔ بلکہ اس کے یہ معنے تھے کہ نئی قابلیتیں اور نئی وسعتیں آپؐ
کے اندر پیدا کر دی گئیں۔ اور آپؐ میں اس قدر قوتِ برداشت پیدا ہو گئی
کہ دشمنوں سے سخت مقابلے اور سخت مظالم پر بھی آپؐ کے پائے استقلال
میں کوئی جنبش پیدا نہ ہوئی۔ سو یہ معجزات شق الصدر کے ہی تھے۔ جو مکی اور
مدنی زندگی میں صبح و شام ظاہر ہوتے رہے ٭

[۱] : ۔ حجۃ البالغہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۲ ٭

آپؐ کی پہلی دُعا — قحط سالی میں بارش

۴۸ سال قبل ہجرت بعمر ۹ سال

چھٹی صدی عیسوی میں عرب میں بُت پرستی اور شرک اپنے عروج پر تھا۔ اور خُدا تعالےٰ مشرکین کو اُن کے گناہوں کی سزائیں آسمانی اور زمینی آفات دے کر جھنجوڑا کرتا تھا۔ چنانچہ کبھی قحط سالی اور کبھی بے مقصد جنگ وجدال اہلِ عرب کو بیزار کرتے رہتے تھے۔ ایسے ہی تقریباً ۷۸-۵۷۹ء میں عرب میں شدید قحط پڑا اور مکہ کی حالت ابتر ہو گئی۔ لوگ بارش کے قطرہ قطرہ کے لئے ترسنے لگے اور سخت پریشان ومضطرب ہو گئے۔

ان پریشان کن حالات میں حضرت ابوطالب کے دل میں اپنے ننھے بھتیجے کی بزرگی ومعصومیت کا خیال آیا۔ کیونکہ آپؐ کی عادات بچپن ہی سے ایسی اعلیٰ و پاکیزہ تھیں کہ تمام عزیز واقارب آپؐ پر جان دیتے تھے۔ یہاں تک کہ ابولہب جو بعد میں آپؐ کا بدترین دشمن ثابت ہُوا۔ آپؐ کی ولادت پر اتنا خوش ہُوا تھا کہ اُس نے اپنی اس لونڈی کو ہی آزاد کر دیا جو ولادت کی خوشخبری لے کر آئی تھی۔ اور حضرت ابوطالب کو تو اپنے مرحوم بھائی کی یادگار کچھ حد سے زیادہ ہی عزیز تھی۔ وہ اپنے بیٹوں سے زیادہ آپؐ کی نگہداشت کرتے۔ ان کے دل میں اپنے بھتیجے کی پاکیزگی کا سکہ تو بیٹھا ہی ہوا تھا۔ جب مصائب کے وقت خدائے ذوالجلال کو پکارنے کا وقت آیا تو محمدؐ یاد آ گیا۔ بھتیجے کو بلایا اور کہا "میاں پانی کے بغیر ہم بے حد مضطرب ہیں۔ تمہارا دل معصوم اور زبان پاک ہے۔ مَیں دیکھ رہا

ہُوں کہ تمہاری زندگی بڑی عجیب ہے۔ شہر والوں کو ساتھ لے چلو اور جنگل میں جا کر پانی کے لئے خدا تعالےٰ سے دُعا مانگو۔

بھتیجے نے کہا چچا! مَیں کیا اور میری دُعا کیا۔ یہ کام تو بڑے بزرگوں کا ہے مَیں تو ابھی بچہ ہی ہوں۔ ہاں آپ کے حکم کی تعمیل سے مجھے انکار نہیں۔ چلئے! مَیں دُعا مانگتا ہُوں۔ آپؐ کا دل خلقِ خُدا کے لئے بے چین پہلے ہی رہا کرتا تھا۔ آپؐ نے دُکھ سے نجات پانے کی پہلی ہی پیشکش قبول کر لی اور فرمایا:۔

"کیا عجب اللہ تعالیٰ مجھ کمزور کی دُعا سُن لے اور قحط دُور ہو جائے"۔

چنانچہ آپؐ کی دُعا سے قحط سالی دُور ہوئی اور اہلِ مکہ کے دلوں میں آپؐ کی عظمت بڑھ گئی ٭

پہلا غم ـــــ حضرت آمنہ کی وفات

۵۷۷ء بعمر ۶ سال ، ۴۷ سال قبل ہجرت

ننھے محمدؐ ابھی چھ سال کے ہی تھے کہ والدہ محترمہ کی وفات ہوگئی۔ آپؐ کو ابتدائی عمر میں ہی یہ پہلا غم پہنچا۔ جب آپ مکہ میں نہ تھے بلکہ اپنے ننہال اپنی والدہ محترمہ حضرت آمنہ کے ساتھ مدینہ گئے ہوئے تھے۔ چونکہ حضرت آمنہ کو مرحوم شوہر کا غم اتنا گہرا تھا کہ معصوم بیٹے کی پیدائش کے باوجود دُور نہ ہو سکا۔ بلکہ جب بھی یتیم بچے پر نظر پڑتی تو طبیعت بے چین ہو کر مرحوم خاوند کی یاد ستانے لگتی۔ چنانچہ وہ اپنے لختِ جگر کو جبکہ آپ کی عمر چھ سال کی تھی ساتھ لے کر مدینہ چلی گئیں۔ تاکہ قبر کی زیارت کر آئیں۔ جو کہ مدینہ منورہ میں نابغہ کے مقام پر تھی[1] وہ ہر روز شوہر کے مزار پر جاتیں اور دیر تک وہاں بیٹھی رہتی تھیں۔ وہاں اپنے رشتہ داروں کے ہاں انہوں نے تقریباً ایک ماہ تک قیام فرمایا۔ اس قیام کے دوران ہی محمدؐ صلعم نے تیراکی بھی سیکھ لی۔ آپؐ بعد میں فرمایا کرتے تھے۔ کہ مجھے وہ زمانہ یاد ہے۔ جب بنی نجار کی گڑھی کے سامنے ہم کھیلا کرتے تھے۔ گڑھی پر کوئی چڑیا آکر بیٹھتی تو اُسے اُڑانا ہمارا محبوب مشغلہ ہوتا تھا۔ ہم عمر لوگوں میں انیسہ نام کی ایک لڑکی بھی شریک رہا کرتی تھی۔ آپ اس تالاب کا بھی ذکر فرماتے تھے جس میں تیراکی سیکھی تھی۔ چنانچہ ایک ماہ کے قیام کے بعد واپسی پر ایک قافلہ کی معیت میں مکہ کی طرف چل پڑیں۔ لیکن جب قافلہ ابواء کے مقام پر پہنچا تو دفعتہً حضرت آمنہ بیمار ہوگئیں۔ بیماری اس شدت

[1] حیات رسالت مآبؐ صفحہ ۶۵

کی آئی کہ زندگی کی آس تک جاتی رہی۔ آخر وہ وقت آگیا کہ اپنے خُدا سے جا ملیں۔ آخری وقت میں انہوں نے مسرت سے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا جو غم کی تصویر بنے کھڑا تھا۔ ماں نے اشارہ سے پاس بلایا تو بھاگ کر چھاتی سے جا چمٹا۔ ماں کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے اور بیٹا بھی بے قابو ہو گیا۔ اور اُسی آن معصوم لال کو تنہا چھوڑ کر پردیس میں ہی داغِ مفارقت دے گئیں اور ہمیشہ کے لئے جُدا ہو گئیں۔

یہ وہ پہلا صدمہ تھا جو آپؐ کو بہت چھوٹی عمر میں پہنچا۔ لیکن بعد میں جبکہ آپؐ نو برس کے تھے کہ دادا حضرت عبدالمطلب بھی فوت ہو گئے تو چچا کی کفالت نصیب ہُوئی۔ یہی وہ حالات تھے جو آقائے دو جہاں کو پیش آئے اور آپؐ کے دل کو اتنا حلیم اور نرم بنا گئے کہ آپؐ کسی کی وفات پر آنسوؤں کی عقیدت ضرور پیش فرماتے تھے۔ آپؐ کو یہ صدمہ اتنی چھوٹی عمر میں پہنچا کہ آپؐ بے پرسان حال ہو گئے۔ دوسرے جو حالات پیش آئے وہ یقیناً دل آزار مناظر پیش کرتے ہیں۔ کس طرح آپ ایک ماں کا سہارا لے کر مکہ سے رخصت ہوتے ہیں۔ ماں کے سوا کوئی خونی قربت دار میلوں تک نظر نہیں آتا۔ ابواء کا جنگل ہے۔ ایسے میں چھ سال کی جان اپنی ماں کی نعش پر حیران و پریشان کھڑی ہے۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور کسی مددگار کی انتظار کئے بغیر یتیم لال ماں کو بھی الوداع کہہ رہا ہے۔ موت یہ کب سوچتی ہے کہ اس لق و دق صحرا میں غریب الوطن لال پر کیا گزرے گی۔ موت جس نے بادشاہوں کی بھی کبھی رعایت نہیں کی۔ چھ سال کے بچہ سے اس کا آخری سہارا چھین کر حسرتوں اور امنگوں کے صحرا میں چھوڑ گئی۔ پس یہ صدمہ حضور پُر نور کو یتیم کی پوری پوری حالت میں پہنچا گیا تھا۔ اور آپؐ کی طبیعت پر مستقل اور گہرا اثر ڈال گیا تھا۔ بے شک یہ ٹھیک ہے کہ خدا تعالےٰ کی طرف سے ہی آپؐ رحمۃ للعالمین تھے مگر بظاہر اسباب کا بھی کچھ دخل تھا۔ اور ان ظاہری اسباب کی بناء پر آپؐ کی طبیعت پر اتنا اثر تھا کہ غرباء کے لئے محبت و ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ خدا تعالےٰ نے آپؐ کو حسنِ اخلاق کا مجسمہ بنایا تھا۔ لیکن مصیبت زدوں کے لئے غیر معمولی شفقت آپؐ کا امتیازی خلق تھا۔ چنانچہ

زمانۂ نبوت میں حضرت جعفر بن ابی طالب جب شہید ہوئے تو آپؐ بنفسِ نفیس خود حضرت جعفرؓ کے گھر تشریف لے گئے اور گھر والوں کو سلام کہا - اور کچھ بتلائے بغیر بچوں کو شفقت اور پیار کرنے لگے - بچے کھیل رہے تھے ان کی خوشی ملحوظ رکھتے ہوئے یہ غمزدہ خبر زبان پر نہ لائے آپؐ کی پُرنم آنکھوں نے سب حال خود کہہ دیا اور حضرت جعفرؓ کی زوجہ بھانپ گئی اور پوچھنے پر آپؐ نے رقت بھری آواز میں حضرت جعفرؓ کی شہادت کی خبر دی ۔

پس بادشاہوں کا بادشاہ اس آسمان کے نیچے بے وارثوں کی سی زندگی بسر کرتا رہا - اگرچہ حضرت ابوطالبؑ نے بچپن سے لےکر جوانی تک آپؐ کی نگہداشت نہایت دیانت اور خوبی سے کی - تاہم آپؐ کی زندگی میں یتیم کا تأثر تا دیر باقی رہا - یتیم اور بیوہ کے لئے آپؐ کے دل میں حلم اور رحم پیدا ہوتا اور ان کے حقوق کی نگہداشت میں آپؐ کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے ؁

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝

پہلا معجزہ - پہلا سفر

بصرہ کے مقام پر درختوں اور پتھروں کا سجدہ میں گرنا

بعمر ۱۲ سال ۲ ماہ ۔ ۴۰ سال قبل ہجرت

آپؐ کی عمر بارہ برس دو ماہ تھی - جبکہ مطابق ۵۸۲ء آپؐ کا پہلا معجزہ ظہور میں آیا - (معجزہ کا لفظ نہ تو قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے اور نہ ہی حدیث میں کہیں ملتا ہے) یہ ایک لفظ ہے جو نشاناتِ الٰہیہ کے اظہار کے لئے استعمال ہوتا ہے - ایک طاقت کا اظہار کرتا ہے ۔

معجزات کی کئی قسمیں ہیں - کچھ ہدایت دینے کے لئے اور لوگوں پر حجت تمام کرنے کے لئے ہوتے ہیں ! اور کچھ معجزے تقویت ایمان کے لئے ہوتے ہیں - اُن میں رنج و غم کا پہلو پایا جاتا ہے ۔

حضورؐ کا پہلا معجزہ بھی بصریٰ کے مقام پر درختوں اور پتھروں کا سجدہ میں گرنا ایک خارق عادت معجزہ تھا - جو ہدایت دینے اور تقویت ایمان کے لئے تھا - ایک دفعہ رسولِ خداؐ کی انگلیوں کے درمیان سوراخوں سے پانی پھوٹ کر نکلا اور ایک لوٹا پانی کا بہت سے لوگوں کی ضروریات کے لئے پورا ہو گیا -

تھوڑا سا کھانا تھا جو بہت سے لوگوں نے کھایا - تو یہ اپنی اپنی جگہ معجزات ہیں - اور تائیدِ الٰہی کی مثالیں ہیں - کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل تھا - آپؐ محبت کے مقام پر فائز تھے - لہٰذا جب پہلا معجزہ رونما ہوا تو آپؐ ایک معصوم بچہ تھے - لڑکپن کی اس عمر میں آپؐ کے چچا ابوطالب بغرض تجارت شام کی طرف جا رہے تھے - آپؐ

کا یہ پہلا سفر تھا۔

چونکہ قریش کا پیشہ تجارت تھا۔ اس لئے وہ ہر سال بغرض تجارت شام، فلسطین۔ مصر اور عراق قافلوں کی صورت میں جاتے تھے۔ تجارت میں اُون اور کھالیں ہوتی تھیں۔ سونا۔ چاندی تو ان کے لئے نہایت کم یاب جنس تھا۔ تاہم ایک دوسرے کو لُوٹ لینا وہ اپنا قومی حق تصور کرتے تھے۔ چونکہ قریش شروع سے ہی قابلِ تعظیم خیال کئے جاتے تھے۔ کیونکہ وہ کعبہ کے متولی تھے۔ اس لئے تجارت میں بھی انہیں کچھ سہولتیں میسّر تھیں۔ اگرچہ آپؐ کے چچا ابوطالب آپؐ کو ساتھ لے جانے کے لئے راضی نہ تھے۔ تاہم تنہا چھوڑ کر جانے سے بھی ان کا دل مطمئن نہ تھا۔ چنانچہ آپؐ روانگی کے وقت ابوطالب سے لپٹ گئے! ور آنسوؤں سے جانے کی خواہش ظاہر کی چونکہ ابوطالب کو آپؐ کی دل شکنی گوارا نہ تھی اس لئے آپؐ کو ساتھ لے لیا۔ اُونٹ پر آگے بٹھا کر روانہ ہو گئے۔

جب بصریٰ پہنچے تو ایک عجیب غریب واقعہ پیش آیا۔ بصریٰ میں ایک خانقاہ تھی۔ جس کا راہب ایک عیسائی تھا۔ جب یہ قافلہ حضورؐ کے بابرکت وجود کے ساتھ خانقاہ کے پاس پہنچا تو عیسائی راہب بحیرہ جس کا اصلی نام جرجیسؑ تھا نے دیکھا کہ درخت اور تمام پتھر سجدہ میں گر گئے ہیں۔ اس نے جھٹ قیافہ لگا لیا کہ اس قافلہ میں وہ نبی ضرور موجود ہے۔ جس کی آمد کی خبر پہلے نوشتوں نے دے رکھی تھی۔ چنانچہ اس نے اپنی دُوربین نگاہ سے آپ کو پہچان لیا۔ اور کہا[۱] کہ یہ سیّد المرسلینؐ ہے۔ لوگوں کے دریافت کرنے پر اُس نے بتایا کہ جب تم لوگ پہاڑ سے اُترے تو جس قدر درخت اور پتھر تھے سب سجدے کے لئے جُھک گئے۔ حضرت ابوطالب کو سجدہ ریزی کی اطلاع دی گئی۔ اور نصیحتاً بھی آگاہ کیا۔ کہ ایک وقت آئے گا۔ آپؐ نبوت کا دعویٰ کریں گے اور دُنیا آپؐ کی مخالفت پر کمربستہ ہو جائے گی خصوصاً اہلِ کتاب۔ پس ایسے وقت میں آپ سے درخواست ہے

۱۔ حیاتِ رسالت مآبؐ صـ۳۲

کہ اہل کتاب کے شر سے آپؐ کو محفوظ رکھا جائے۔

بحیرہ نے آگے بڑھ کر بمطابق پیشگوئی جسمِ اطہر پر وہ نشان بھی دیکھا یعنی آپؐ کی پشت مُبارک پر دونوں شانوں کے درمیان مُہرِ نبوت۔ پختہ یقین کے ساتھ وہ مؤدب ہُوا۔ اور کہا کہ سیّد المرسلینؐ کی حفاظت آپ کے ذمّہ ہے۔

پہلا معاہدہ — حلف الفضول[۱]

بعمر ۱۵ سال ۸ ماہ جولائی ۵۸۶ء

عرب قوم جس کا طرۂ امتیاز ہی جنگ ہوا کرتا تھا۔ بات بات پر لڑنے مارنے پر آمادہ ہو جایا کرتے تھے۔ بڑی بڑی قسمیں کھاتے اور قصاص کے بغیر پیچھے نہ ہٹتے تھے جنگجو قوم جہاں غیر مہذب بھی تھی۔ یہ وہی قوم ہے جس کے بچے ماں کا دودھ پینے سے انکار کر دیتے تھے اور بھیڑیئے کا دودھ پی کر پلتے تھے جن میں ابن حجاج کی شخصیت نمایاں ہے۔ چنانچہ ایسی قوم کو جب کبھی قصاص کا موقعہ ملتا تو خون کے پیالے میں انگلیاں ڈبو کر قسم کھاتے کہ لڑ کر مر جائیں گے مگر پیچھے نہ ہٹیں گے۔ ایسی خصلتوں کی وجہ سے عرب کے لوگ سال کے بیشتر مہینے جنگ وجدال میں ہی گزارتے۔ جب مستقل جنگ وجدال نے ہزاروں کا صفایا کر دیا اور چاروں طرف موت دھاڑنے لگی تو کچھ صحیح الدماغ لوگ ان تباہیوں کے اسباب اور روک تھام پر غور کرنے لگے۔ بنی قیس کو ہار ماننا پڑی۔ اور انہوں نے قصاص سے دست بردار ہو کر خون بہا پر اکتفا کر لیا۔ اور صلح کر لی۔ یہی امن پسندی کا پہلا قدم تھا۔ بعض اشخاص کو یہ خیال پیدا ہوا کہ باہم مل کر یہ عہد کیا جاوے کہ ہم ہمیشہ مظلوم کا ساتھ دیں گے۔ اور ظالم کو ظلم سے روکیں گے اور قوی کو ضعیف پر ہاتھ اٹھانے سے باز رکھیں گے۔ چنانچہ کچھ ذی اثر اور صاحب اقتدار لوگ (اتفاق سے جن کے نام فضل سے شروع ہوتے ہیں) آگے بڑھے اور ایک انجمن بنائی۔ جس کے ممبروں نے قسمیں کھائیں اور ظلم کے خلاف ایک مستقل تحریک شروع کر دی۔ اس تحریک کے محرکوں کے نام درج

۱؎ حیات رسالت مآبؐ ص ۳

ذیل ہیں:-

فضیلؓ بن حارث۔ فضلؓ بن دواعہ، مفضلؓ بن فضالہ وغیرہ وغیرہ۔

یہ تحریک چند نکات پر مشتمل تھی۔ اور وہ یہ ہیں:-

۱۔ وہ مظلوموں کی مدد کریں گے اور ان کے حق ان کو دلائیں گے۔ جب تک کہ سمندر میں ایک قطرہ پانی کا موجود ہے اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکیں گے تو وہ خود اپنے پاس سے مظلوم کا حق دیں گے۔

بعدہٗ حرب فجار کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زبیر بن عبد المطلب کے دل میں یہ تحریک پیدا ہوئی کہ اس حلف کو از سر نو تازہ کیا جاوے۔ چنانچہ ان کی تحریک پر عبد اللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہو کر سب نے یہ قسم کھائی کہ مظلوموں کے حقوق کی حفاظت کریں گے۔ حضرت نبی کریمؐ بھی اس موقعہ پر موجود تھے اور شریک معاہدہ تھے۔

باقی افراد تو وقت کے ساتھ ساتھ اس معاہدہ سے بے نیاز ہو گئے۔ لیکن سرور کائنات ہمیشہ پہلے معاہدہ پر قائم رہے اور اس کی قطعی پاسداری فرمائی۔ ایک دفعہ صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ "یہ تحریک جو مظلوموں کی امداد کے لئے تھی اور غرباء کے حقوق کے لئے جاری کی گئی تھی۔ مجھے ایسی پیاری تھی کہ اگر آج بھی کوئی شخص مجھے اس کی طرف بلائے تو میں شامل ہونے کو تیار ہوں۔ گویا غرباء کی امداد کے لئے دوسروں کی ماتحتی بھی آپؐ کو قبول تھی۔ ایک دفعہ بعد از نبوت کا واقعہ ہے کہ آپؐ کے سب سے زیادہ مخالف ابوجہل نے (جس نے مخالفت میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی اور جس کی روحانیت مُردہ ہو چکی تھی) کسی سے قرضہ لے رکھا تھا۔ اور قرض خواہ کو تنگ کرتا تھا اور قرض کی ادائیگی سے صاف انکاری تھا۔ شریروں کو حضرت رسولِ خدا کو تنگ کرنے کے لئے بہانہ درکار تھا۔ اس شخص کو محمد رسول اللہ کے پاس حلف الفضول کے مطابق امداد لینے کے لئے بھیجا۔ اُن کا خیال تھا کہ آپؐ ابوجہل کی خصوصی مخالفت کی بناء پر معاونت سے انکار کر دیں گے تو تحریک حلف الفضول

کے خلاف جائیں گے۔ اور اگر ہمت کر کے ابوجہل کے گھر حق دلوانے جائیں گے اور وہ ذلیل کر کے گھر سے نکال دے گا تو تمسخر کا ایک اور موقعہ ہاتھ لگے گا۔ لیکن خدا تعالے کے سچے نبی کی حفاظت پر خدا تعالیٰ کے فرشتے مامور ہوتے ہیں۔ جو آپؐ کو ہر کس و ناکس سے بچاتے ہیں۔ اسی طرح جب ابوجہل کے خلاف شکایت لے کر وہ شخص آیا تو آپؐ مظلوم کا حق دلوانے کے لئے بلا تامل اُس کے ساتھ چل دیئے۔ اور ابوجہل کے دروازے پر دستک دے دی۔ ابوجہل جب باہر آیا تو دیکھ کر حیران ہو گیا کہ محمدؐ رسولِ خدا خود قرض خواہ کے ساتھ کھڑے ہیں۔ آپؐ نے اُس کو توجہ دلائی کہ:۔

"تم نے اس شخص کا حق دینا ہے۔ ادا کرو"۔

ابوجہل نے بلا چون و چرا اس کا حق دے دیا۔ اور جب شہر کے دوسرے رؤساء نے ابوجہل کو ملامت کی کہ بجائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ذلیل کرنے کے تم نے اس کی عزت قائم کر دی۔ تو ابوجہل نے کہا:۔

"خدا کی قسم اگر تم میری جگہ ہوتے تو یہی کرتے۔ میں نے دیکھا کہ محمدؐ کے دائیں، بائیں دو مست اُونٹ کھڑے ہیں۔ جو میری گردن مروڑ کر مجھے ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے میں مجبوراً بلا حیل و حجت حق دینے پر رضا مند ہو گیا"۔

طلحہ بن عبداللہ بن عوف سے روایت ہے کہ رسولِ خدا نے فرمایا کہ عبداللہ بن جدعان کے معاہدہ کے وقت میں موجود تھا۔ اس کے معاوضہ میں بہت سے سُرخ اونٹوں کے ملنے کو بھی میں پسند نہ کروں گا۔ اگر اس معاہدہ کی رُو سے اسلام میں بھی کوئی مجھے بلائے تو اسے ضرور قبول کروں گا[1]

پس اس طرح ہر معاملہ میں حلف الفضول کی تحریک پر آپؐ تا حیات عمل فرماتے رہے۔ پندرہ سال کی عمر میں غرباء اور مظلوموں کی آواز پر لبیک کہنے والا وجود بیشک رحمۃٌ للعالمین ہے۔

[1]:۔ سیرۃ النبیؐ کامل صفحہ ۱۳۱ باب ۲۲۔

آپؐ کی پہلی بیوی — حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ

بعمر ۲۵ سال ۲ ماہ ۱۰ دن (۲۷ سال قبل ہجرت

خویلد کی بیٹی حضرت خدیجہ رضؓ وہ پہلی مسلمان عورت ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے عالمِ اسلام کی اُمّ المؤمنین قرار دیا۔ اُن کی نسل کو قیامت تک کے لئے مکرم و معزز بنا دیا۔ وہ اتنی خوش نصیب عورت تھیں کہ جب خدا کے رسولؐ کے عقد میں آئیں تو ایک صاحبِ جمال مالدار بیوہ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ لیکن جب ایک غریب نوجوان صادق و امین کی رفاقت میں رہیں تو انوار کا ایک مجسمہ بن گئیں۔ آپؐ کے چمکتے ہُوئے انوار سے جو غیر معمولی انعامات انہیں نصیب ہوئے ان میں سے ایک یہ شرف بھی ہے کہ سادات کی نسل آپؓ سے جاری ہو گئی۔

حضرت خدیجہ رضؓ جن کا لقب طاہرہ تھا۔ قصی بن کلاب کی پڑپوتی تھیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جدّی تھیں۔ حضرت خدیجہ رضؓ کے والد خویلد ضعیفی کے باعث جب محنت کے قابل نہ رہے اور تجارت کے بکھیڑوں سے گھبرا گئے تو تمام دنیا کے کاروبار حضرت خدیجہ رضؓ کے سپرد کر کے خود گوشہ نشین ہو گئے اور اس طرح حضرت خدیجہ رضؓ بہت مشہور تاجرہ بن گئیں تھیں۔ ان کا سامان قریش کے کل سامان کے برابر ہوتا تھا۔ پہلے پہل یہ شریف النفس عرب کی تاجرہ اپنا مال رسولِ خدا کو بغرض تجارت دیتی تھیں۔ اور سب سے زیادہ نفع انہیں ہوتا تھا۔ اگر کسی چیز میں نقص ہوتا تھا تو آپؐ خود ہی اس کو ظاہر کر دیتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ گاہک تلاش کر کے آپؐ سے ہی مال خریدتا اس طرح کی تجارت میں جب آپؐ کی غیر معمولی دیانتداری اور برکت سے بہت فائدہ ہُوا۔ تو حضرت خدیجہ رضؓ نے آپؐ کے اخلاق سے متأثر ہو کر خود ہی آپؐ کو نکاح کے لئے

پیغام پہنچا دیا۔

نفیسہ ایک قابلِ اعتماد لونڈی تھی۔ جو یہ پیغام لے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی۔ اور کہنے لگی۔ "میاں! شادی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ جتنی عمر آپ کی ہے اتنی عمر میں لوگ کئی بچوں کے باپ ہوتے ہیں۔" آپ نے فرمایا۔ "بات یہ ہے کہ میں غریب آدمی ہوں کون مجھے بیٹی دے گا۔"

نفیسہ نے سن کر کہا۔ "میاں کسی دولتمند سے شادی کرو۔" آپ نے ہنس کر فرمایا۔ مجھ غریب کو کوئی امیر اپنی بیٹی کیوں دے گا؟ نفیسہ نے جب اپنی مالکہ کی طرف اشارہ کیا۔ تو حضرت خدیجہؓ کی خواہش کو مدنظر رکھتے ہوئے آپؐ نے اپنے چچا کی رائے کا انتظار کرنے کو کہا۔ اور چچا کی اجازت کے بعد اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔

یہ تقریب مبارک تھوڑے سے دنوں میں عمل میں آگئی۔ اور پانچ سو درہم مہر پر حضرت ابوطالب نے آپؐ کا نکاح پڑھا دیا۔ آپ کی عمر اس وقت پچیسؔ سال تھی۔ اور حضرت خدیجہؓ چالیسؔ کی تھیں۔ یہ شادی پاکیزگی اور طہارت کی بہترین مثال تھی۔ جو حسنِ نیت کے نتیجہ میں انتہائی طور پر بابرکت ثابت ہوئی۔

پہلی مسلمان عورت حضرت خدیجہؓ نے اپنی ساری عمر اپنے عظیم المرتبت شوہر کی خدمت میں گزار دی۔ اور اس میں فخر محسوس کیا۔ کہ اپنا مال و جان سب کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ پر خرچ کر دیا جائے۔ ان کی قربانی بھی حقیقی تھی۔ اول جب بیاہ کر آئیں۔ تو اپنی دوراندیشی سے اندازہ لگا لیا۔ کہ مال و متاع اپنے رفیقِ حیات کے قدموں میں ڈال دینے میں ہی سعادت مندی ہے۔ اس طرح انہیں قربانی کا موقعہ ملا۔ اور رسولِ خدا نے وہ تمام مال لے کر حاجتمندوں اور غرباء میں تقسیم کر دیا۔ اور تمام غلام آزاد کر دیئے۔

حضرت خدیجہؓ حق الیقین کے ساتھ اس حقیقت تک پہنچ گئیں کہ میرے شوہر گناہ سے اتنے دور ہیں جیسے مشرق سے مغرب۔ چنانچہ ساری عمر اطاعت و فرمانبرداری

لہ: حیات رسالت مآبؐ ص۳۵

میں گزار دی۔ حضورؐ کے سرگرم زمانہ میں جان و مال سے ساتھ دیا۔ غارِ حرا میں حضورؐ کو کھانا آپؓ ہی پہنچایا کرتی تھیں۔ حلم و صبر کا پیکر تھیں۔ بخاری شریف میں آتا ہے۔ کہ ایک دفعہ جبرائیل علیہ السلام نے حضورؐ سے کہا۔ "خدیجہؓ برتن میں کچھ لا رہی ہیں۔ ان کو خدا تعالیٰ کا اور میرا سلام پہنچا دیں۔"

سبحان اللہ! یہ امّ فاطمہؓ ہیں۔ جن کو خدا تعالیٰ کا سلام آیا ہے۔ آپؓ نے نکاح کے پچیس برس بعد اور رمضان المبارک سنہ ۱۰ نبوی کو ہجرت سے تین سال قبل انتقال فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر چھیاسٹھ سال چھ ماہ تھی۔ نمازِ جنازہ چونکہ ابھی شروع نہ ہوئی تھی۔ اس لئے بغیر جنازہ دفن کر دی گئیں۔ لحد میں حضورؐ نے خود اتارا تھا۔

شعب ابی طالب میں متواتر تین سال کی سختیاں ان کی نحیف و نازک طبیعت برداشت نہ کر سکی اور مکہ کی متمول ترین عورت مصائب اور حرارت کے ان ایام میں صبر آزما حالات سے گزرتے ہوئے اس حال کو پہنچ گئیں کہ چند دن بعد اپنی جان خدا تعالیٰ کے سپرد کر دی۔ اور اپنے محبوب آقا کو تنہا چھوڑ گئیں۔ اس طرح ربع صدی کے بعد یہ پیار و محبت۔ ایثار و قربانی کا پیوند خدا تعالیٰ کے حکم سے ٹوٹ گیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

خدا کے رسولؐ کو حضرت خدیجہؓ سے بے حد پیار تھا کہ وفات کے کئی سال بعد ایک دفعہ آپؐ اپنے گھر میں تشریف رکھتے تھے کہ حضرت خدیجہؓ کی بہن ہالہؓ آپؐ سے ملنے آئیں۔ دروازہ پر کھڑے ہو کر اندر آنے کی اجازت مانگی۔ ہالہؓ کی آواز چونکہ اپنی بہن خدیجہؓ جیسی تھی۔ اس لئے آپؐ کے کان میں پڑتے ہی آپؐ بے تاب ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا۔ "آہ میرے خدایا یہ تو خدیجہؓ کی آواز معلوم ہوتی ہے۔"

سرورِ کائناتؐ کے پیار کا یہ عالم تھا کہ جب بھی حضرت خدیجہؓ کا ذکر آتا تو آپؐ کی آنکھیں ڈبڈبا جاتیں۔

جنگِ بدر میں جب رسولِ خدا کے داماد ابوالعاص (جو ابھی مشرک تھے) قید ہو کر آئے تو آپؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے فدیہ کے طور پر اپنے گلے کا ہار اتار کر

بیچ دیا۔ یہ وہ ہار تھا جو حضرت خدیجہؓ نے اپنی بیٹی کو جہیز میں دیا تھا۔ خدا کے رسولؐ نے اس ہار کو دیکھا تو آپؐ کو حضرت خدیجہؓ یاد آگئیں۔ آپؐ کی آنکھیں پُرنم ہوگئیں۔ آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا۔ اگر چاہو تو خدیجہؓ کی یادگار اس کی بیٹی کے پاس محفوظ رہنے دو۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی۔ یارسول اللہ! اس سے زیادہ ہمارے لئے کیا خوشی ہے کہ وہ ہار واپس کر دیا جائے۔[1]

حضرت ام المؤمنین خدیجہؓ کی قربانیوں کا اثر آپؐ کی طبیعت پر اتنا تھا کہ آپؐ ان کی نیکیوں کا ذکر اپنی دوسری بیویوں کے سامنے فرماتے۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ "یارسول اللہ! آپؐ اس بوڑھی عورت کا ذکر کرتے ہیں کہ مجھے رشک آنے لگتا ہے۔" آپؐ نے فرمایا۔ "عائشہ! اس نے مجھے اس وقت قبول کیا جب لوگوں نے مجھے ترک کر دیا تھا اور اس وقت سہارا دیا جب کوئی میرا پُرسانِ حال نہ تھا۔"

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ایک عظیم احسان ہے کہ ابراہیمؓ کے سوا جو حضرت ماریہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ رسولِ خدا کی باقی اولاد حضرت خدیجہؓ کے بطن سے پیدا ہوئی۔ آپؐ کے تین بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ جن میں سے چاروں بیٹیاں حضرت زینبؓ، حضرت ام کلثومؓ، حضرت رقیہؓ اور حضرت فاطمہؓ زندہ رہیں۔

الغرض وہ آپؐ کی پہلی بیوی اُم المؤمنین بہت عظیم تھیں۔ جن کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

"نہیں خُدا کی قسم نہیں۔ مجھے اس سے بہتر بیوی نہیں ملی۔ وہ اس وقت ایمان لائیں۔ جب سب کافر تھے۔ انہوں نے میری اس وقت تصدیق کی جب سب نے جھٹلایا۔ اس نے اس وقت مال سے میری مدد کی جب...... اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے اولاد دی۔"[2]

---

[1] :۔ سیرۃ الحلبیہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۵؎

[2] :۔ حیات رسالت مآبؐ صفحہ ۶۵؎

پہلا خطاب — صادق و امین

۶۰۵ء بعمر ۳۵ سال / ۱۸ سال قبل ہجرت

هٰذَا الْاَمِیْنُ رَضِیْنَا هٰذَا مُحَمَّدٌ اَمِیْنٌ۔ اَمِیْنٌ

یہ وہ الفاظ تھے جو ایک بہادر جنگجو قوم نے چلا کر یک زبان ہو کر کہے۔ یہ وہ خطاب ہے جس سے اہل مکہ نے ایک غریب نوجوان مُحَمَّد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو نوازا۔ جبکہ وہ عمر کے اس حصہ میں تھا جس میں لوگ عموماً راستبازی اور صدق کو برائے نام ہی جانتے تھے۔ لیکن یہ نوجوان وہ تھا جس نے صداقتوں کو مانا اور ان پر عمل کیا۔ صرف یہی نہیں کہ سچ ٹھیک ہے۔ بلکہ سچ بولا بھی۔ یہی نہیں کہ امانت اچھی بات ہے بلکہ اَمِیْن بن کر دکھایا بھی۔ ساری قوم نے اس شخص کو بلاشک وشبہ امین قرار دیا۔ خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت حجرِ اسود کو اُس کی اصلی جگہ پر رکھنے کے متعلق قبائلِ قریش میں شدید اختلاف تھا۔ اور ہر ایک مرنے مارنے پر آمادہ تھا۔ اُسی امین نوجوان کو جھگڑا نپٹانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ جب لوگوں نے اُسے آتے دیکھا تو بے ساختہ بولے۔ هٰذَا الْاَمِیْنُ رَضِیْنَا هٰذَا مُحَمَّدٌ...... اَمِیْنٌ اَمِیْنٌ۔ آپؐ نے تمام سرداران سے کہا کہ چادر کے کونے اُٹھا کر حجرِ اَسْوَدْ کو اپنی جگہ پر لے جائیں۔ جب چادر دیوار کے اس مقام تک پہنچ گئی تو فخرِ بنو ہاشم نے اپنے دستِ مُبارک سے پتھر کو اُٹھایا اور اُس کی جگہ پر رکھ دیا۔ پس حجرِ اَسْوَدْ کے متعلق حَکَم بن کر پہلا پبلک فیصلہ اس بات کی دلیل تھا کہ نبوت کی عمارت کے کونے کا پتھر آپؐ کے وجود سے اپنی جگہ پر قائم ہوگا۔ اور اس عظیم الشان فیصلے سے آپؐ کی امانت و ذہانت اور روشن خیالی مسلّم ہوگئی۔

اِس مقدس انسان نے نہ کبھی جھوٹ بولا۔ نہ کبھی کوئی لغو کام کیا۔ اس کا معاملہ ہمیشہ کھرا ہوتا۔ جب آپؐ کسی سے سودا کرتے تو خوش اسلوبی سے اور جب کسی پر ظلم ہوتا دیکھتے تو تن، من، دھن سے مظلوموں کی مدد کرتے۔ جس کا حق ناحق چھینا گیا ہو اس کا حق دلواتے۔ امانت و دیانت کا سکہ لوگوں کے دلوں پر بچپن سے ہی جم چکا تھا۔ لوگ آپؐ کو مقدس و بزرگ بچہ تصور کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپؐ کو دُعا کیلئے قوم نے استدعا کی تھی۔ آپؐ کا مقام سچائی میں اس قدر بلند تھا کہ آپؐ کی قوم نے آپؐ کا نام صِدِّیق رکھ دیا تھا۔ آپؐ کی صداقت کے متعلق ایک بدترین دشمن کی گواہی بھی موجود ہے۔ اہلِ مکہ کو یہ خیال پیدا ہؤا۔ کہ حج کے موقع پر لوگ جمع ہوں گے تو عین ممکن ہے کہ آپؐ ان میں سے بعض کو اپنے ساتھ ملا لیں۔ اس طرح وہ آپؐ سے بدظن کرنے کی تجاویز سوچنے لگے۔ کسی نے کہا۔ "یہ شاعر ہے"۔ کسی نے کہا۔ "یہ مجنون ہے"۔ لیکن ایک نے کہا کہ ہم کہہ دیں گے کہ یہ جھوٹا ہے تو ان میں سے ایک مخالف نضر بن حارث بڑے جوش سے کھڑا ہوگیا۔ اور کہنے لگا مُحَمَّد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے درمیان جوان ہؤا۔ اس کے اخلاق تم سب سے اچھے تھے۔ وہ تم سب سے زیادہ راستباز تھا۔ وہ تم سب سے زیادہ امین تھا۔ مگر جب تم نے اس کی کنپٹیوں میں سفید بال دیکھے اور وہ تمہارے پاس وہ تعلیم لے کر آیا جس کا تم انکار کر رہے ہو تو تم نے کہدیا کہ وہ جھوٹا ہے۔ "خدا کی قسم وہ ہرگز جھوٹا نہیں"۔ یہ تھی گواہی جو النضر بن الحارث نے آپؐ کی صداقت پر دی۔

پس وہ شخص اخلاقِ حسنہ کا منبع تھا۔ اپنے تجارت کے پیشہ میں بھی امتیازی طور پر سب پر حاوی ہوگیا۔ یہاں تک کہ حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کی امانت و دیانت سے متاثر ہو کر خود رشتہ کی فرمائش کی۔ آپؐ صداقت و امانت کے اتنے اعلیٰ مقام پر کھڑے تھے کہ آپؐ نے جب ایک دفعہ پہاڑی پر چڑھ کر

قریش کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ اگر میں کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے ایک بڑا لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنے والا ہے۔ تو کیا تم یقین کر لو گے؟۔ سب نے کہا "ہاں ہم مان لیں گے"۔ ایسی حالت میں آپؐ کی بات ماننے کے صاف معنے ہیں کہ وہ اپنی آنکھوں کو جھوٹا خیال کرتے۔ حالانکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ کوئی لشکر نہیں ہے لیکن وہ سب اپنی آنکھوں کو جھوٹا سمجھنے کے لئے تیار تھے۔ مگر (نعوذ باللہ) آپؐ کو جھوٹا خیال کرنا ناممکن تھا۔ آپؐ نے فرمایا:۔

لَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ [1]

کہ میں نے تم میں ایک لمبی عمر گزاری ہے۔ کیا اس وقت میری پاکی۔ میری نیکی۔ میری دیانت کے متعلق تمہیں کوئی شبہ ہؤا؟

اور اب جب میں نے اپنی جوانی ایسی پاکیزگی اور سچائی کے ساتھ تمہارے اندر گزاری ہے۔ تو کیا میں اب بوڑھا ہو کر خدا تعالیٰ پر جھوٹ بولوں گا؟۔ کیا تم میں اتنی معمولی بات کو سمجھنے کی عقل نہیں۔

پس آپؐ صادق القول اور صادق العمل تھے۔ اور وہ خطاب جو قوم نے جوانی میں دیئے وہی حقیقی خطاب تھے۔ اور وہی آپؐ کی حقیقت تھی کیونکہ آپؐ تو اخلاقِ حسنہ کا منبع تھے۔ اور آپؐ کا سینہ تو بچپن میں ہی نیکیوں کے لئے کھل گیا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپؐ اپنی قوم میں امین و صدیق کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ اور ساری قوم سے راستبازی کا خطاب وصول کر چکے تھے۔

[1]: ۔ سورۃ یونس آیت ۱۷

پہلا پبلک فیصلہ — حجرِ اَسْوَد کا نصب کرنا

بعمر ۳۵ سال

خانہ کعبہ کی عمارت بوجہ سیلاب بہت حد تک شکستہ ہو گئی تھی۔ اور کچھ حِصّہ قریب تھا کہ گر جائے۔ آخر کار فیصلہ ہوا کہ خانہ کعبہ کو مسمار و تباہ ہونے سے بچانے کے لئے ضروری تعمیر و مرمت کر لینی چاہیئے۔ لیکن کعبہ کو مقدس عمارت خیال کرتے ہوئے ڈھانے کے لئے تیار کوئی نہ تھا۔ اور سب کا عقیدہ تھا کہ جو بھی خانہ کعبہ کو ڈھائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ اس لئے اس فرسودہ عقیدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی شخص بھی آگے بڑھ کر اس کام کو شروع نہیں کرتا تھا۔

حضرت خالد سیف اللہ کے والد ولید بن مغیرہ نے جو کہ قریش کے معزز سردار تھے آگے بڑھ کر خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ چونکہ وہ بہت زیادہ بوڑھے تھے۔ اُن کی رضاکارانہ دلیری دیکھ کر سب خوش ہوئے چنانچہ عمارت کو ڈھانے کا کام مکمل ہو گیا۔ تو قریش مکّہ نے مل کر ساری عمارت نئی بنیادوں پر استوار کی۔ تمام سردارانِ قریش اور معزز شہری اس کام کو مقدس خیال کرتے ہوئے اس کی تعمیر کی سعادت میں حصّہ لیتے رہے۔ جب حجرِ اَسْوَدْ کو اپنی اصلی جگہ پر نصب کرنے کا وقت آیا۔ تو ایک نئی مصیبت آن پڑی۔ اب ہر قبیلہ یہ اعزاز حاصل کرنا چاہتا تھا کہ حجرِ اَسْوَدْ کو وہ نصب کرے۔ ہر سردار نے کہا کہ اس متبرک پتھر کو مَیں اس کی جگہ نصب کروں گا۔ اور کسی کی مجال نہیں کہ یہ اعزاز مجھ سے چھین لے۔ بس پھر کیا تھا۔ ہر قبیلہ شیر کی طرح بپھر گیا۔ اور جہاں سردارانِ مکّہ کے ہاتھ عمارتی پتھر پر تھے وہ آن کی آن میں تلوار بکف ہو گئے۔ ہر قبیلہ بھول گیا کہ اس نے

حلف الفضول پر دستخط کئے ہیں۔ اور اس عظیم معاہدہ میں شمولیت کوئی معنے نہ رکھتی تھی۔ آج وہ جنگجو آزاد غیر مہذب قوم پھر خول سے باہر آ گئی۔ جو حلف الفضول نے ان پر رنگ چڑھایا تھا پیالے میں خون بھر کر انگلیاں ڈبونے کا منظر پیش کرنے لگی۔ اور انہوں نے قسمیں کھائیں یا تو اپنا حق لیں گے یا ہمارا بچہ بچہ کٹ کر مر جائیگا۔ بنی عدی بن کعب بن لوئی نے سب سے پہلے عہد کیا۔ چنانچہ ان کا نام "نعقۃ الدم" یعنی خون چاٹنے والا رکھ دیا گیا۔

قریب تھا کہ کعبہ کی بنیادیں لاشوں سے پٹ جائیں اور دیواریں خون سے رنگین ہو جائیں۔ لیکن ابوامیہ بن مغیرہ نے یہ تجویز پیش کی کہ جو شخص کل صبح سویرے خانہ کعبہ میں سب سے پہلے داخل ہو گا وہی اس جھگڑے کا فیصلہ کرنے کا حقدار ہے۔ اور اس کا فیصلہ سب کو قبول کرنا پڑے گا۔ سب ہی اس تجویز پر متفق ہو گئے اور اگلی صبح کا بے چینی سے انتظار کرنے لگے۔ تصرف الہٰی دیکھئے سب سے پہلا شخص جو خانہ کعبہ میں داخل ہؤا وہ عبدالمطلب سردار قریش کا پوتا اور ابوطالب کا بھتیجا امین و صادق مُحَمَّدؐ تھا۔ آپؐ کو دیکھ کر سب بے ساختہ بول اُٹھے۔ "یہ صادق ہے۔ یہ امین ہے"۔ ہمیں اس کا فیصلہ منظور ہے۔ آپؐ کو آج ساری قوم نے بلاشک و شبہ امین قرار دیا اور منصف جان کر تمام باہمی اختلاف مٹا کر فیصلہ کے منتظر ہو گئے۔ هٰذَا الْاَمِيْنُ رَضِيْنَا هٰذَا مُحَمَّدٌ ...... اَمِيْنٌ اَمِيْنٌ

کیونکہ انہوں نے اپنا تمام تر حق اس نوجوان امین کے ہاتھ میں دے دیا۔ وہ مردِ کامل آگے بڑھا اور ٹھنڈے دل سے یہ فیصلہ دیا کہ یہ چادر ہے تمام سردارانِ قریش چادر کے کونے پکڑ کر حجرِ اَسْوَدْ کو اپنی اصلی جگہ لے جائیں جہاں نصب کرنا ہے۔ جب تمام سردار اُسے دیوار کے اس مقام تک لے گئے جہاں نصب کرنا تھا۔ تو فخرِ بنو ہاشم نے اپنے دستِ مُبارک سے پتھر اُٹھایا اور اُس کی جگہ پر رکھ دیا۔ بس آج سب کو انصاف دیکر جنگ سے بچانے والے صدیق نے منصف اعلیٰ بن کر پبلک کو پہلا فیصلہ دیا۔ اور اسی پہلے فیصلے سے آپؐ کی امانت و ذہانت اور روشن خیالی مسلّم ہو گئی ؂

آپؐ کا پہلا دوست — حضرت ابوبکر صدیق رضؓ

عبداللہ بن قحافہ

بچپن سے لے کر جوانی تک ہم آپؐ کو دوست کے لحاظ سے دیکھتے ہیں تو آپؐ کا حلقۂ احباب بہت ہی مختصر ہے۔ کیونکہ بچپن ہی سے آپؐ کی طبیعت تنہائی پسند تھی اور جلوت کی بجائے خلوت کو زیادہ پسند فرماتے تھے اور نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھنا پسند کرتے تھے۔ اگر کسی میں کمزوری ہوتی تھی تو اُس کو عمدگی کے ساتھ پردہ پوشی سے نصیحت فرماتے تھے۔ ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ خدا کے رسولؐ نے فرمایا:۔

نیک دوست اور نیک مجلس نیز بَد دوست اور بَد مجلس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ایک شخص مُشک اُٹھائے پھر رہا ہو۔ مُشک اٹھانے والا اُس کو کھانے گا تو بھی فائدہ اُٹھائے گا۔ اور اگر رکھ چھوڑے تو بھی خوشبو حاصل کرے گا جبکہ ہم مجلس بَد ہوں گے اس کی مثال ایسے ہے جیسے بھٹی کی آگ میں پھونک مارنا۔ وہ اتنی ہی اُمید رکھ سکتا ہے کہ کوئی چنگاری اُڑ کر اُس کے کپڑوں کو جلا دے یا کوئلوں کی بَد بُو اُس کا دماغ خراب کرے۔"

مکہ والے سب راگ و رنگ کے دلدادہ تھے اور شاعری کو تو خصوصی توجہ دی جاتی تھی۔ گویا وہ قومی لیڈر خیال کئے جاتے تھے۔ لوگ مشاعروں میں جانا فخر کی علامت خیال کیا کرتے تھے۔ اور ہمیشہ اپنے اوقات شعر و سخن کی محفلوں میں گزارتے تھے۔ لیکن مقدس نوجوانؐ ہمیشہ ان محفلوں سے بیزاری کا اظہار فرماتا تھا۔

ایسے شغلوں سے ابدی نفرت آپؐ کو غارِ حرا میں لے گئی۔ تاہم انسانی زندگی میں کچھ دوست و احباب کی رفاقت ضرور ہوتی ہے۔ چنانچہ اس نوجوان مُحَمَّدؐ کا اچھا اور پہلا

دوست حضرت ابوبکرؓ تھے۔ یعنی عبداللہ بن قحافہ جو برسوں آپؐ کے شریکِ صحبت رہے۔ دوسرے دوست حزامؓ بن حکیم تھے جو حضرت خدیجہؓ کے چچیرے بھائی تھے۔ وہ قریش کے بہت معزز انسان تھے۔ حرم کا منصب افادہ انہیں کے ہاتھ میں تھا۔ دارالندوہ کے بھی یہی مالک تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ سال بڑے تھے۔ اور مخیّر طبیعت کے مالک تھے۔ امیر معاویہ کے پاس دارالندوہ بیچ کر ساری رقم خیرات کر دی۔[1]

بچپن کا یہ پہلا دوست وہ پہلا آدمی ہے جو بغیر تشریح و تفصیل کے نبوت کی تصدیق کر کے صدیق کا لقب پا گیا۔ آپؐ نے بعثت کے بعد اپنے بچپن کے دوست کو ٹھوکر سے بچانے کے لئے وحی کی تشریح کرنا چاہی تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا: "کیا آپؐ نے یہ اعلان کیا ہے کہ خُدا تعالٰے کے فرشتے آپؐ کے پاس آتے اور انہوں نے آپؐ سے باتیں کیں؟ اس سوال کا جواب دیجئے اور کچھ نہ کہیئے۔ جب آپؐ نے اثبات میں جواب دیا تو ابوبکرؓ نے کہا: "گواہ رہیئے میں آپ پر ایمان لاتا ہوں۔ یا رسُول اللہ آپؐ تو دلیل دے کر میرے ایمان کو کمزور کرنے لگے تھے۔

"آج حضرت ابوبکرؓ پہلے مسلمان مرد آپؐ کے زیرِ سایہ آ گئے اور مسلّمہ طور پر مقدم اور سابق الایمان قرار پائے۔ آپؐ کو خُدا تعالٰے نے یارِ غار بھی بنایا۔ ناسازگار حالات نے جہاں بھی طول کھینچا حضرت اُبوبکرؓ رسُولِ خدا کے ساتھ سایہ کی طرح نظر آئے۔ صدیق دوست نے جب مالی قربانی کا وقت آیا تو سارا مال لا کر اپنے آقاؐ کے حضور ڈھیر کر دیا۔ اور فخر سے گردن جھکا کر یہی کہا کہ میرے آقا! میرے گھر میں باقی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُولؐ کا نام ہے جو میرے خاندان کے لئے کافی ہے۔"

جب جسمانی قربانی کی ضرورت پڑی تو سانپ جیسے موذی کے ڈسنے پر بھی حرکت نہ کی کہ میرا پیارا دوست بے آرام ہو گا۔ آپؓ کی تبلیغی مساعی کے نتیجہ میں شروع شروع

[1]:- شبلی ص ۱۹۹ باب ۲۰۰۔

کہ سامان پیدا ہوں۔ چنانچہ آپؐ غارِ حرا میں تشریف لے جاتے جو مکہ سے تین میل دُور ہے۔

غارِ حرا وہ بابرکت غار ہے جسے یہ شرف حاصل ہے کہ اس مقدس جگہ پر آپؐ کی فطرت کے پاک نور پر ایک نور نازل ہُوا۔ جس سے آپؐ نہایت درجہ روشن اور نورٌ علیٰ نور ہو گئے۔ آپؐ کا وجود مبارک مجمع الانوار بن گیا۔ اس غار میں آقائے دو جہاں اپنے پیدا کرنے والے خدائے واحد و یگانہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اور سنّتِ ابراہیمی علیہ السلام کو زندہ رکھتے۔ کئی کئی دن خُدا کی یاد میں مصروف رہتے۔ رُوح کی ارتقائی منزلیں آپؐ نے اسی غار میں طے کیں۔ آپؐ کی ہمدرد و غمگسار بیوی بھی آپؐ کے پاس جاتی تھیں۔ چند ایام کا کھانا۔ ستّو، کھجوریں اور سوکھا گوشت لے جاتی تھیں۔ جس دن آپؐ کو رسالت سے سرفراز فرمایا گیا اس دن حضرت خدیجہؓ آپؐ کے ساتھ نہ تھیں۔

آپؐ اتنا تو جانتے تھے کہ خُدا ایک ہے اور ایک ہی ہونا چاہیئے۔ لیکن خُدا تک پہنچنے اور معرفت کے حصول کا رستہ کونسا ہے۔ یہ آپؐ کو معلوم نہ تھا۔ لہٰذا اس کی تلاش میں وہ ایک دُکھی۔ بے چین دل لے کر تنہا کوہِ حرا پر چلے جاتے وہاں جا کر صرف آپؐ سوچتے ہی نہیں رہتے تھے۔ بلکہ سنّتِ ابراہیمی کے خدائے واحد کو پکارتے تھے اس سے راہنمائی طلب کرتے تھے۔ بس وہ پیدا کرنے والا خالقِ حقیقی آپؐ کو یہاں غارِ حرا میں ایک دن مل گیا۔ خُدا کا چہرہ دیکھتے ہُوئے نبوت کی پہلی سیڑھی پر پاؤں رکھا۔ اور آفتاب ہدایت کی ضیاء باریوں سے منور ہو کر اس مقدس غار میں سے نکلے۔ خداتعالیٰ کے حکم سے فرشتہ آیا اور اقلیم روحانیت کا تاج آپؐ کے حوالے کیا۔ یہ وہ تخت ہے جہاں روحانیت کا تاجدار پہلے دن بیٹھا تھا اور چالیس سال میں کئی سال مہینے، ہفتے اور دن بیٹھا رہتا تھا۔ سبحان اللہ آج جب آپؐ غار میں تشریف لائے تو محمدؐ بن عبداللہ تھے۔ لیکن جب غار سے باہر نکلے تو مُحمَّد مُصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی مقصود کائنات تھے۔

پہلی عبادت ابراہیمی - ابراہیمی سُنت کو زندہ رکھنا

بعمر ۳۵ سال

رسُولِ خُدا پیدا تو ایک مشرک گھرانے میں ہی ہوئے تھے۔ اور پرورش بھی آپؐ نے ایک مشرک گھرانے میں ہی پائی تھی لیکن شرک سے بیزاری و نفرت آپؐ کے اندر موجود تھی۔ اس لئے توحید سے پیار اور شرک سے آپؐ کو قطعی نفرت تھی۔ آپؐ کی فطرت یہ کہتی تھی کہ اس کارخانۂ عالم کو پیدا کرنے والا ایک خُدا ضرور ہے۔ اُنہیں یقین تھا کہ کوئی رازق ضرور ہے۔ کوئی مالک ضرور ہے اور کوئی خالق بھی ضرور ہے لیکن ہے کہاں یہ انہیں معلوم نہ تھا؟ اس کے وصال کا کیا ذریعہ ہے؟ کس راستہ سے چل کر اس مالکِ ارض و سما سے ملا جاسکتا ہے اِس تڑپ نے آپ کو بے چین و مضطرب کیا ہُوا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے چچا زید بن عمرو جنہوں نے زمانۂ جاہلیت میں ہی شرک چھوڑ دیا تھا جو اپنے آپ کو شرک کے خلاف ایک بڑے مقام پر سمجھتے تھے۔ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے گفتگو کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ "آؤ کھانا کھالو"۔ زیدؓ نے کہا "میں مشرکوں کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھایا کرتا"۔ یہ سُنکر آپؐ نے فرمایا "میں نے بھی شرک کبھی نہیں کیا"۔ اور یہ بات پیدائشی طور پر آپؐ میں تھی۔ اور یہی تڑپ آپؐ کو خلوت کی وادی میں لے گئی۔ یہی تڑپ اور جستجو آپؐ کو کئی کئی دن بیدار اور بھوکا رکھتی تھی۔ آخر آپؐ نے غارِ حرا میں آنکھوں کے آنسوؤں سے اپنی قوم کی اخلاقی اور عائلی کوتاہیوں کو دھو ڈالا۔ بلکہ ساری دُنیا کی تباہی و بربادی کا علاج تلاش کر لیا۔

گو عرب کی سرزمین میں اور بھی خداتعالیٰ کے کچھ بندے تھے جو اپنے رب کی محبت میں اور اس کے پیار کے لئے تڑپ رہے تھے۔ وہ بھی آرزو رکھتے تھے۔ کہ

ہمارا خُدا ہم سے ملے۔ اس کا وصال ہمیں میسّر آجائے۔ اس کی محبت کی گود میں جا بیٹھیں۔ اُس کی پیاری آواز ہمارے کانوں میں آئے۔ لیکن وہ بے بس تھے۔ کوئی راستہ انہیں نظر نہیں آتا تھا۔ ان میں تڑپ تو موجود تھی مگر تڑپ کا علاج مفقود تھا۔ یہ لوگ جو اپنی اپنی جگہوں پر خُدا کی رضا میں مبتلا رہے تھے۔ ان میں سے کوئی ابوبکرؓ تھا۔ کوئی عمرؓ تھا۔ کوئی عثمانؓ تھا اور کوئی علیؓ تھا۔ کوئی زیدؓ تھا اور کوئی طلحہؓ تھا۔ اور زبیرؓ تھا۔ یہ سب لوگ خُدا کی محبت میں گھُٹے جا رہے تھے۔ ان کے دل بریاں اور ان کی آنکھیں گریاں تھیں۔ اس لئے کہ ان کا محبوب انہیں مل جائے لیکن خدا تعالیٰ نے جو ہیرا چُننا تھا وہ چُن لیا۔

مکّہ میں عیسائی بھی موجود تھے۔ یہودی بھی موجود تھے۔ اور یہ دونوں قومیں وہ ہیں جن کے پاس خُدا کا کلام تھا۔ انہیں خدا تعالیٰ کی طرف توجہ نہ تھی۔ اور محمدؐ رسولِ خُدا کی یہ حالت تھی کہ آپؐ کے پاس خدا کا کلام نہ تھا۔ لیکن خُدا کے عشق میں گھُلے جا رہے تھے۔ جب خُدا تعالیٰ نے دیکھا کہ میرا بندہ میرے قریب ہونا چاہتا ہے۔ مگر اسے قرب و وصال کے راستوں کا علم نہیں تو خدا تعالیٰ نے آپؐ پر شریعت نازل فرما دی۔ اور اس طرح وہ تمام راستے آپؐ پر منکشف ہوگئے جو وصالِ خدا کے تھے۔ اور اس طرح شریعت منہ رکھنے والا وجود خاتم النبیین بن گیا۔ اور اکملت لکم دینکم..... کہکر خدا نے شریعت آپؐ پر ختم کر دی۔ اور قیامت تک بند کر دی۔

اقرأ وربک الاکرم کہہ کر فرمایا "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ اور خدا تعالیٰ کا حق اسے دلا دے۔ دنیا نے اللہ تعالیٰ کی شان کو نہیں پہچانا۔ اس نے خدا کا حق کچھ بتوں کو دے دیا۔ کچھ انسانوں کو۔ اب تیرا یہ کام ہے کہ تو دنیا پر خُدا کے اکرام ہونے کی شان کو ظاہر کرے۔ تا آستانۂ الوہیت سے بھولی بھٹکی مخلوق پھر اس کی طرف واپس لوٹ آئے۔ اور اس کی شان تسلیم ہونے لگے۔ آمین یا رب العلمین۔

بعد از نبوّت

پہلی وحی ۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ

۶۱۰ء بعمر ۴۰ سال ایک دن

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ؕ

پہلے اور سچے بول یہ ہیں جن کے ذریعے خالق و مخلوق کا تعلق آپس میں قائم ہوا۔ اور انہی آیات کے ذریعہ انسانی پیدائش کا مقصد پورا ہوا۔ اور انسان کو اللہ تعالےٰ کا قرب حاصل ہوا۔ اور انہی آیات کے ذریعہ وہ قیامت تک ہدایت پاتا رہے گا۔ جو رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں لیلۃ القدر میں مقصود کائنات پر نازل ہوئی تھیں۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ابتداء میں جو وحی نازل ہوئی وہ رویاء صادقہ کی صورت میں نازل ہوئی تھی۔ آپؐ جو بھی خواب دیکھتے وہ ایسے واضح رنگ میں پورے ہوجاتے جیسے فجر طلوع ہوتا ہے۔ اس کے بعد رسولِ خدا کے دل میں یہ رغبت پیدا ہوئی کہ آپؐ خلوت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ رسولِ خدا کو خلوت میں عبادت کرنے سے زیادہ کوئی چیز پیاری نہ تھی۔ چنانچہ آپؐ غارِ حرا میں جاتے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہتے۔ بے چین و بے قرار دل دنیا کی گناہ آلود زندگی سے نالاں کئی کئی راتیں اور کئی کئی ہفتے غارِ حرا میں عبادت میں گزار دیتا کہ شاید دنیا کے لئے نجات حاصل ہوجائے۔

اسی غار میں ایک دن آپؐ عبادتِ الٰہی میں مشغول تھے کہ یکایک بجلی کی مانند ایک تیز روشنی نے آنکھوں کو چندھیا لیا۔ وہ شاہِ کونین جنہوں نے اپنے پیارے وجود

کو اور اس کی تمام طاقتوں اور کمالات کو خُدا کے سپرد کر دیا ہُوا تھا ۔ ایک غیر مانوس
ہستی کو اپنے سامنے دیکھ کر گھبرا گئے ۔ آپ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عظیم الشان نورانی پیکر
زمین و آسمان کے درمیان نُور کے تخت پر متمکن ہے ۔ اس نُورانی ہستی نے بغیر اس کے کہ
کوئی تحریر پیش کرے آپ سے مخاطب ہو کر کہا ۔ " اِقْرَأْ ۔ اِقْرَأْ " یعنے پڑھ ۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ ۔ مَیں تو پڑھ نہیں سکتا ۔ آپ
فرماتے ہیں ۔ اس نے مجھے پکڑا اور بھینچنا شروع کر دیا ۔ آپ فرماتے ہیں ۔ اس نے
مجھے بھینچا اتنا بھینچا کہ میری مقابلہ کی طاقت ختم ہو گئی ۔ پھر اس نے چھوڑ دیا اور کہا کہ
پڑھ ۔ مَیں نے کہا کہ مَیں پڑھنا نہیں جانتا ۔ اُس نے تیسری بار مجھے بھینچا اور یہاں تک
کہ میری طاقت ختم ہو گئی اور اس نے کہا اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ۔

پس پہلے دن ہی پہلی وحی میں ہی اللہ تعالیٰ نے کلمہ شہادت کا اعلان کر دیا ۔ اس
میں وہ تمام مفہوم آ گیا جو " اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ
وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ " میں بیان کیا گیا ہے ۔
" یعنی اُٹھ اور اعلان کر دے کہ مَیں اس خُدائے واحد کو تمہارے سامنے پیش کرتا
ہُوں ۔ جس کا علم مجھے حاصل ہے اور جو صحیح اور سچا علم ہے ۔ میں اُس کے نام پر تمہیں
اُس کی واحدانیت پر ایمان لانے کا پیغام دیتا ہُوں ۔ اگر تم میری بات کو نہیں مانو گے تو
اللہ تعالیٰ کے حضور مجرم و گنہگار قرار پاؤ گے ۔ کیونکہ میں اُس کا رسول ہُوں اور اس کے نام
پر کھڑا ہوا ہُوں ۔ مجھے کہا گیا ہے کہ مَیں اس تعلیم کو چھپا کر نہ رکھوں بلکہ دنیا میں پھیلاؤں
اور ہر فرد کے کان تک اس کی آواز کو پہنچاؤں " ۔

درحقیقت رب ایک ایسی ذات ہے جس کو مشرک بھی جانتے ہیں ۔ یہودی اور
عیسائی بھی اس کے متعلق ایمان رکھتے ہیں ۔ مگر وہ سب اپنے رب کی طرف غلط باتیں منسوب
کرتے تھے ۔ مثلاً مشرکین یہ کہتے تھے کہ لات و مناۃ اپنے اندر خدائی طاقتیں رکھتے

ہیں ۔ عیسائی تو عیسیٰؑ کو خُدا کا بیٹا ہی قرار دے کر بیٹھ گئے ہیں ۔ پس خدا تعالیٰ نے
غارِ حرا کی عبادت سوز و گداز تڑپ اور اضطراب کے جواب میں شرک کو رد کرتے ہُوئے حقیقی رب
کا چہرہ دکھا دیا ! اور فرمایا کہ بیشک وہ خُدا جس کی حقیقت کو تُو نے سمجھا ہے خالقِ حقیقی ہے

پس پہلی وحی رحمت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نوازا اور پہلی نعمت
ہے جس سے انہیں حصہ عطا فرمایا ۔ یہ آیات قرآن کریم کے لئے بمنزلہ بیج اور گٹھلی کے ہیں ۔ ان کی
عظمت و اہمیت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا ۔ یہ آسمانی فرشتہ جسے رُوح القدس بھی کہتے
ہیں ۔ یہ آیات پڑھتا رہا ۔ اور آپؐ سردارِ کائنات سخت اضطراب اور گھبراہٹ کی حالت میں
ساتھ ساتھ پڑھتے رہے ۔ فرشتہ غائب ہو گیا ۔ مگر رسُولِ خُدا کا دل تڑپ رہا تھا ۔ واللہ
اعلم ۔ یہ کیا معاملہ ہے اور کیا ہونے والا ہے ۔ اسی حالت میں آپؐ گھر تشریف لائے اور حضرت
خدیجہؓ سے فرمایا ۔ زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ (مجھ پر کپڑا ڈالدو) حضرت خدیجہؓ اپنے محبوب
خاوند کی یہ حالت دیکھ کر گھبرائیں اور جلدی سے اپنے جسم سے چادر اتار کر آپؐ کو اوڑھا دی اور
آپؐ لیٹ گئے ۔ جب ذرا قدرے سکون ہُوا تو آپؐ نے سارا واقعہ سنایا ۔ اور فرمایا " لَقَدْ
خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ " یعنے مَیں اپنے نفس کے متعلق ڈرتا ہُوں ۔ مَیں ڈرتا ہُوں کہ اتنا عظیم
کام مَیں سرانجام دے سکوں گا یا نہیں ؟ حضرت خدیجہؓ بولیں میرے محترم ! نہیں ایسا ہرگز
نہیں ہو سکتا ۔ خُدا کی قسم خُدا آپ کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا ۔ آپ متردد نہ ہوں خدا تعالیٰ
آپ کو رسوا نہیں کریگا ۔ کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں ۔ صادق القول ہیں اور لوگوں کے بوجھ
بٹاتے ہیں ۔ آپ مہمان نواز ہیں اور حق کی باتوں میں لوگوں کے مددگار ہوتے ہیں ۔ وہ قطعی مطمئن
تھیں کیونکہ وہ حضورؐ کے محامد کو دیکھتیں اور دل میں خوش ہُوا کرتی تھیں ۔ کہ خدا نے کیسا بے نظیر
انسان پیدا کیا ہے ۔ جو ہزاروں لاکھوں میں ایک ہے ۔ اس لئے ایسے موقع پر حراساں
نہ ہوئیں بلکہ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں ۔

ورقہ بن نوفل نے جب ساری کیفیت سُنی تو کہا کہ یہ وہی ناموس ہے جو حضرت مُوسیٰ
علیہ السلام پر اُترا تھا ۔ اور اس طرح انہوں نے نبوت کی تصدیق کر دی [1]

[1] :- شبلی حصہ اوّل صفحہ ۲۰۶

درحقیقت ان پہلی آیات مبارکہ میں ہی خدا تعالیٰ نے آپ کو بتلا دیا تھا کہ آپ ہی خاتم النبیین کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے والے ہیں۔ اور روحانی نکتہ نگاہ سے آپ کے اندر ایسی کامل قوتیں رکھی گئی ہیں جو اس سے پہلے نہ کسی نبی کو ملی تھیں اور نہ ملیں گی۔

پہلا تصدیق کرنیوالا شخص —— ورقہ بن نوفل

۱۲ سال قبل ہجرت ۔ ربیع الاوّل

ورقہ بن نوفل حضرت خدیجہؓ کا چچازاد بھائی تھا۔ جو شرک و بت پرستی سے بیزار ہو کر عیسائی ہو چکا تھا۔ بظاہر اسے عیسائیت میں ہی شرک سے دوری نظر آئی۔ کیونکہ عیسائی اہل کتاب تھے گو وہ الہامی کتاب کی طرف مائل نہیں تھے۔ اور ایک خدا کے سوا تثلیث کے قائل ہو چکے تھے۔ تاہم وہ بت پرست نہیں تھے۔ ایسی صورت میں جہاں بھی روشنی نظر آتی سعید طبائع حق کی تلاش وہیں سے شروع کر دیتیں۔ گو کہ راستہ بعض اوقات غلط اختیار کر لیتیں۔ کچھ ایسا ہی حال ورقہ بن نوفل کا تھا۔ وہ صحف انبیاء سے بخوبی واقف تھا۔ بڑا عالم فاضل تھا۔ بت پرستی اور عناصر پرستی کی اندھیری راتوں سے تنگ آکر آفتاب ہدایت کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ اس نے خواب غفلت سے بیدار ہو کر جو دیکھا۔ تو پتھر کے بت محض لاشے تھے جن میں وہ گھرا ہوا تھا۔ وہ بیزار ہوا اور عیسائیت کا پرچار بھی شروع کر دیا۔

ادھر غارِ حرا میں جب اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتے اور سوز و گداز میں رات دن بسر کرتے ہوئے حق کے متلاشی کو خالقِ حقیقی کا سراغ مل گیا۔ اور رسالت کی بھاری ذمہ داری خداوندِ عالم خالق حقیقی نے آپؐ کے کندھوں پر ڈال دی۔ ذمہ داری کے خوف سے آپؐ کا وجود کانپنے لگا۔ آپؐ گھر تشریف لے گئے۔ اور حضرت خدیجہؓ سے کچھ توقف کے بعد سارا واقعہ بیان فرمایا۔ سننے کے بعد انہوں نے آپؐ کو تسلی دی۔ اور کہا کہ

"اے عظیم الشان اوصاف رکھنے والے مردِ کامل! خدا تجھے ضائع نہیں

کرے گا۔

اور مزید تسلی و تشفی کے لئے وہ اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں تاکہ وہ اپنے علم کی روشنی میں کچھ حقیقت حال سے آگاہ کرے۔ ورقہ بن نوفل سے حضرت خدیجہؓ مخاطب ہو کر کہنے لگیں کہ بھائی! آج تمہارے بھتیجے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا ہے۔ ذرا اُسے کر تفصیلی طور پر آگاہی کرو۔

ورقہ بن نوفل بہت فہم و ذکا کا مالک تھا۔ اُس نے رسولِ خدا سرورِ کائنات سے خود سارا واقعہ سُنانے کو کہا۔

"آپ نے فرمایا کہ آج جبکہ میں غارِ حرا میں بیٹھا خدا کی یاد میں محو تھا۔ میں نے ایک عظیم الشان نورانی وجود دیکھا۔ جو آسمان و زمین کے درمیان معلق تھا۔ ابھی میں حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ وہ نیچے اترا اور تین مرتبہ مجھے اپنے سینے سے بھینچ کر کہنے لگا۔ کہ "پڑھ" جس کا میں نے بار بار یہی جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ لیکن اس نے پھر کہا کہ "پڑھ اس خدا کا نام لے کر جس نے سب اشیاء کو پیدا کیا ہے"...... بعدہٗ وہ گم ہو گیا۔

تو بوڑھے فاضل نے بھانپ لیا۔ کہ یہ فرشتہ وہی ہے جو موسیٰؑ پر ظاہر ہوا تھا۔ اور کہنے لگا: "محمدؐ تم اس زمانہ کے زیادہ خوش نصیب انسان ہو۔ میں تمہیں نبوت و رسالت کی مبارکباد دیتا ہوں۔ جو نورانی پیکر تمہیں دکھائی دیا ہے وہی ناموس اکبر ہے۔ اور جو کلمات اس فرشتے نے تمہیں سکھائے ہیں۔ خدا کی قسم وہ خدا کے مُنہ سے نکلی ہوئی باتیں ہیں۔ اے میرے بھتیجے! کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب تم کو تمہاری قوم تمہارے وطن سے نکال دے گی۔ تو میں اس مصیبت میں ضرور تمہاری مدد کرتا۔ گو بظاہر حالات پُر امید نہیں ہیں۔ کیونکہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں! دو ہاتھ پاؤں شل ہو چکے ہیں۔ بصارت جواب دے چکی ہے۔ شاید چھ مہینے برس میں مر جاؤں۔

سیّد وُلدِ آدم نے حیران ہو کر پُوچھا "اَوَ مُخْرِجِیَّ هُمْ" (کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟)، میں نے کوئی بُرا کام نہیں کیا۔ سارے مکہ میں ایک بھی ایسا نہیں جو میرا مخالف و دشمن ہو پھر میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ میری قوم ایسا کیوں کرے گی؟

ورقہ بن نوفل! زمانہ شناس انسان مسکرایا اور کہنے لگا: "ابھی یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ مگر واقعہ یہی ہے کہ جب کسی انسان نے ایسی بات کہی جیسی تم کہہ رہے ہو۔ تو اُس کی قوم نے ضرور اسکی دشمنی مول لی۔ اور سخت سے سخت تکلیفیں دیں اور بالآخر اسے اور اس کے ماننے والوں کو وطن سے نکال دیا۔ اچھا خدا حافظ! خُدا تعالیٰ تم کو دشمنوں کے شر سے بچائے"۔

پس ورقہ کا تصدیق شدہ انکشافِ رسالت حضرت رسُولِ کریم اور حضرت خدیجہؓ کے لئے مبارکباد اور پریشانی کے دو دھارے تھے۔ جو ایک ساتھ ان کے دل میں چلے گئے۔ ذمہ داری کی فکر و پریشانی نے آپؐ کو غمگین کر دیا۔ کیونکہ ورقہ بن نوفل علم دوست اور زمانہ شناس انسان تھا۔ گو کہ وہ نابینا تھا مگر روحانی بصارت ضرور رکھتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ حضرت موسیٰؑ کی ہجرت کیسے عمل میں آئی۔ عیسیٰ علیہ السّلام کو مہاجر ہونا پڑا۔ حضرت داؤد علیہ السلام مہاجر نبی تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام ہجرت پر مجبُور کئے گئے تھے۔ حضرت یونس علیہ السلام کو وطن سے دھکیل کر سمندر کی موجوں کی نذر کر دیا گیا تھا۔ الغرض ہر نبی کی زندگی اس کے سامنے تھی۔ ان کے مصائب و قربانیاں بھی اس کے علم میں تھیں۔ اس لئے اس نے رسُولِ خدا محمدؐ کی ذات پر نور کا نزول سُنا تو اسے الٰہی پیغام کی عظمت سے آپؐ کے لئے مصائب و تکالیف کا اندازہ ہو گیا تھا۔ کیونکہ جتنا بڑا عظیم پیغام تھا اتنا ہی بڑا مصائب کا پہاڑ تھا۔ جو ایسے لاثانی وجود کے لئے مقدر تھا۔

پس ورقہ بن نوفل ہی پہلا شخص تھا جس نے پہلی وحی سے رسالت کا پیغام پڑھ لیا۔ اور آپ کو خوشخبری دی۔ کہ آپ خَاتَمُ النبیین ہیں اور مقصودِ کائنات ہیں۔

پہلا مسلمان مرد — حضرت ابوبکر صدیقؓ

۶۱۰ء سنہ سہ شنبہ ربیع الاول

خود ایک غار میں رہ کر خلق خدا کے لئے روشنی تلاش کرنے والی عظیم ہستی جب
نورِ ایمان لے کر مخلوق کی طرف آئی تو سب سے پہلا مرد جس نے اس روشنی کو اپنے دامن
میں سمیٹا وہ حضرت ابوبکرؓ تھے۔ حضرت ابوبکرؓ ممتاز قبیلہ بنی تمیم کے ایک امیر و کبیر
گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا اصل نام عبداللہ، کنیت ابوبکر اور لقب
عتیق تھا۔ عمر کے لحاظ سے وہ رسولِ خدا سے ایک سال چھوٹے تھے۔ نیک
طینت و پاک سیرت کی بدولت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی کا شرف ان کو
حاصل ہو گیا تھا۔ حضور کی بعثت سے پہلے ہی یہ وجود ان اشخاص میں کھڑا تھا
جو شرک سے نفرت کرتے تھے۔ جن میں پیدائشی طور پر نیکی و تقویٰ موجود تھی۔
وہ بھی آرزومند تھے کہ ہمارا خدا ہم سے مل جائے۔ ہمیں بھی اس کا وصال
میسر آ جائے۔ لیکن وہ سب بے بس تھے۔ کوئی راستہ ان کو نظر نہیں آتا
تھا۔ اللہ تعالیٰ کو حاصل کرنے کی خواہش تو ان میں موجود تھی۔ لیکن اس خواہش
کا علاج انہیں معلوم نہ تھا۔ اس خواہش کی تڑپ رکھنے والوں میں کوئی حضرت
ابوبکرؓ تھا۔ کوئی عمرؓ تھا۔ اور کوئی عبیدہؓ تھا۔ کوئی علیؓ تھا اور کوئی طلحہؓ و زبیرؓ تھا۔
اور کوئی زیدؓ و بلالؓ تھا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کی تڑپ کو اللہ تعالیٰ نے پہلے نواز
لیا۔ اور جب وہ ایک دن مکہ کے ایک رئیس کے گھرانے میں بیٹھے ہوئے
تھے کہ ایک لونڈی نے آکر کہا کہ مُحَمَّد کو کیا ہوا ہے کہ وہ ایک نئی اور اچنبا
سی بات کہتے ہیں۔ محمدؐ کی بیوی اپنے رشتہ داروں کو یوں بتا رہی تھی "میرے شوہر

محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے نبی ہیں۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام تھے۔" وہ لونڈی یہ
بجھارت سمجھ بیٹھی اور از راہ حیرت حضرت ابوبکرؓ کے پاس بھاگی بھاگی آئی اور استفسار
کیا کہ اے ابوبکرؓ تمہارے دوست کا کیا ماجرا ہے؟ حضرت ابوبکرؓ حضرت رسولِ
خدا کی طبیعت سے بہت گہری واقفیت رکھتے تھے اس لئے سیدھے وہاں
سے اُٹھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پہ آ دستک دی۔ خدا کے سچے رسولؐ
نے دروازہ کھولا اور خوش آمدید کہا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پوچھا۔ کیا آپؐ نے
کوئی دعویٰ کیا ہے؟۔ آپؐ چونکہ نکتہ رس تھے فوراً چاہا کہ دلیل دے کر ایک لطیف
پیرایہ میں اپنی بات بیان فرمائیں تا آنکہ سننے والے شخص کو اجنبیت معلوم نہ ہو۔
آپؐ چاہتے تھے کہ کہیں دوست شک میں اُلجھ نہ جائے۔ مگر دوست چونکہ صدیق
تھا تصدیق کرنے کے لئے ہی آیا تھا۔ بیقراری سے کہا میرے سچے دوست خُدا
کے لئے مجھے دلیل نہ دیں۔ میرا امتحان نہ لیں بلکہ فقط یہ فرمائیں کہ آپؐ نے ایسا
دعویٰ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا کی اصلاح کے لئے
مبعوث فرمایا ہے اور شرک مٹانے کا حکم دیا ہے۔ اس رُو سے زمین پر پہلے
مسلمان مرد خدا تعالیٰ کی پہلی وحی پر ایمان لانے والے اور ایک سے دو کرنے
والے نے باآواز بلند پکار کر کہا:۔

"اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ:

آج خدائے واحد و لاشریک کو ماننے والے ایک سے دو ہو گئے۔

موتی تو دونوں ایک ہی صدف کے تھے۔ مگر مقام خدا تعالیٰ کی جناب میں الگ
الگ تھا۔ اگر ایک دنیا کا نجات دہندہ تھا تو دوسرا آپؐ کا یکتا دستِ راست
تھا۔ حقیقت میں جو کام رسولِ خدا کے سپرد تھا وہ اتنا مشکل تھا کہ اکیلا شخص
اُٹھانے کے قابل نہیں ہو سکتا تھا۔ ساری دنیا کی اصلاح کرنا۔ ساری دنیا کو
اسلام میں داخل کرنا اور ساری دنیا کے عیوب کا قلع قمع کرنا۔ یہ سب اتنے دشوار
کام تھے کہ خدا تعالیٰ نے دنیوی اسباب میں سے ایک راستباز دوست عظیم مشیر۔

جانثار متبع اور سچا غمخوار بھی ساتھ ساتھ ہی عطا فرمادیا۔ جب غارِ حرا میں سے آپؐ اکیلے نورِ ایمان لے کر باہر تشریف لائے تو جو سایہ ایک مسلمان مرد کا زمین پر پڑا وہ سایہ بڑھ کر ایک سچی مونس و غمخوار محبوب رفیقۂ حیات تک جا پہنچا۔ پھر وہ سایہ قربانی و ایثار کی تصویر سے آگے بڑھا اور اتنا لمبا ہوگیا کہ حضرت ابوبکرؓ تک جا پہنچا۔ اور اس طرح وہ سایہ بڑھتا ہی چلا گیا۔ یہاں تک کہ آج ہمیں بھی اسی سایہ نے اپنے دامن میں جگہ دی۔ اَلحَمدُ لِلّٰہ۔

حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حضرت ابوبکرؓ سے بہت زیادہ محبت تھی آپؐ ہمیشہ اِن کی دوستی اور قربت کو پسند فرماتے تھے۔ اور آپؐ محبتِ الٰہی کے سامنے دنیا کی تمام محبتوں کو ہیچ خیال کرتے تھے۔ وفات سے پانچ دن پہلے آپؐ نے صحابہؓ کے مجمع میں ایک خطبہ دیا۔ اس میں فرمایا۔ "مَیں خداتعالےٰ کے سامنے اس بات سے برأت کرتا ہُوں کہ تم میں سے کوئی میرا دوست ہو کیونکہ خداتعالیٰ نے مجھے ایسا دوست بنالیا ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس نے اپنا دوست بنالیا تھا۔ اگر مَیں اپنی امّت میں سے کسی کو دوست بنا سکتا تو ابوبکرؓ کو بناتا۔

صحابہ کرامؓ نے ایک دفعہ آپؐ سے پوچھا تھا یا رسُول اللہ! آپؐ کو دنیا میں سب سے زیادہ کس سے پیار ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ عائشہؓ سے"۔ صحابہ کرامؓ نے پھر عرض کیا۔ یا رسُول اللہ مردوں میں سے۔ تو جواب دیا۔ اَبُوْھَا یعنی ان کے باپ سے۔ سُبحان اللہ! کیسی بے پایاں محبت نصیب تھی حضرت ابوبکرؓ کو کہ اس سے پہلے کسی امتی کو نصیب نہیں ہوئی۔

حضرت ابوبکرؓ بہادر بھی بہت تھے۔ انھوں نے ہمیشہ کٹھن گھڑی میں اپنے محبُوب دوست کا پہرہ دیا اور ہمیشہ ایک دلیر اور جری کی طرح مصائب کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ کی طبیعت حضرت ابراہیمؑ سے ملتی جلتی تھی اور سوز و گداز کا مادہ آپؓ میں بہت تھا۔ آپؓ اکثر و بیشتر تلاوت قرآن مجید خوش الحانی اور سوز سے کیا کرتے تھے۔ جب صبح اُٹھتے تو جہری تلاوت نہایت رقّت سے کرتے تو

آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے۔ عورتیں اور بچے جب اس نظارہ کو دیکھتے تو اکٹھے ہوجاتے اور بہت توجہ اور انہماک سے سنتے کہ ابوبکرؓ کیا پڑھ رہے ہیں۔ ایک طرف وہ حضرت ابوبکرؓ کی گریہ وزاری اور آنسوؤں کو دیکھتے اور دوسری طرف اس پاک قرآنی تعلیم پر غور کرتے تو بے اختیار ان کے دل و زبان کہہ اُٹھتے کہ سُبحان اللہ کیسا ارفع کلام ہے اور یہ تاثر روز بروز بڑھتا ہی جاتا تھا۔ نازک طبائع تو قرآن مجید کے سوز سے ہی متاثر ہوجاتی تھیں۔ کیونکہ حضرت ابوبکرؓ کا اندازِ تلاوت اپنے اندر ایک سونا ایک عشق اور ایک ترنم رکھتا تھا۔ یہانتک کہ مکّہ والے خائف ہوگئے کہ ہماری عورتیں اور بچے حضرت ابوبکرؓ کے قرآن کی تلاوت سے مائل بہ اسلام ہوجائیں گے۔

حضرت ابوبکرؓ کی طبیعت میں اغنیاء اور سیری بھی جس حد تک تھی اس کی مثال تاریخ اسلام پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہ وہ شخص ہے جو اپنے گھر میں صرف اللہ اور اُس کے رسُولؐ کا نام باقی رکھ آتا تھا۔ باقی تمام مال و متاع لاکر اپنے آقاؐ کے قدموں میں ڈھیر کر دیتا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ کے مال سے بڑھ کر مَیں نے کسی کے مال سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ آپؓ نے خلافت پر قدم رکھتے ہی دستور اساسی قوم کو دیا۔ اور جمہوریت کی ایسی بِنا پر مستحکم بنیاد ڈالی جو قیامت تک ان کو زندہ رکھے گی۔ ان کی راہ میں کئی سیاسی الجھنیں آئیں بھی۔ مثلاً فتنۂ ارتداد۔ زکوٰۃ کی وصولی کا انکار مگر آپؓ نے ہر مقام پر بے خوف سپاہی۔ تجربہ کار اور واقفِ راز قیادت کا ثبوت دیا پس حضرت ابوبکرؓ وہ پہلا ستون تھے جو اسلام کی حجت کے لئے کھڑا کیا گیا تھا۔ خداتعالیٰ نے جب اپنے پیارے محبُوبؐ کو غارِ حرا میں ایک ذمہ داری سونپی تو وہ محبُوب اس ذمہ داری کے بوجھ سے بے سکت ہوگئے۔ کیونکہ جو کام فرشتے نہ کرسکے۔ وہ ایک کمزور اکیلے شخص کے کندھوں پر ڈالا جارہا تھا جس کی ذمہ داری سے آپؐ کی کمر جُھک گئی۔ اس کٹھن گھڑی میں بیوی نے یہ کہہ کر ایک سہارا دیا کہ کَلَّا وَاللّٰہِ مَا یُخْزِیْکَ اللّٰہُ اَبَدًا۔ یعنے اللہ تعالےٰ آپؐ کو ضائع ہرگز نہیں کرے گا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ ایک پہلا مردانہ ہاتھ جو دنیوی سہارے کے لئے آگے بڑھا۔ وہ حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ تھا۔

اُس نے اس بوجھ کو اُٹھانے میں مدد دی۔ جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اکیلے کندھوں
پر ڈالا گیا تھا۔ خُدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ "وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ" یعنے ہم نے تیرا
بوجھ اُٹھا لیا۔ اور تجھے ایک ہی دن پانچ روحانی دوست عطا کر دیئے۔ جن میں سے
ایک ایک شخص اپنی اپنی جگہ جاں نثار اور فدائی تھا۔ ان روحانی پنجتن رفیقوں میں
سے پہلا رفیق آپؐ کا یہ بچپن کا دوست بے نفس ابوبکرؓ تھا جس نے تیرے بوجھ کے
نیچے اپنے کندھے دے دیئے۔ اور ہر مقام پر روحانی، جسمانی اور مالی قربانی دیکر
یکجان دو قالب بن گیا۔

سچے فدائی نے غارِ ثور میں جگہ صاف کر کے استراحت کی درخواست کی تو عرض
کیا کہ اے میرے مونس و غمخوار محبوب دوست آپؐ تھوڑی دیر کے لئے آرام فرمالیں
میرا وجود آپؐ کے لئے جاگ کر پہرہ دے گا۔ اور تکیہ کے طور پر اپنی گود پیش کی۔
آپؐ حضرت ابوبکرؓ کی ٹانگوں پر سر رکھ کر سو گئے۔ تو ایک سوراخ میں سے سانپ نکلا
اور حضرت ابوبکرؓ کے پاؤں میں ڈس گیا۔ بے نفس ابوبکرؓ نے اپنے وجود کو ہلنے نہیں
دیا۔ کہ کہیں محبوبِ خُدا بے آرام نہ ہو جائے۔ لیکن شدت درد سے آنکھوں سے جب
آنسو نکل کر بے خبری میں رسُولِ مقبول کے رخسار مُبارک پر جا گرے۔ گرم گرم آنسوؤں
کا گرنا تھا کہ آپؐ کی آنکھ کھل گئی۔ آنکھیں کھول کر دیکھا کہ اسلام کا سچا سپوت رو رہا
ہے۔ وجہ پوچھنے پر پتہ چلا کہ شدت درد نے آنکھوں سے آنسو بہا کر رسولِ خدا کو
بے آرام کر دیا ہے۔ تو جذبۂ محبت و ایثار اور فدائیت آپ کو نصیب ہو گیا۔
جب آپؐ خُدا کا پیغام لے کر خلقِ خُدا کی طرف مڑے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ رسُول خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد
ہم بالکل ہلاکت کے قریب پہنچ چکے تھے۔ اگر اللہ تعالےٰ کی رحمت حضرت ابوبکرؓ کی
صورت میں نمودار نہ ہوتی تو ہم مٹ چکے تھے۔ کیونکہ آپؐ کی وفات حسرت آیات
کے بعد چند نفوس ایسے تھے جو بے حد پریشان ہو گئے تھے۔ اور شدتِ غم سے بیہوش
ہو گئے تھے۔ کچھ تو شدت جذبات سے مغلوب اس حد تک ہو گئے تھے کہ مارنے

مرنے پر آمادہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے تلوار نیام سے باہر نکال لی اور کہا۔
"خُدا کی قسم جو شخص یہ کہے گا کہ محمدؐ رسُول کریم فوت ہو گئے ہیں۔ میں اُس کا سر اڑا دوں
گا۔ لیکن اس نازک موقعہ پر حضرت ابُوبکرؓ صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے اور منبر
پر چڑھ کر باآواز بلند قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی:۔

"وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ
اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ" [1]

ترجمہ:۔ اور محمدؐ صرف ایک رسُول ہیں اس سے پہلے بہت رسُول گزر چکے
ہیں۔ پس اگر وہ وفات پا جائے یا قتل کیا جائے تو کیا تم اپنی ایڑیوں
کے بل لوٹ جاؤ گے؟"

پس اس نازک گھڑی کو سنبھالنے والا وجود وہی پہلا مسلمان تھا جس نے رسُولِ
خُدا کے لائے ہوئے پیغام کو زندگی دی تھی۔ اور آج ایک بار پھر وہی شخص امت کو
دوسری زندگی دے گا۔

انہیں خُدا تعالیٰ نے اپنے محبُوب کی امت کا امام بنایا۔ جبکہ خود رسُولؐ پاک نے
اپنی زندگی میں ہی امامت ان کے سپرد کر دی تھی۔ جب رسُولؐ پاک حجۃ الوداع کے
بعد واپسی پر بیمار ہو گئے۔ اور نقاہت کی وجہ سے امامت نہ فرما سکے تو آپؐ نے
ان کو حکم دیا کہ آئندہ امامت کے فرائض وہی سرانجام دیں۔ جو ایک لطیف اشارہ
تھا۔ پس صدیق اکبرؓ خُدا تعالےٰ کے ارشاد:۔

"اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً"۔

کے مطابق خُدا تعالیٰ کے نائب اور رُوئے زمین پر خُدا کا قانون نافذ کرنے والے
اور نظام چلانے والے ہیں۔ چنانچہ ان کا سب سے عظیم کارنامہ آیاتِ قرآنی کو
"مصحف" کی شکل میں کتابی صورت سے مکمل کرنا ہے۔ اپنی زندگی میں ہی
قرآن کی سالمیت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مستند کر دیا۔ اور یہ کارنامہ آبِ زر سے

[1]:۔ سورۃ آل عمران ع ۱۵

رکھنے کے قابل ہے۔

خلافت کی ذمہ داری سنبھالتے ہی اپنی عظیم سیرت و کردار کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُنہوں نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

"اگر میں اچھے کام کروں تو میری مدد کرو۔ اگر غلط راستہ پر چلوں تو میری اصلاح کرو۔ جب تک میں خدا اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کروں۔ میری اطاعت کرو۔ اور اگر ان کی نافرمانی کروں تو تم ہرگز میرے احکام کی تعمیل نہ کرو"۔

آپؓ سات جمادی الثانی ۱۳ھ ہجری کو بیمار ہوئے اور بائیس جمادی الثانی بمطابق ۲۳ اگست ۶۳۴ء کو اپنے حقیقی مولیٰ سے جا ملے اور اپنے محبوب دوست محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ جہاں خدا تعالیٰ نے انہیں زندگی میں رفاقت عطا کی تھی وہاں آخری آرام گاہ بھی آپؐ کے پہلو میں ہی نصیب ہوئی۔

پہلا مُسلمان بچّہ — حضرت علیؓ

۶۱۰ء سہ شنبہ ۱۱ ربیع الاول (۱۲ سال قبل ہجرت)

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس برس کی عمر میں جب اللہ تعالیٰ نے پہلی وحی سے نوازا تو وہ دن پیر کا تھا۔ اور اگلے ہی روز منگل کے دن دس گیارہ برس کا ایک معصوم بچہ اپنے باپ دادا کے مذہب کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ کر آپؐ کے پہلو میں آکھڑا ہوا۔ گویا اگلے ہی روز "صبغۃ اللہ" کے مطابق وہ رنگ ایک دس سالہ بچہ پر چڑھ گیا۔ اور وہ اس رنگ سے رنگین ہو کر تربیتِ رسولؐ میں رہ کر جب جوان ہوا تو "شیرِ خدا" کہلایا۔ وہ خوش نصیب بچہ اس ہاشمی خاتون کا تھا جو سب سے پہلے اسلام لائیں اور ہجرت کی۔ جن کا اسم گرامی فاطمہ تھا۔ گویا بچے اور ماں میں یہ ایک مطابقت تھی کہ بیٹا اطفال میں سے پہلا مسلمان بچہ تھا۔ اور ماں ہاشمی خواتین میں پہلی ہاشمی خاتون تھیں۔ وہ بچہ حضرت علیؓ بن ابی طالب تھے۔ جن کی کنیت ابوتراب تھی اور وہ انہیں بہت پسند تھی۔ کیونکہ ان کے محبوب آقا کی عطا کردہ تھی۔

وعدہ کو وفا کرنے والا علیؓ بچپن سے ہی اپنے اقوال کو نبھاتا تھا۔ کیونکہ وہ قول و فعل کا سچا تھا۔ ایک دن گیارہ برس کی عمر میں اُس نے سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا تھا کہ بے شک "میں عمر میں چھوٹا ہوں۔ میری آنکھیں بیماری کی وجہ سے دکھتی ہیں۔ میری ٹانگیں دُبلی پتلی ہیں۔ مگر میں آپؐ کا ساتھ دینے کا وعدہ کرتا ہوں۔ اور آپؐ کے کام میں مدد کرتا رہوں گا"۔

یہ الفاظ پتھر پر لکیر تھے ۔ عہدِ رسالت میں وہ جوان سایہ کی طرح ساتھ رہا ۔ ہر حکم پر لبیک کہا ۔ جنگ میں ساتھ دیا صلح میں پیش پیش رہا ۔ سنہ ہجری سے لیکر سنہ ہجری تک یہ سیف اللہ جب بھی میدانِ جنگ گئے فتح کی نوید ہی لائے ۔ ہجرت کے موقع پر بھی جب خدا تعالیٰ نے غلبہ کی گھڑی آپؐ کے مقدر میں شروع کر دی تھی ۔ تو آپؐ حضرت علیؓ کو ہی اپنی چارپائی پر سونے کا حکم دے کر مکہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ کر رخصت ہو گئے تھے ۔ امانتیں ان کے سپرد کیں کہ مالکوں کو پہنچا کر مدینہ پہنچ جائیں ۔ بہادری کے پیکر حضرت علیؓ اس نازک گھڑی میں جبکہ دشمن گھات میں بیٹھا ہے شجاعت سے ساری رات اس بستر پر لیٹے رہے ۔ اور کافر یہ خیال کرتے رہے کہ رسولؐ خدا سو رہے ہیں ۔ لیکن جب صبح ہوئی تو ابنِ عبد اللہ کی جگہ ابنؓ ابی طالب کو پا کر غصہ سے لال پیلے ہو گئے اور ان کو زدو کوب بھی کیا ۔

اسی طرح جنگ تبوک کے موقع پر انہیں رسولؐ خدا کی نیابت حاصل ہوئی جنگِ تبوک میں زبردست تیاری کے بعد جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار صحابہؓ کرام اور دس ہزار گھوڑوں کی قیادت کرتے ہوئے روانہ ہوئے تو اپنا نائب حضرت علیؓ کو مقرر فرما گئے تھے ۔ حضرت علیؓ کو پیچھے رہنے کا صدمہ تھا ۔ ان کی اداسی دیکھ کر اور منافقین کی باتیں سن کر آپؐ نے فرمایا " علیؓ غم نہ کرو جسطرح موسیٰ علیہ السلام سفر پر جاتے ہوئے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنی جگہ قائم مقام بنا جاتے تھے ۔ اسی طرح میں تمہیں قائم مقام بنائے جا رہا ہوں " آپ سر تسلیم خم کر کے خاموش ہو گئے ۔ کیونکہ سفر و حضر صلح و جنگ میں اپنے محبوب آقا سرورِ کائنات کی تعمیل حکم ہی آپؓ کی شان و عظمت کی دلیل تھی ۔ اسی طرح مواخات کے موقع پر حضرت علیؓ نے بارگاہِ رسالت میں بچشم گریاں عرض کیا کہ یا رسول اللہ ۔ آپؐ نے تمام صحابہؓ میں مواخات و برادری قائم کر دی ہے لیکن میرا کسی سے بھائی چارہ کا رشتہ

۱ : تاریخ الخلفاء ص

نہیں جوڑا ۔ تو ارشاد ہوا ۔ اے علیؓ ! " دنیا و آخرت میں تم میرے بھائی ہو " بس دنیا و آخرت میں شاہ کونین کا بھائی علم و فضل میں بھی یکتا تھا ۔ وہ علمِ ولایت کا سردار تھا ۔ جیسے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

" میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہے "

آپؓ کے چچا زاد بھائی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ جو کہ بڑے عالم و فاضل تھے ۔ خود معترف ہیں کہ :-

" میرے اور علیؓ کے علم میں نسبت وہی ہے جو قطرے کو سمندر سے ہوتی ہے "

آپؓ حافظ قرآن تھے ۔ اور ہر آیت کی وجہ نزول مقام نزول کا انہیں مکمل علم تھا ۔ اُم الکتاب کے علم کا احاطہ اتنا وسیع تھا کہ آپؓ فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو سورہ فاتحہ کی ایسی تفسیر لکھ سکتا ہوں جو ستر اُونٹوں پر بھی نہ آئے ۔ پانچ صد چھیاسی حدیثیں ایسی ہیں جو آپؓ کی وساطت سے ہمارے پاس پہنچی ہیں ۔ علم نحو کی ابتداء بھی آپؓ نے ہی کی ۔ کیونکہ ڈرتے تھے کہ کہیں قرآن مجید غلط نہ پڑھا جایا کرے ۔

حضور سرورِ کائنات کی خدمت میں قرآن مجید جمع کرنے والوں میں آپؓ شامل ہیں ۔ اور اسی طرح بہادری و شجاعت میں تو آپؓ کی نظیر تاریخ اسلام تاحال پیش نہیں کر سکی ۔ چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی کوئی دقیق و مشکل درپیش ہو تو عوام الناس علیؓ کا ہی نعرہ بلند کرتے ہیں کہ وہ جذبہ و حرارت پیدا ہو جائے جو خدا تعالیٰ نے حضرت علیؓ کو عطا کی تھی ۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ جنگِ خیبر میں حضرت علیؓ نے اپنی پشت پر دروازہ خیبر اٹھا لیا تھا ۔ آپ کو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی کے طفیل غیر معمولی قوت عطا ہوئی تھی ۔ ورنہ وہ بچپن میں دبلی پتلی ٹانگوں والے کمزور و ناتواں تھے ۔ جنگ خیبر کے ایام میں حضور نبی کریمؐ کو درد شقیقہ کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا ۔ آنحضرت صحابہ کرامؓ

کو جنگ پر میدان میں بھیجتے رہے۔ اور آخر میں محمدؐ بن مسلمہؓ سے فرمایا "میں کل اس شخص کے ہاتھ میں اسلامی علَم دوں گا۔ جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو محبوب رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ اس کو محبوب رکھتے ہیں وہ پیچھے نہ ہٹے گا۔ حق تعالیٰ اس کے ہاتھ پر اس مہم کو سر فرمائے گا۔ اور فتح عطا فرمائے گا۔ اور تیرے بھائی کے قاتل کا بھی بدلہ لینے کا موقع خدا فرمائے گا۔ انشاء اللہ"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اگلی صبح آپؐ نے حضرت علیؓ کو بلا بھیجا۔ وہ سخت آشوبِ چشم میں مبتلاء تھے۔ اور آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ آپؐ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب مبارک لگایا اور دُعا فرمائی جو خدا تعالیٰ نے قبول فرماتے ہوئے صحت عطا کی"۔ آپؐ نے فرمایا "اے میرے خدا! علیؓ کو گرمی اور سردی سے محفوظ رکھنا"۔ آمین۔

رسولِ خداؐ کو ان سے بہت محبت تھی اور یہ عالم تھا کہ حضرت سلمیٰؓ سے روایت ہے کہ رسولِ پاکؐ نے فرمایا:۔

"جس نے علیؓ سے محبت کی تو گویا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے علیؓ کو گالیاں دیں تو گویا اُس نے مجھے گالیاں دیں"۔

سُبحان اللہ کیسی شفقت و محبت کا اظہار فرمایا۔ کہ اس احترام کی بناء پر رسولِ کریمؐ نے اپنی دخترِ نیک اختر حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی شادی آپؓ سے کر دی۔ شادی کے متعلق یہ بیان ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مثبت اظہار فرمایا تو حضرت فاطمہؓ رو دیں۔ حضور ان کے پاس تشریف فرما ہوئے اور فرمایا "اے فاطمہؓ کس لئے روتی ہے؟ واللہ میں نے تمہارا ایسے شخص سے عقد کیا ہے۔ جو صحابہ کرامؓ میں سب سے زیادہ عالم ہے اور سب سے زیادہ سنجیدہ و بُردبار ہے۔ اور سب سے پہلے اسلام لانے والا ہے۔ چنانچہ یہ شادی مبارک شوال ۲ھ ہجری میں وقوع پذیر ہوئی۔ دونوں میاں بیوی کو حضورؐ نے مسجد میں اقامت کی اجازت بھی عطا فرمائی۔

لے:۔ روایت طبرانی اور ابن عساکر۔

حضرت ابن مسعودؓ کا بیان تو آپؓ کے متعلق یہاں تک ہے کہ "علیؓ کو دیکھنا بھی ایک عبادت ہے"۔ واللہ اعلم بالصواب۔ یہ بے شک قطعی ٹھیک ہے کہ حضرت علیؓ میں اٹھارہ صفات ایسی تھیں جو باقی کسی صحابی میں اکٹھی و یکجا نہ تھیں۔

سرورِ کائنات محبوبِ دو عالم کے لئے ایک دن مکہ کی گلیوں نے اپنا دامن سمیٹ کر تنگ کر لیا تھا۔ لیکن آج وہی بستی مکہ مکرمہ اپنے شاہؐ کے لئے نہ صرف براہ تھی بلکہ اپنے مصنوعی خدا نکال نکال باہر پھینک رہی تھی۔ آپؐ بُت توڑتے جا رہے تھے۔ جو خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے تھے۔ ایک بہت بڑا بُت جو تانبے کا بنا ہوا تھا اور اونچائی پر رکھا ہوا تھا۔ حضورؐ کی چھڑی کی دسترس سے باہر نکل گیا۔ اس مقام پر خُداؐ کی محبت و عشق دیکھئے کہ اس کے شریک کو مسمار کرنے کا جذبہ اس حد تک کہ آپؐ نے حضرت علیؓ کو جو قدرے فربہ جسم والے تھے اپنے کندھوں پر کھڑا کر لیا اور بُت گرانے کا حکم دیا۔ حضرت علیؓ نے آنکھ جھپکتے میں سلاخ مار کر وہ بُت پاش پاش کر دیا۔ پس آج وہی ذوالفقار دس ہزار قدسیوں کی معیت میں مہاجرین کا جھنڈا اُٹھائے بغیر کسی لڑائی کے اپنے پیارے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں مکہ میں داخل ہوا۔ اور یوم بُت شکن منایا۔ لاریب رسالت کے تلے پل کر جوان ہونے والا وجود ہر قدم پر غلبہ کی خبر لایا۔ اور فتح و نصرت کی کلید اس کے ہاتھ رہی۔ جس طرف تیس سال تک اس نے رُخ کیا کامیابی نے قدم چوم لئے کیونکہ وہ ایک مردِ کامل کی دعائیں ساتھ لے کر چلتا تھا۔

وہ ایک زاہد و عابد انسان تھے کیونکہ جب انہوں نے ہوش سنبھالا تو ایک عابد۔ خدا ترس۔ خدا شناس رحمت کے مجسمے کو اپنے معبودِ حقیقی کے حضور جھکتے ہوئے ہی دیکھا تھا وہ دن میں سینکڑوں بار اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہنے والے بابرکت وجود کے زیرِ تربیت تھا۔ اور جانتے تھے کہ میری عبادت۔ نماز۔ روزہ صرف اور صرف معبودِ حقیقی خالقِ کائنات کے لئے ہی ہے۔ بس اُس خدا نے انہیں اتنا بڑا مرتبہ عطا کیا

کہ خلیفۃ الرسولؐ "صلعم" کے مقام پر سرفراز فرمایا۔ اور یہ سب کرم اللہ وجہہ کے
تقویٰ و طہارت کی بدولت تھا۔ لیکن خلافت کے بعد آپؓ کے مخالفین کی فہرست کچھ
اتنی طویل ہوئی کہ عہدِ خلافت ہی عجیب کشمکش میں گزرا۔ مخالفت کا ماحول جب پیدا
ہو جائے تو عموماً یہ تمیز اُٹھ جاتی ہے کہ انسان آگے بڑھ رہا ہے یا پیچھے ہٹ رہا
ہے۔ یہی کچھ اس خلیفۃ الرسولؐ کے عہد میں ہوا۔ ایک بے لگام بغاوت اور نہ ختم
ہونے والے فتنے نے سر اُٹھا لیا۔ اور اس طرح اپنے پرائے کی پہچان جاتی رہی۔
حضرت عثمانؓ کی شہادت بھی اسی چیز کا نتیجہ تھی کہ لوگ یہ بھول گئے تھے کہ وحدتِ ملی
کیا چیز ہے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے موقعہ پر باغی مکان کی پچھلی دیوار پھاند کر گھر
میں داخل ہو گئے تھے۔ کیونکہ انہیں خوف تھا کہ بنو ہاشم ہمارے مقابلہ کے لئے نہ آجائیں
چنانچہ باغی اپنی اسکیم میں کامیاب ہوئے۔ اور حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا۔ خود حضرت
علیؓ کو اس حادثہ سے بہت دکھ ہوا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنے بیٹے حضرت
حسنؓ اور حسینؓ کو تھپیڑ رسید کئے کہ "جب بحیثیت خدام و محافظ دروازے پر
کھڑے ہو تو باغیوں نے اندر داخل ہونے کی جرأت کیسے کی"۔ لیکن شہادت حضرت عثمان
الغنیؓ اور خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کچھ ایسے موقعہ پر رونما ہوئی کہ معاملات سنبھالے
نہ جا سکے۔ کیونکہ شہادت کا حادثہ حج کے دنوں میں ہوا۔ لوگ حج سے فارغ ہو کر مدینہ
واپس آرہے تھے۔ اطلاع پاتے ہی کچھ تو مدینہ میں آکر داخلِ بیعت ہو گئے اور کچھ
اُلٹے پاؤں مکہ واپس چلے گئے۔ اس لئے کہ فتنہ و فساد سے دُور رہنا چاہتے تھے۔
کیونکہ مکہ مکرمہ امن و عافیت کا حرم ہے۔ مگر ان میں کچھ نامور ہستیاں بھی تھیں مثلاً
حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ جو حج سے واپس آرہی تھیں لیکن
مدینہ داخل نہیں ہوئی تھیں بلکہ مکہ مکرمہ کی طرف واپس لوٹ گئی تھیں۔ الغرض تاریخ اسلام
جن مؤثر ترین شخصیتوں سے روشناس ہے وہ کچھ سازگار ماحول مہیا کرنے میں ممد ثابت
نہ ہوئیں۔ اور اس طرح حضرت علیؓ خلیفۃ الرابع کے مخالفین ایک سے دوؔ اور دوؔ

سے چار ہوتے چلے گئے۔ اُدھر حضرت علیؓ بھی حق پر رہنے کے بعد جھکنے کے قائل نہ
تھے۔ وہ چال چلنے اور تاک میں رہنے کا کام نہیں کرتے تھے۔ اور نہ ہی باتوں کو لگی
لپٹی ڈھکی چھپی رکھتے تھے۔ بلکہ مخالفین کو شکست فاش دینے کے بعد بھی ساتھیوں
سے یہ فرما دیا کہ خبردار! دشمنوں میں سے کسی کو قیدی نہ بنانا۔ کسی زخمی پر ہاتھ نہ
اٹھانا۔ کسی کا مال نہ چھیننا۔ یہ تھا ایک رحمت کا نمونہ جو رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کی تربیت
کا نتیجہ تھا۔ اور یہ کیسے ممکن تھا کہ سرورِ کونینؐ کے سایہ تلے پرورش پا کر طفل سے خادم
اور خادم سے انصار اللہ بننے والا وجود شفقت و رحمت کا مجسمہ نہ ہوتا۔ ایک شخص
نے جرأت کر کے پوچھ ہی لیا کہ یا امیر المؤمنین! جب آپؓ نے انہیں قیدی بنانے
اور ان کا مال لینے سے منع فرما دیا ہے تو پھر ان لوگوں سے ہمارا لڑنا کس طرح جائز
ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ موحدین کلمہ گو کو نہ قیدی بنایا جا سکتا ہے نہ ان کے
مال سے کسی قسم کی غنیمت حاصل کی جا سکتی ہے۔ البتہ وہ سرکشی کریں تو ان سے
لڑنا جائز ہے۔ اس لئے ان باتوں کو جن کی تہہ کا تمہیں علم و پتہ نہیں چھوڑ دو۔ اور
جو کچھ تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ اس پر کاربند رہو۔ کیونکہ وہ جذبات کو حق و انصاف
پر غالب نہ آنے دیتے تھے۔ حرص و آز کبھی آپ کے پاس نہ پھٹکتی تھی۔ لیکن ایک
سیاستدان کو جن ہتھیاروں کی ضرورت ہوتی ہے وہ آپؓ کے ہاں موجود نہ تھے۔
سیاست نام ہے جھوٹ اور فریب کا اور کامیاب سیاستدان وہی ہو سکتا ہے
جو ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کر کے مخالف کو زیر کر سکے۔ لیکن حضرت علیؓ تو
ایک خلیفہ تھے مگر مدِ مقابل ایک سیاستدان تھا۔ کیونکہ آپؓ تو دینی مصلح
تھے۔ دنیا کا ہر کام اللہ تعالےٰ کی خاطر کرتے تھے۔ بندوں کی خوشنودی کیلئے
نہیں۔ عدی بن حاتم نے کیسی بہترین تصویر امیر معاویہؓ کے سامنے پیش کی تھی۔
"علیؓ کا فیصلہ حق اور انصاف پر مبنی ہے۔ حکمت ان کے پہلوؤں سے
اور علم کلام اُن کے چاروں اطراف سے پھوٹ پھوٹ کر نکلتا ہے۔ دُنیا اور اسکی

خوشنمائی سے انہیں وحشت اور گھبراہٹ ہوتی ہے۔ رات کی تاریکی میں انہیں سکون ملتا ہے۔ وہ بے انتہا آنسو بہانے والے بے حد غور و فکر کرنے والے آدمی تھے۔ تنہائی میں اپنے نفس کا مقابلہ کرتے تھے۔ سادہ لباس اور روکھی سوکھی روٹی کے دلدادہ تھے۔ اپنے لئے کوئی اعزاز پسند نہیں کرتے تھے۔ لوگوں سے ملتے ہیں تو عام آدمی کی طرح ملتے ہیں۔ اہلِ دین کی بڑی تعظیم کرتے ہیں۔ مساکین سے محبت کرتے ہیں۔"

پس اپنے نفس کا سختی سے محاسبہ کرنے والا اپنے کارندوں کا بھی تھوڑا بہت محاسبہ ضرور کرے گا۔ حتیٰ کہ اپنے چچیرے بھائی عبداللہ بن عباسؓ کی ناراضگی سے بے پرواہ ہو کر حق کی بات پر ڈٹے رہے۔ حتیٰ کہ حضرتِ زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ کی حمایت سے بھی یکسر محروم ہو گئے۔ اور دکھی دل سے فرمایا:۔

"نہ میں دین کے راستے میں رکاوٹ پیدا کروں گا۔ نہ اپنے معاملات میں کسی بے راہ روی کا روادار ہوں گا۔"

حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ عمال کو برقرار رکھنے کی بہت کوشش کی گئی۔ لیکن حضرت علیؓ نے فریب کاری اور حیلہ جوئی کو مذہب میں بالکل داخل نہ ہونے دیا۔ آپؓ کے بہت اقوال زریں مقبول خواص و عام ہیں۔ چند ایک درج ذیل ہیں۔ آپؓ نے فرمایا:۔

"توفیق الٰہی بہترین راہبر ہے۔ خوش اخلاقی بہترین دوست ہے۔ عقل و شعور بہترین ساتھی ہے۔ ادب بہترین میراث ہے اور اندوہ و غم دراصل تکبر سے بھی زیادہ بدتر ہے۔"

گناہوں کے متعلق ایک دفعہ فرمایا کہ:۔

"گناہوں کی دینی سزا یہ ہے کہ عبادت میں معیشت میں تنگی پیدا ہو جائے لذت میں کمی آجائے۔ اور حلال کی خواہش اس شخص میں پیدا ہوتی ہے

جو حرام کی کمائی چھوڑ دینے کی مکمل کوشش کرتا ہے۔ آپؓ نے حضرت حسنؓ کو آخری سانسوں میں بھی یہ نصیحت فرمائی کہ:۔

- سب سے زیادہ دولت عقلمندی ہے۔
- سب سے زیادہ افلاس و محتاجی۔ بیوقوفی و حماقت ہے۔
- سب سے زیادہ بزرگی خوش اخلاقی و نیک کرداری ہے۔

الغرض آپؓ ان دس اشخاص میں سے ہیں جنہیں رسولِ خدا نے زندگی میں ہی جنت کی بشارت دے دی تھی۔ اور عشرہ مبشرہ کہلاتے تھے۔

پہلا خادم —— حضرت زیدؓ بن حارث

حضرت زید بن حارث ایک آزاد عیسائی خاندان کے لڑکے تھے۔ لیکن کسی لوٹ مار کے نتیجہ میں غلام بنا لئے گئے تھے۔ ایک دفعہ حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے کلیم بن حزام تجارت کی غرض سے کہیں باہر گئے تو زیدؓ کو خرید لائے۔ چارسو درہم میں خریدا ہُوا یہ بچہ زیدؓ بن حارث بہت پسندیدہ عادات کا مالک تھا۔ کلیم بن حزام بھی اسے پیار کرتے تھے کیونکہ وہ ایک معصوم صورت اور پیاری سیرت رکھتا تھا۔ انہیں اس عظیم المرتبت پھوپھی سے بھی عقیدت تھی۔ اس لئے وہ بچہ حضرت خدیجہؓ کے پاس بطور نذرانہ پیش کردیا۔ پھوپھی جان نے بچے کو مہذب و شائستہ پاکر اپنے واجب الاحترام شوہر کی نذر کردیا۔ چونکہ حضرت خدیجہؓ بہت زیادہ امیر عورت تھیں اور بقول مؤرخین جتنی دولت مکّہ کی اس امیر عورت کے پاس تھی اتنی کسی مکّی کے پاس نہ تھی۔ لیکن شادی کے بعد حساس مزاج خدیجہؓ نے بھانپ لیا تھا کہ میرے شوہر کی عظمت اسی میں ہے کہ مَیں ساری دولت آپؐ کے قدموں پر نثار کردوں۔ تاآنکہ وہ کسی آن بھی کمتری کا شکار نہ ہوں مگر غنی النفس شوہر نے اس ساری دولت کو غرباء اور یتیموں میں تقسیم کرکے اس کے جائز استعمال کا راستہ دُنیا کو دکھا دیا۔ اس طرح تمام غلام آزاد کردیئے گئے جن میں زیدؓ بن حارث بھی تھے۔

زیدؓ بن حارث کو ان کی پیاری عادات کی وجہ سے آپؐ نے باپ سے بڑھ کر پیار دیا۔ یہانتک کہ وہ زیدؓ بن محمدؐ کہلانے لگے۔ مگر ہجرت کے بعد جب خداوند عالم کی طرف سے یہ حکم نازل ہُوا کہ مُنہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں تو زیدؓ کو زیدؓ بن حارث

کہا جانے لگا۔ جب زید بن حارث نے سُنا کہ خدا تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ ادعوا ھم لاباٰئھم۔ بیٹوں کو باپوں کے نام سے پکارو۔ تو وہ خاموش ہوگئے اور زیدؓ بن حارث کہلانے لگے۔

زیدؓ بن حارث وہ پہلا خادم ہے جو مسلمان ہُوا اور رسُولِ خُداؐ کے سچے فدایوں میں شامل ہوگیا۔ انہیں یہ بھی سعادت حاصل ہے کہ فتح جنگِ بدر کی خوشخبری لے کر وہ سب سے پہلے آدمی تھے جو مدینہ پہنچے۔ گویا وہ فتح کے پہلے قاصد تھے۔ عبداللہ بن رواحہ مدینہ کے بلند حصّہ کی طرف گئے۔ جبکہ زیدؓ بن حارث نشیبی علاقہ کی طرف گئے تھے۔

اسامہؓ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ ہمیں یہ خوشخبری اس وقت ملی جبکہ ہم حضرت رسُولِ خُداؐ کی صاحبزادی رقیہؓ پر جو حضرت عثمانؓ بن عفان کی زوجیت میں تھیں مٹی برابر کررہے تھے (انہیں دفن کررہے تھے)۔ ہمیں خبر ملی کہ زیدؓ بن حارث آتے ہیں۔ تو مَیں اُن کے پاس پہنچا وہ مسجد میں کھڑے تھے۔ اور لوگوں نے انہیں گھیرا ہُوا تھا۔ اور وہ کہہ رہے تھے۔ عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ بن ربیعہ۔ ابوجہل بن ہشام وغیرہ مارے گئے مَیں نے کہا اباجان کیا یہ صحیح ہے۔ انہوں نے کہا۔ واللہ بالکل صحیح ہے۔

زیدؓ بن حارث کا پیار رسُولِ خُدا کے ساتھ عشق کی حد تک تھا۔ کون ہے جو اپنے دیرینہ بچھڑے ہُوئے ماں باپ کے سامنے صاف صاف دو لفظوں میں انکار کردے "کہ مَیں آپؐ کو چھوڑ کر ہرگز نہیں جاؤں گا۔" آپؐ میرے لئے میرے چچا اور باپ سے بڑھ کر ہیں۔ زیدؓ کے باپ نے غصّہ سے کہا کہ تو غلامی کو حریّت پر ترجیح دیتا ہے۔ زیدؓ نے کہا جو محبت میں نے یہاں دیکھی ہے اس پر مَیں ترجیح کسی کو نہیں دے سکتا۔ آپؐ نے جب زیدؓ کا یہ جواب سُنا تو خانہ کعبہ کے پاس زیدؓ کو لے جاکر بآواز بلند فرمایا:-

"اے لوگو گواہ رہو کہ آج سے مَیں زیدؓ کو آزاد کرتا ہوں۔ اور اپنا بیٹا بناتا ہوں۔ یہ میرا وارث ہوگا اور مَیں اس کا وارث ہوں گا۔"

زیدؓ کے چچا نے جب یہ نظارہ دیکھا تو خوشی سے زیدؓ کو چھوڑ گئے۔

حضرت زیدؓ بن حارثہ وہ خوش نصیب باپ ہیں جن کے بیٹے اسامہؓ بن زیدؓ کو رسولِ خُدا نے جنگ کا سپہ سالار مقرر فرمایا تھا۔ اور آپؐ کا وہی سلوک اور وہی پیار اسامہؓ سے تھا جو زیدؓ بن حارث سے ہوا کرتا تھا۔ حضرت زیدؓ کی شرف بزرگی و عظمت کا ثبوت اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے کہ حضور نبی کریمؐ کے تمام صحابہ میں سے صرف حضرت زیدؓ کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔

پہلی پیشکش و اعلانیہ تبلیغ

بعد از نبوت

ابنِ اسحاق نے کہا کہ اسلام جب مکہ کے اندر قریش کے قبیلوں میں پھیلنے لگا تو ظالم قریش خود ہی اپنے جور و جفا پر سبقت لینے لگے۔ اور خصوصاً بے یار و مددگار غرباء کے لئے تو سخت مصائب کے دن شروع ہو گئے۔ جس پر ان کا بس چلتا قید کر لیتے اور جسے تکلیفیں دے سکتے تکلیفیں دیتے اور حد درجہ دیتے۔ لیکن خدا کا سچا رسولؐ ان مخالفتوں سے بے نیاز توحید کا پیغام سنانے میں موت کو بھی قبول کرنے کو تیار تھا۔ پھر اور کیا چیز تھی جو آپؐ کو اعلائے کلمۃ اللہ سے روک سکتی تھی۔ شریف الطبع لوگ تو بارغبت اسلام کی طرف بڑھنے لگے۔ لیکن مکہ کے سرداران رؤساء کی سختیاں بھی جب کارآمد ثابت نہ ہوئیں۔ تو وہ ایک وفد کی صورت میں حضرت ابو طالب کے پاس پہنچے۔ اس وفد میں ہر قبیلے کے بڑے بڑے سردار عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ بن ربیعہ۔ ابوسفیان۔ المغفر بن حارث۔ ابوالبختری بن ہشام۔ ولید بن مغیرہ۔ ابو جہل بن ہشام۔ عبداللہ بن امیہ۔ العاص بن وائل وغیرہ وغیرہ شامل تھے[1]

وفد نے ولید بن مغیرہ کو گفتگو پر آمادہ کیا۔ وہ یوں گویا ہوا۔ کہ اے محمدؐ! آپؐ نے جو آفت اپنی قوم پر ڈھائی ہے ہم نے کبھی نہیں دیکھی۔ تم نے ہمارے باپ دادا کو بُرا کہا۔ دین پر عیب لگائے عقلمندوں کو احمق قرار دیا اور ہمارے معبودوں کو دوزخ کا ایندھن

[1]: سیرۃ النبیؐ کامل ص۲۰۵ باب ۴۰

بتایا - اگر یہ سب کچھ اس لئے کیا ہے کہ :-

۱ - "کچھ مال چاہتے ہو تو ہم اپنے مال میں سے اتنا جمع کر دیتے ہیں کہ تم ہم سب میں سے زیادہ امیر آدمی بن جاؤ گے۔

۲ - اور اگر اس لئے کرتے ہو کہ اعلیٰ مرتبہ تمہیں مل جائے تو ہم تمہیں اپنا سردار مان لیتے ہیں ۔

۳ - اور اگر اس کے ذریعہ تم حکومت چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں ۔

۴ - اور اگر یہ سب کچھ اس لئے کر رہے ہو کہ کوئی خوبصورت شادی چاہتے ہو تو واللہ ہم عرب کی حسین ترین دوشیزہ سے تمہارا بیاہ کر دیں گے ۔"

جب وہ اپنی گفتگو ختم کر چکا تو آپؐ نے فرمایا :-

" اے چچا ! اگر آپ کو اپنی کمزوری کا خیال ہے تو آپ بے شک مجھے اپنی پناہ میں رکھنے سے دست بردار ہو جائیں ۔ مگر میں احکام الٰہی پہنچانے سے کبھی نہ رکوں گا ۔ خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیں تو بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤنگا ۔"

چنانچہ آپؐ نے وفد سے مخاطب ہو کر فرمایا :-

" مجھے ان چیزوں میں سے کچھ نہیں چاہیئے ۔ جو تم کہتے ہو ۔ جو کچھ میں لایا ہوں وہ اس لئے نہیں کہ اس کے معاوضہ میں تم سے مال حاصل کروں ۔ نہ اعلیٰ مرتبہ چاہتا ہوں ۔ نہ حکومت کا خواہاں ہوں ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف پیامبر بنا کر بھیجا ہے ۔ مجھ پر ایک کتاب اتاری ہے ۔ مجھے حکم فرمایا ہے کہ تمہارے لئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا ہو جاؤں ۔ میں نے اپنا پیغام پہنچا دیا ۔ اور تم سے خیر خواہانہ بات کہہ دی ۔ اگر تم نے وہ باتیں مان لیں جو میں تمہارے پاس لایا ہوں ۔ تو دنیا اور آخرت میں تمہارے لئے خوش نصیبی ہے ۔ اور اگر تم نے مجھ پر لوٹا دیں تو میں حکم الٰہی تک صبر

کروں گا ۔ یہاں تک کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے ۔"

عتبہ کے چہرے کا رنگ یہ ایمان اور اخلاص سے بھرا ہوا جواب سن کر زرد ہو گیا ۔ اور ابو طالب نے سمجھ لیا کہ گو مجھے ایمان لانے کی توفیق نہیں ملی لیکن اس ایمان کا نظارہ دیکھنے کی توفیق ملنا ہی سب دولتوں سے بڑھ کر دولت ہے ۔ پس انہوں نے کہا ۔ " اے میرے بھتیجے ! جا اور اپنا فرض ادا کرتا رہ ۔ قوم اگر مجھے چھوڑنا چاہتی ہے تو بے شک چھوڑ دے ۔ میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا ۔"

یہ تھی پہلی پیشکش جو کفار مکہ نے ابو طالب کے سامنے حضرت رسولِ خداؐ کے سامنے پیش کی ۔ اور وہ کسی بھی صورت میں کسی مقام پر کامیاب نہ ہو سکی ۔ آپؐ کی صداقت کا کتنا بڑا ثبوت ہے کہ بڑے بڑے لالچ اور اونچے سے اونچے محرک کو پرِ پشّہ کے برابر بھی وقعت نہ دی ۔ لہ

لہ - ابن ہشام ص۲۸۵ باب ۴۷ ÷
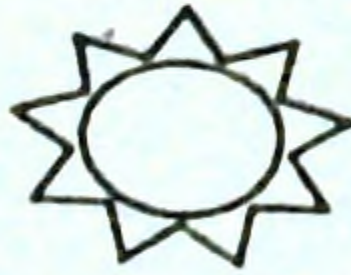
پہلا دار التبلیغ —— دارِ ارقم

سنہ ۴ نبوی

اِقرأ بِاسْمِ رَبِّکَ فرماکر جو ذمہ داری خداوندِ عالم نے آپؐ کو سپرد کی تھی آپؐ نے اسے گلے لگالیا۔ اور اپنے آپؐ کو بھول کر خدائے واحدہٗ لاشریک کی طرف لوگوں کو بلانا شروع کر دیا۔ آپؐ اُٹھے اور اعلان کیا کہ اے سرداران مکّہ! تمہارے ارباب کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ بلکہ سچّا رب وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ اور اعتقادات باطل ہیں اور ربوبیّت کی شان کے خلاف ہیں وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس نے مجھے دنیا کی ہدایت کے لئے کھڑا کیا ہے۔ مَیں اسی کے نام پر اپنے دعویٰ کو تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔

یہ اعلان تھا جو سب سے پہلے اقرباکو آپؐ نے سنایا۔ پھر آہستہ آہستہ یہ اُن لوگوں تک بھی پہنچ گیا جو کبھی آپؐ کو صادق و امین کہتے تھے۔ یہ خدا تعالیٰ کا پیغام واحدانیت تھا۔ جو ان کے عقائد کو باطل قرار دیتا تھا۔ اب تو انہیں اس اعلان کے بعد اپنے بُت پتھروں کے لاشوں میں تبدیل ہوتے نظر آتے تھے۔ اس لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے عقائد کی حفاظت کرتے اور اپنے باپ دادا کے مذہب و رواج کو بگڑنے سے روکتے۔ چنانچہ مخالفت کے تمام سامان مہیّا کر دیئے گئے اور آپؐ پر مشکلات و مصائب کے دروازے کھول دیئے گئے۔ یہاں تک کہ آپؐ کو اپنی مرضی سے عبادت کی آزادی بھی حاصل نہ رہی۔ ان حالات میں آپؐ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ لوگوں کو حق کی طرف بلانے کے لئے ایک محفوظ مقام ہونا چاہیئے۔ جہاں بلا روک ٹوک ہم عبادت

کر سکیں۔ اپنی تبلیغ کر سکیں اور اظہارِ رائے کر سکیں۔ اس مقصد کے لئے ایک ایسے مکان کی ضرورت تھی جو مرکزی حیثیت رکھتا ہو۔ چنانچہ کوہ صفا کے دامن میں ارقم بن ارقم مخزومی کا مکان تجویز کیا گیا۔ اور آپؐ اس میں مقیم ہو گئے۔ تمام مسلمان یہیں جمع ہوتے نماز پڑھتے۔ متلاشیان حق بھی یہیں آتے اور گھنٹوں دین کی باتیں سُنتے رہتے۔ پس یہ پہلا قرآنی مدرسہ تھا جو سیّد الانبیاءؐ کے مقدس ہاتھوں سے وجود میں آیا آپؐ نے اسے اپنی بعثت کے چوتھے سال سے لے کر چھٹے سال تک اشاعتِ قرآن اور تبلیغ اسلام کی سرگرمیوں کا مرکز بنائے رکھا۔ اور ایسے نامور اساتذہ پیدا کئے۔ جو کسی ظاہری درسگاہ۔ کالج یا یونیورسٹی کے پڑھے ہوئے نہ تھے۔ اس دار السلام کا نام دار الخیزران بھی ہے۔ اسی مختصر عمارت میں ایمان لانے والوں کو سابقین میں شمار کیا جاتا ہے۔ پہلے نمبر پر حضرت مصعبؓ بن عمیر تھے۔ جو ہجرت سے قبل یثرب میں اسلامی مبلّغ بنا کر بھیجے گئے تھے۔ گویا کہ دارِ ارقم نے ہی پہلا اسلامی مبلّغ بھی پیدا کیا تھا۔

دوسرے مبلّغ اسلام حضرت زید بن خطاب تھے۔ جو حضرت عمرؓ کے بڑے بھائی تھے۔ حضرت عمرؓ کو ان سے بڑا پیار تھا۔ اور ان کی وفات کا صدمہ بھی بہت ہوُا۔ باقی خوش نصیب انسان جو اسی دار التبلیغ میں مبلّغ بن کر نکلے اور حضورؐ کے ساتھ دستِ راست ہو کر میدان تبلیغ میں آئے۔ عمارؓ بن یاسرؓ۔ حضرت صہیبؓ بن سفیان۔ اور حضرت جعفرؓ بن ابی طالب تھے۔ پھر اسی طرح حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم جو حضرت خدیجہؓ کے عزیزوں میں سے تھے اور نابینا بھی تھے اسی دار التبلیغ سے ہی حصول تعلیم کے بعد اشاعتؓ تبلیغ کے لئے نکلے تھے۔ مندرجہ بالا حامل قرآن شخصیتیں زندہ و پائندہ رہیں گی۔ اسلام میں دار ارقم بھی اسی طرح زندہ جاوید رہے گا جس نے اپنے پیاروں کی حفاظت کی اور دشمن کی اوچھی نگاہ سے انہیں محفوظ رکھا اور پناہ گاہ ثابت ہوُا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ دارِ ارقم میں اسلام لانے والوں میں سے آخری حضرت عمرؓ تھے۔ جن کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو بہت تقویت پہنچی اور اواخر سنہ ۶ نبوی میں آپؐ باہر

تشریف لے آئے اور کھلم کھلا دعوت حق دینی شروع کردی۔

ابراہیم پاشا رفعت امیر الحجاج المصری نے ۱۹۰۱ء میں اپنے سفرنامہ میں جلد ا صفحہ ۱۹۲ تا صفحہ ۱۹۵ میں تفصیلی ذکر کیا ہے کہ دار ارقم ایک گلی میں سیڑھی کے بائیں طرف واقع ہے۔ جو صفا کی طرف کھلتی ہے۔ اس جگہ چار دیواری ہے جس کے اندر جنوب مشرق میں دو حجرے پتھر کے بنے ہوئے ہیں۔ ایک حجرہ پر جلی حروف میں کندہ ہے:۔

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم۔ فی بیوتٍ اذن اللّٰه ان تُرْفَعَ و یذکر فیھا اسمہٗ یسبح لہٗ فیھا بالغدو والاصال۔

دوسرے حجرے کی پیشانی پر ہے:۔

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم۔ ھذا مغتباء رسول اللّٰه المعروف بدار الخیزران"۔ دار الخیزران کا حجرہ دو قیراط کم آٹھ گز لمبا اور ساڑھے سات گز چوڑا ہے۔

پس یہ تھا پہلا قرآنی مدرسہ۔ پہلا دار التبلیغ اور پہلا جامعہ۔ جس کے روحانی سربراہ نبیوں کے سردار معلم آسمانی۔ سرور کائنات حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

پہلی جہری تلاوت۔ حضرت عبداللہ رضؓ بن مسعودؓ

بعمر ۴۳ سال سنہ ۴-۵ نبوی

ابن اسحاق نے کہا ہے کہ مجھ سے ابو یحییٰ نے روایت کی کہ عبداللہ بن مسعود پہلا شخص ہے جس نے رسولِ خدا کے بعد مکہ میں بلند آواز سے قرآن پاک کی تلاوت کی[1]۔ ایک دن رسولِ خدا کے بہت سے صحابہ کرامؓ آپؐ کے پاس جمع تھے۔ چونکہ قریش نے بلند آواز سے کبھی تلاوت قرآنِ مجید نہیں سنی تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ تلاوت کے اثرات سے ان کو واقف کرایا جاتا کیونکہ خدا کا رسولؐ یہ جانتا تھا کہ خداوند عالم نے تلاوت میں کیا اثرات رکھے ہیں۔ کہ جو کوئی بھی سنے گا۔ وہ خشیتِ قلب کی دولت سے حصہ لے گا۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا۔

"قریش نے قرآن کو اپنے سامنے بلند آواز سے پڑھتے ہوئے کہیں نہیں سنا تھا۔ پس کوئی شخص ہے جو انہیں قرآن سنائے؟ حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ قبیلہ ہذیل کا ایک غریب نوجوان آگے بڑھا اور لبیک کہتے ہوئے کہا کہ یہ کام میں سرانجام دوں گا۔ سب نے کہا کہ عبداللہ تمہارے لئے یہ کام خطرناک ہے۔ ایک تو تم غریب ہو دوسرے کسی ممتاز خاندان سے تمہارا تعلق نہیں ہے۔ ہم تو ایسا شخص چاہتے ہیں جو خاندان والا ہو تاکہ اگر قریش قرآن مجید سن کر غصہ و جنون میں آجائیں تو ان کی بدسلوکی اور اذیت کا تقاضا یہی ہوگا کہ اس کا خاندان اس کی حفاظت کرے۔ لیکن ابن مسعودؓ نے فرمایا۔" مجھے چھوڑ دو اللہ تعالٰے میری حفاظت کرے گا[2]۔

اگلے دن ابن مسعودؓ صحن کعبہ میں ایسی جگہ پہنچے جہاں قریش اپنی مجالس کیا کرتے

[1-2] سیرۃ النبی کامل صفحہ ۲۱۴ باب ۴۹؂

تھے۔ اور اپنے ہم جلیسوں میں بڑھائی اور غرور کے قصے الاپا کرتے تھے۔ مقامِ ابراہیم کے پاس حضرت ابن مسعودؓ کھڑے ہوگئے۔ اور بلند آواز سے وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا کے مطابق تلاوت قرآن مجید شروع کردی۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے بعد سورۃ رحمٰن کی تلاوت شروع کی اور عَلَّمَ الْقُرْآنَ کے آگے جب پڑھا تو قریش نے غور سے سُنا اور خاموش نہ رہ سکے۔ بلکہ یوں کہنے لگے۔ اے ابن ام عبداللہ تم نے کیا کہا ہے؟ لیکن فوراً دوسرے سُننے والوں نے جواب بھی دے دیا۔ کہ یہ کیا کہے گا۔ وہی تو پڑھے گا جو محمد (صلعم) لایا ہے۔ اور یہ سُننا تھا کہ آنِ واحد میں سب کے سب لپک پڑے اور ابن مسعودؓ کو مارنا شروع کردیا۔ لیکن وہ بدستور مار کھاتے گئے اور پڑھتے چلے گئے۔ مُنہ پر پتھر پڑتے جاتے تھے لیکن زبان کلمۂ امداد کی بجائے کلمۂ خدا پڑھتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ اس سورۃ کے اس حصہ تک پہنچ گئے جہاں تک خدا نے چاہا۔ پس جب وہ صحابہ کرامؓ کے پاس پہنچے تو ان کے چہرے پر قریش کی بے نصیبی اور مشرکوں کے مظالم کے نشانات تھے۔ اور صحابہ کرام کے حالات دریافت کرنے پر ابن مسعودؓ نے کہا۔ "آج دشمنانِ خدا میری نظروں میں جتنے ذلیل ہوئے ہیں اتنے ذلیل کبھی نہ ہوئے تھے"۔ [1]

پس چونکہ قرآن اپنی سحر انگیزی اور شیرینیِ سخن میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ اسی لئے کفارِ مکہ قرآن مجید کی تلاوت سے چِڑھتے تھے اور خائف تھے۔ وہ ضرورت سے زیادہ خوفزدہ تھے۔ کہ ہمارے لوگ اس کی بات نہ کھا جائیں۔ انہیں یقین تھا کہ اس کے سامنے تمام صحفِ سابقہ ماند پڑ گئے ہیں۔ جیسے کہ ایک دفعہ نبی پاکؐ کے فدائی صدیق اکبرؓ ایک دن اپنے گھر پر تلاوتِ قرآن نہایت رقت سے فرما رہے تھے کہ یہ دل پذیر آواز سُن کر تمام محلے کے بچے اور عورتیں اکٹھی ہوگئیں۔ عورتیں تو مبہوت ہوکر ہمہ تن گوش تھیں کیونکہ آپؓ رو بھی رہے تھے۔ آپؓ تلاوت

[1] ابن ہشام ص۲۱۳

کرتے وقت عموماً روتے تھے۔ کیونکہ آپؓ بہت رقیق القلب تھے۔ اور جیسے کہ آپؓ عوام میں بہت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اس لئے سادہ طبع عورتیں آپؓ کو روتے دیکھ کر بہت مغموم ہوتیں۔ اور متأثر بھی ہوتیں۔ دل میں شوق بھی رکھتیں کہ یہ نادر کلام سنیں اس لئے اکثر جمع ہو جاتیں لیکن کفارِ مکہ خوف زدہ ہو گئے کہ کہیں یہ مغموم عورتیں اور بچے مصیبت کھڑی نہ کردیں۔ اور اسلام کی طرف راغب نہ ہو جائیں۔

اس لئے انہوں نے پہلے حضرت ابوبکر صدیق کو روکا کہ وہ تلاوت بند کردیں لیکن صاف انکار اور آپؓ کی جرأتِ ایمانی دیکھ کر وہ ابن الدغنہ کے پاس گئے جس نے ان کو پناہ دے رکھی تھی۔ اور حضرت ابوبکرؓ کی بلند آواز تلاوت کی شکایت کی اور خوف ظاہر کیا کہ اس سے ہماری عورتیں بچے اور کمزور دل لوگ فتنہ میں پڑتے ہیں۔ مگر ابن الدغنہ کی کوشش کارگر نہ ہوئی۔ آپؓ نے اس کی پناہ واپس لوٹا دی اور اپنا گھر بار چھوڑنا گوارا کر لیا مگر کلامِ الٰہی کی بآواز بلند تلاوت بند نہ کی۔ حتیٰ کہ انہوں نے سرِ راہ آپؓ کو اتنا پیٹا کہ آپؓ لہو لہان ہو گئے۔ اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر گئے۔

اسی طرح سفرِ طائف میں جب رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم زخموں سے لہو لہان واپس لوٹے تو تین میل تک برابر دوڑ دوڑ کر آپؐ تھک گئے تو عتبہ بن ربیعہ کے باغ کے عقب میں قیام فرمایا اور آپؐ عبادتِ الٰہی میں مشغول تھے کہ تلاوت کی آواز سے جنات کے قدم جم گئے تھے اور بغیر توجہ دیئے آگے نہیں بڑھ سکے۔ بلکہ قرآن کی شیرینی نے انہیں اتنا متأثر کیا کہ وہ نخلِ اسلام کے تلے آ پناہ گزین ہو گئے۔ اور جب وہ اپنی قوم کو ملے تو انہوں نے قوم سے کہا۔ "ہم نے ایک عجیب قرآن سُنا ہے جو سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ ہم تو اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ اب ہم کسی کو اپنے رب کا ساجھی نہیں سمجھیں گے۔"

اسی طرح قرآن مجید کی جہری تلاوت کا سحر انگیز اثر وہ بھی تھا جس سے ایک سخت گیر ذی اثر امیر آدمی بھی ایک غریبانہ تنظیم میں پرو دیا گیا۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ جو سعیدؓ بن زید کے قرآن مجید پڑھنے سے جبکہ وہ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ

اَلْعَزِیْزُ الْحَکِیْمِ پر پہنچے تو بے اختیار پکار اُٹھے کہ بیشک میں گواہی دیتا ہوں کہ خُدا واحد ہے اور محمدؐ رسُول ہے اس واحد و یگانہ خُدا کا۔ اور یہ فی البدیہہ گواہی انکی سعید فطرت کی آواز تھی جو رُوکی نہ جا سکی۔ اور تلاوت کے سحر سے اُجاگر ہو گئی۔ اسی طرح یہ سحرِ قرآن عرب کے مشہور شاعر طفیل بن عمرو دوسی کو اپنے حلقہ میں کھینچ لایا۔ اس نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونسی کہ کہیں ساحرانہ باتیں اس کے شاعرانہ مزاج پر اثر انداز نہ ہوں مگر یہ وہ جادو تھا جو سر چڑھ کر بولا۔ اور اس نے روئی نکال پھینکی کہ میری ماں مجھے کھوئے میں ایک سمجھدار آدمی ہوں۔ کیا حرج ہے کہ میں اس کی بات سن لوں۔ اگر اچھی ہے تو مان لوں گا اور اگر بُری ہے تو انکار کر دوں گا۔ لیکن جب کلام الٰہی سُنا تو وہیں اسی وقت انہی سانسوں سے کلمۂ توحید پڑھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے تو یہ تھا جہری تلاوت کا سحر۔ جس کا طلسم کئی سعید روحوں کو کھینچ لایا۔

پہلی بار جہری تلاوت کرنے والا وجود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا تھا جن کو خدا تعالیٰ نے قرآن مجید کی تلاوت میں خاص ملکہ دیا ہوا تھا۔ عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک دفعہ رسُول خُدا نے فرمایا کہ کچھ قرآن سناؤ۔ عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپؐ کو قرآن سناؤں؟ حالانکہ قرآن شریف تو آپؐ پر نازل ہوا ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھے یہ بھی پسند ہے کہ میں دوسروں کے مُنہ سے سنوں۔ پس میں نے سورہ نساء میں سے کچھ حصہ پڑھا۔ یہاں تک کہ میں اس آیت پر پہنچا۔ "کیا حال ہوگا جب ہر ایک امت میں ہم ایک شہید لائیں گے اور تجھے ان لوگوں پر شاہد مقرر کریں گے۔ تو آپؐ برداشت نہ کر سکے۔ اور آپؐ نے فرمایا۔ بس کرو۔ میں نے دیکھا کہ آپؐ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ غزوہ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ اور خدا تعالیٰ نے آپ کو یہ اعزاز دیا کہ اس یوم فرقان کو ابوجہل کی گردن حضورؐ کی خدمت میں پیش کی۔ وہ دشمن خدا اور رسُولؐ دو کمسن بچوں کے ہاتھوں ہلاک ہوا۔ لیکن خاک پر پڑا تڑپ رہا تھا۔ رسولؐ خدا نے ابوجہل کی لاش پا کر فرمایا۔ کوئی جا کر دیکھے کہ ابوجہل کا

کیا حال ہے؟ عبداللہؓ بن مسعودؓ آئے اور لبیک یا رسُول اللہ کہتے ہوئے میدان کی طرف گئے اور ابوجہل کو ایک جگہ جان توڑتے ہوئے پایا جبکہ وہ قریباً اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے پوچھا کہ تو ہی ابوجہل ہے؟ اس نے کہا: کیا تم نے مجھ سے بھی بڑا کوئی شخص قتل کیا ہے؟ یعنی میں سب سے بڑا آدمی ہوں جو تم نے مارا ہے؟ حسرت سے کہنے لگا۔ "لو غیرا کار قَتَلَنِی"[1]۔ کاش میں کسی کسان کے ہاتھ سے قتل نہ ہوتا۔ پھر اس نے پوچھا میدان کس کے ہاتھ رہا۔ میں نے جواب دیا کہ خُدا اور اس کے رسولؐ کے ہاتھ میں۔ ابوجہل بالکل بے حس و حرکت ہو گیا۔ اور جان دے دی[2]۔ مرتے وقت اُس نے خواہش کی کہ میرا سر گردن کے نیچے سے کاٹنا تاکہ امتیازی نشان رہے۔ لیکن ابن مسعودؓ نے اس کا سر گردن کے نچلے مقام سے نہیں کاٹا تھا۔ بلکہ پستہ گردن والا سر بنا ڈالا۔ تاکہ اس کی آخری خواہش بھی پوری نہ ہو جائے۔ جو محسنِ انسانیت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانی دشمن تھا۔ جب ابنِ مسعودؓ وہ سر رسُولِ خُدا کے پاس لائے۔ اور عرض کی یا رسُولؐ اللہ! یہ دشمن کا سر ہے۔ تو آپؐ نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا وبقطع دابر الکافرین کے مطابق خدا تعالیٰ کا قول پورا ہوا۔ دشمن اپنی موت آپ مرگیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

---

[1] بخاری شریف [2] زرقانی جلد ا صفحہ ۴۲۵
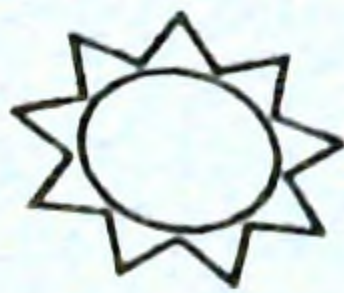
پہلا مہاجر جوڑا

حضرت عثمانؓ، حضرت رقیہؓ

سنہ ۶۱۵ء لعمر ۴۵ سال ۴ ماہ ۵ سنہ نبوی

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر و عظیم دختر حضرت رقیہؓ اور اُن کے شوہر حضرت عثمانؓ بن عفان وہ پہلا جوڑا تھا۔ جو اپنے آبائی گاؤں کو خیرباد کہکر مکّہ کی سرزمین سے باہر نکل گیا تھا۔ وہ اسلام کی کرنوں سے منور جوڑا بھاری قدموں اور بوجھل دل سے رواں دواں تھا۔ کیونکہ وہ جوڑا آج اپنے وطن عزیز کو اپنے دین و ایمان کی خاطر قربان کر رہا تھا۔ وہ گلیاں اور بازار جن میں وہ پلے بڑھے تھے ان پر تنگ کر دیئے گئے تھے لیکن معزز و بشر ہوتے ہوئے بھی حضرت عثمانؓ احتجاج کے لئے نہیں اُٹھے تھے بلکہ حکومت و عوام کے سامنے اپنا راستہ ہی بدل گئے تھے۔ اور اسی طرح خدا تعالیٰ کے فضلوں سے وہ اکابر مہاجرینؓ منعم علیہ گروہ میں شمار ہونے لگے۔ اور اللہ تعالےٰ نے ان پر ایسے ایسے انعامات کئے کہ تا قیامت ان کا نام زندہ و پائندہ رہے گا۔ یہانتک کہ وہ خلیفۃ الرسول بننے کا شرف بھی پا گئے۔ خلافت کا منصب پاجانا ان کی گرانقدر قربانیوں کا ہی نتیجہ ہے۔

پس یہ وہ تیسرے خلیفہ حضرت عثمان الغنیؓ ہیں جن کا عرصۂ خلافت تمام خلفاء راشدین سے طویل ہے۔ انہوں نے گیارہ سال گیارہ ماہ خلافت کی عظیم ذمہ داری اپنے کندھوں پر اُٹھائے رکھی۔ اور کماحقہٗ خدمتِ اسلام بجالائے۔ یہانتک کہ اسلام کے استحکام کے لئے جامِ شہادت تک نوش فرمایا۔

حضرت عثمانؓ عام الفیل کے چھٹے سال پیدا ہوئے[1]۔ آپ کی کنیت ابو عمر تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں دعوتِ اسلام دی تھی۔ اور اُنہی کے ہاتھوں وہ حلقۂ اسلام میں شامل ہوئے تھے۔ اور عشرہ مبشرہ میں مقام پایا تھا۔ اتفاق سے انہیں دو دفعہ ہجرت کرنی پڑی۔ ایک دفعہ آپؓ حبشہ کی طرف گئے اور دوسری طرف مدینہ کی طرف جانا پڑا۔ ان کا پہلا نکاح نبوت سے پہلے حضرت رسولؐ خدا کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ سے ہی ہوا تھا۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے لکھا ہے کہ زمانۂ اسلام میں ان کا نکاح ہوا تھا۔ اور یہی قرین قیاس ہے۔ کیونکہ مؤرخین کا خیال ہے کہ طلاق کی وجہ حضور نبیؐ پاکؐ کی بعثت ہی تھی۔ کیونکہ جب حضرت صاحبزادی رقیہؓ کا نکاح عتبہ کے ساتھ ہوا تھا۔ لیکن عتبہ کے باپ ابولہب نے نبوت کے دعویٰ سے چڑکر رخصتی سے پہلے ہی اپنے بیٹے کو حکم دیا تھا کہ تم محمدؐ کی بیٹی کو ضرور طلاق دے دو۔ چنانچہ بیٹے نے باپ کا کہا مانتے ہوئے اپنی منکوحہ کو طلاق دے دی تھی۔ اور بعد میں حضرت عثمانؓ نے ان سے شادی کر لی۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ جب ہجرت کر کے حبشہ گئے تو ایک مدت تک ان کا کوئی حال و احوال معلوم نہ ہو سکا۔ حضورؐ کو تشویش لاحق ہوئی۔ ایک عورت نے آکر اطلاع دی کہ اُس نے دونوں میاں بیوی کو دیکھا ہے۔ اس پر نبی کریمؐ نے ازراہ شفقت دُعا دی اور فرمایا کہ ابراہیمؑ اور لوطؑ کے بعد عثمانؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بی بی کو ساتھ لے کر ہجرت کی ہے[2]۔

حبشہ میں ان کے ایک بیٹا بھی پیدا ہوا۔ جس کا نام عبداللہ تھا۔ جو دو سال بعد سنہ ۴ ہجری کو حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد فوت ہو گیا۔ اور اس کی نماز جنازہ حضرت رسولِ پاکؐ نے پڑھائی۔ اور حضرت عثمانؓ نے قبر میں اتارا[3]۔

صاحبزادی حضرت رقیہؓ رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری کو اکیس بائیس سال کی عمر میں وفات پا گئیں۔ فتح بدر کی خوشخبری جب زیدؓ بن حارثہ لے کر مدینہ پہنچے تو اس خوشی کی خبر

[1] : تاریخ الخلفاء ص۱۷۱ ؛ [2] : شبلی ص۲۳۶ ؛ [3] : حیات رسالت مآب ص۹۲ ؛

کے ساتھ ہی انہیں غم کی خبر کا بھی سامنا کرنا پڑا تھا۔ افسوس کہ وہ انتقال فرما چکی تھیں۔ اور کفن دفن کا انتظام ہو رہا تھا۔ نماز جنازہ میں نبی پاکؐ شریک نہیں ہو سکے تھے۔ اور ادھر حضرت رقیہؓ کی تیمارداری کی وجہ سے حضرت عثمانؓ بھی بدر میں شریک نہ ہوئے تھے۔ اگرچہ ان کا شمار اہلِ بدر میں کیا جاتا ہے۔ اور حضور نبیٔ پاکؐ نے انہیں مالِ غنیمت میں سے حصّہ بھی دیا تھا[1]۔

اس کے بعد حضرت عثمانؓ کی شادی ام کلثومؓ سے ہوئی اور منجملہ دوسری خصوصیات کے ایک یہ بھی خصوصیت ان کو حاصل تھی کہ دنیا میں کسی کا نکاح کسی نبی کی دو بیٹیوں سے نہیں ہوا۔ سوائے حضرت عثمان الغنیؓ کے جنہیں سرورِ کائناتؐ کی دو صاحبزادیوں کے مجازی خدا ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اسی لئے انہیں ذوالنورین بھی کہتے ہیں۔ سہیل بن سعد کا خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ جنت میں ایک محل سے دوسرے محل میں جائیں گے۔ اس وقت دو مرتبہ نورانی تجلیاں ہوں گی۔ اس لئے ان کو ذوالنورین کہتے ہیں۔

بہرحال ہر جہت سے ان کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قربت و محبت حاصل تھی۔ حضرت عثمانؓ کی ماں ام حکیم السیفاء بنت عبدالمطلب بن ہاشم تھیں۔ اور حضورؐ کے والد کی جڑواں بہن تھیں۔ قربت و محبت کے علاوہ وہ نوجوان کو خدا کے محبوب کے حلقہ سے میسر آیا۔ وہ حضرت عثمانؓ کو اتنا محبوب کر گیا کہ عشرہ مبشرہ کے علاوہ۔ وہ ان چھ افراد میں سے بھی تھے جن سے حضورؐ رحلت تک راضی تھے۔ یہاں تک کہ ابن سعد کا بیان ہے کہ رسولِ خدا جب غزوہ ذات الرقاع اور غزوہ غطفان پر تشریف لے گئے تھے تو اپنے پیچھے حضرت عثمانؓ کو اپنا خلیفہ بنا کر گئے تھے[2]۔

طبیعت کے لحاظ سے حضرت عثمانؓ ایک خاموش الطبع تحمّل السان تھے۔

[1] : تاریخ الخلفاء ص۱۵۵ ؛

[2] : امام حافظ جلال الدین ص۱۶۰ ؛

اسلام کے لئے انہوں نے اتنی قربانیاں دیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے دو مرتبہ رسولِ خدا سے جنت مول لے لی۔ ایک دفعہ کنواں خرید کر دوسری مرتبہ لشکر کے لئے ساز و سامانِ جنگ دے کر۔ بیشک وہ فضیلت مآب تھے کہ پہلی اسلام کی صلح میں وہ پہلے سفیرِ اسلام تھے۔ کیونکہ وہ صحابہ کرامؓ میں سے افضل تھے۔ جنہیں مکہ والے بھی قبول کر گئے۔ اور ان کی دوستی و قرابت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی بات سننے پر تیار ہو گئے۔ نہ صرف مذاکرات بلکہ حضرت عثمانؓ کو انہوں نے طوافِ کعبہ کی بھی پیشکش کی۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے خود یہ پیشکش قابلِ قبول نہ خیال کی۔ کیونکہ جس کا آقا طواف کا باہر منتظر ہو اس کا خادم اکیلے طواف کیسے کرے۔ چنانچہ یہ کہکر طواف نہ کیا کہ جب تک میرے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہیں کریں گے میں بھی نہیں کروں گا۔ ادھر مذاکرات میں کچھ دیر ہو جانے کی وجہ سے یہ مشہور ہو گیا کہ عثمانؓ کو قتل کر دیا گیا۔ یہ خبر سن کر خدا کے رسول نے تمام صحابہ کرامؓ کو جمع کیا۔ اور موت کے نام پر بیعت لی۔ اور یہ پہلی بیعت تھی۔ اس کو بیعتِ رضوان بھی کہتے ہیں۔ اس موقع پر صحابہ کرامؓ نے یہ عہد کیا تھا کہ ہم دشمن کے مقابلہ سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ چاہے سب مارے جائیں۔ جب سب بیعت کر چکے تو رسولِ خدا نے اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا۔ اس وقت عثمانؓ یہاں نہیں ہے۔ ممکن ہے وہ مارے گئے ہوں اور ممکن ہے وہ زندہ ہوں۔ اسلئے آپؐ نے اپنا دوسرا ہاتھ اپنے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا "میں عثمانؓ کی جگہ بیعت کے لئے ہاتھ رکھتا ہوں"[1]۔

اب اگر غور کیا جائے تو خدا تعالےٰ نے حضرت عثمانؓ کی قربانیوں کے بدلے انہیں وہ مقام عطا کیا کہ ان کا ہاتھ نبی کا ہاتھ قرار پایا اور اس طرح نبی پاکؐ سے حضرت عثمانؓ نے اتنا بڑا اعزاز عطا کیا۔ اس کے مقابل پر ہزار سالہ زندگی بھی ہیچ تھی۔

خوبصورتی و وجاہت کے لحاظ سے بھی حضرت عثمانؓ ایک منفرد مقام رکھتے تھے۔ حضرت ام المؤمنین عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا نے حضرت عثمانؓ کا

[1] : تاریخ الخمیس جلد دوئم ص۲۲

نکاح جب امِ کلثوم رض سے کیا تو آپؐ نے فرمایا ۔ بیٹی! تمہارے دولہا کے دادا حضرت
ابراہیم اور تمہارے باپ محمد مصطفےٰ صلعم صورت میں مشابہ ہیں ۔

بے شمار فتوحات کے علاوہ انہوں نے قرآن مجید کو یکجا یعنی جمع کر کے مسلمانوں
پر احسان کیا ۔ مسجد نبوی کی توسیع کی اور تراشیدہ پتھروں سے اس کی
تعمیر کرائی ۔ اس کے ستون بھی پتھر کے بنوائے ۔ اور چھت پر ساگوان لگوایا ۔ یہی خلیفہ
تھے جنہوں نے مسجد کو یہ شکل دی ۔ اس وقت کا طول ایک سو ساٹھ ہاتھ اور عرض ایک
سو پچاس ہاتھ تھا ۔ نیز ایک سو چھیالیس[۲۶] حدیثیں بھی آپ رض سے مروی ہیں ۔

حضرت عثمان رض کی شہادت ایام تشریق عید الاضحیٰ کے دن ہوئی ۔ اس وقت آپ
کی عمر چھیاسی سال تھی ۔ ان کو شہید کرنے والا مصری شخص تھا جس کا نام حمار تھا ۔
وہ سُرخ رنگ اور نیلی آنکھوں والا نوجوان تھا ۔ اُس نے آپ کو عین دن کے
وقت ۳۵ھ ہجری کو شہید کیا ۔ اس وقت آپ قرآن مجید پڑھ رہے تھے ۔ ان کی
انگلیاں بھی کٹ کر ہاتھ سے جُدا ہو گئیں ۔ انہیں ہفتے کے دن مغرب و عشاء
کے درمیان جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا ۔ جسے حش کوکب کہتے ہیں ۔ ان کی
شخصیت اوّلین ہے جسے یہاں دفن کیا گیا تھا ۔ نماز جنازہ بموجب وصیت
حضرت زبیر رض نے پڑھائی اور انہوں نے ہی لحد میں اُتارا تھا ۔[۲۵]

۲۵، ۲۶ :- تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۱، صفحہ ۱۹۰

آپؐ کا پہلا مسلمان چچا

حضرت حمزہ رض

۷ سال قبل ہجرت

وہ ہمارے یتیموں کے لئے دوسروں پر غالب آجاتا تھا اور بڑے بڑے
معرکوں میں اسلحۂ جنگ کے ساتھ کود جانے والا شیر تھا ۔
بیشک یہ کُودنے والا شیر اسد اللہ، اسد رسُول تھا ۔ خُدا کا شیر حضرت حمزہ رض
وہ خوش نصیب ہیں جن کو سب سے پہلے اسلام میں داخل ہونے کی بحیثیت چچا
کے سعادت حاصل ہوئی ۔ وہ رسُولِ خُدا کے رضاعی بھائی بھی تھے ۔ کیونکہ حضرت
حمزہ رض کی مرضعہ ثویبہ کا دودھ چند دن حضورؐ نے بھی پیا تھا ۔ انہوں نے اسلام قبول
کرنے میں پس و پیش نہیں کی بلکہ حق تو یہ ہے کہ اتنی تکلیف ہی گوارا نہیں کی کہ دیکھیں ۔
"وہ پکار کیا ہے جس کی طرف میرا اپنا رضاعی بھائی بلا رہا ہے ۔ سیر و تفریح میں ماہ و
سال حتیٰ کہ چھ سال گزر گئے مگر بندۂ خُدا نے کبھی تجسس نہ کیا کہ آخر مُحمّدؐ
کس ہستی کی نشاندہی کر رہا ہے ۔

خون کا جوش اتنا زیادہ ہو جاتا ہے کہ انسان خون کے جوش کے سامنے جھوٹی
غیرت کا گلا دبا دیتا ہے ۔ حضرت حمزہ رض کا ایمان لانے کا واقعہ بھی کچھ خونی تعلق کی ہی
ایک جوشیلی مثال ہے ۔

"ایک دن حضرت حمزہ رض شکار سے واپس آئے تو ایک خادمہ نے بڑھکر شکایت
کی کہ ابھی ابھی ابوجہل آیا اور تمہارے بھتیجے کو گالیاں دے کر گیا ہے ۔ مگر آفرین ہے
محمدؐ پر کہ جنہوں نے جواب میں ایک لفظ نہیں کہا ۔"

حضرت حمزہ رضؓ نے واقعہ کی ساری تفصیل سُنی اور غیرت سے بے تاب ہو کر باہر نکل آئے۔ مجلسِ کفار میں آ کر دیوار میں ٹیک لگائی اور کمان پر سہارا لگا کر کچھ کہنا چاہا۔

لیکن شدتِ غم سے کچھ بات مُنہ سے نہ نکلی تھی کہ ابو جہل بولا خیر تو ہے۔ تم تو ایسے کھڑے ہو جیسے کوئی لڑائی پر آمادہ ہوتا ہے۔ اُس کا یہ کہنا تھا کہ امیر حمزہ رضؓ کی آنکھوں میں خون اُتر آیا اور فطرتی غیرت جوش زن ہوئی اور اپنی کمان پُورے زور سے ابو جہل کے سر پر دے ماری۔ اور کہا تم نے محمدؐ کو گالیاں دی ہیں۔ ظالم تمہارے ظلم کی کوئی انتہا بھی ہے۔ لے سُن لے! میں بھی آج اس کے دین پر ہُوں۔ اور آج میں بھی وہی کہتا ہوں جو وہ کہتا ہے۔ پس اگر تجھ میں کچھ ہمت ہے تو میرے سامنے بول۔ ابو جہل کے ساتھی حمایت میں اُٹھے۔ لیکن حضرت حمزہ رضؓ کی دلیری و جرأت ابو جہل کو ساکت و ششدر کر گئی۔ اور اُس نے یہ کہکر کہ واقعی مجھ سے زیادتی ہوئی ہے۔ معاملہ ختم کر دیا۔

حضرت حمزہ رضؓ جب مجلس سے نکلے تو عظیم بول پر غور کرنے لگے۔ کہ یہ غصّے کا فیصلہ کس حد تک قابلِ قبول ہے؟ "میں بھی محمدؐ کے دین پر ہُوں" بظاہر جوش کا فیصلہ تھا۔ لیکن جڑھیں دل کی گہرائی تک اتر چکی تھیں۔ چنانچہ شرک سے توبہ کی اور ایک دو دن بعد رسُولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہو گئے۔ اور فاتحانہ طور پر اپنا سر خدائے قادر و خالق کے سامنے جھکا دیا۔ پس اُن کے غصّہ کا فیصلہ بھی فولادی چٹان کی طرح ثابت ہؤا۔ رسُولِ خُدا کو اپنے چچا سے بے پناہ پیار تھا۔ اُن کے فولادی فیصلے کو دیکھ کر بے حد خوش ہُوئے۔ اور قریشِ مکّہ کو انہوں نے سمجھا دیا کہ سچائی کے وہ جذبات جو میرے بھتیجے کے سینے میں اُبھرے ہیں۔ اُن میں آج سے نبوی سے میری دم کنیں بھی شامل ہیں۔ اب کمزور و ناتواں مومنوں کی چھوٹی سی جماعت کے ساتھ دنیوی لحاظ سے حضرت ابو بکر رضؓ کے علاوہ حضرت حمزہ رضؓ اور حضرت عمر رضؓ کی طاقت و عظمت بھی شامل ہو گئی۔ جس کے اثرات چنداں بہت اچھے ہُوئے۔

حضرت حمزہ رضؓ کا نازک وقت میں ایمان لانا ایک غیبی طاقت تھی جو سیّد المخلوق

کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ آپؓ جوشیلے اور جنگ و قتال کے بہت ماہر تھے اور جدال و قتال میں ہمیشہ سبقت لینے میں کوشاں رہتے تھے۔ جنگِ بدر میں وہ پیش پیش تھے۔ جنگِ اُحد میں وہ ایک ایک کا صفایا کرتے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ ارطاہ

بن عبد شرجیل کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ارطاۃ ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے جھنڈا اُٹھا رکھا تھا۔ پھر سباح بن عبدالعزیٰ حضرت حمزہ رضؓ کی طرف بڑھا کہ "وحشی جبیر بن مطعم کا ایک حبشی غلام جو کہ اسی تاک میں تھا کہ کوئی موقعہ ملے۔ کہ حضرت حمزہ رضؓ کو مار کر آزادی حاصل کی جائے۔ کیونکہ جبیر بن مطعم نے اسے قول دیا تھا کہ "اگر وہ جبیر کے چچا طُعَیمہ بن عدی جو کہ جنگ بدر میں مارا گیا تھا۔ کا انتقام محمدؐ کے چچا کو قتل کر کے لے گا تو میں تجھے آزاد کر دوں گا۔" اپنی آزادی کی خاطر وحشی نے دجو کہ حبشیوں کے انداز پر اس طرح حربہ پھینک کر مارتا تھا کہ کم ہی خطا کرتا تھا) کہا کہ حضرت حمزہ رضؓ نے سباع بن عبدالعزیٰ پر تلوار کا وار بڑی تیزی سے کیا۔ مگر وہ خطا گیا کہ عین اسی وقت میں نے اپنا حربہ چلا کر اور خوب نشانہ باندھ کر اس طرح پھینکا کہ وہ ٹھیک ان کی ناف کے اُوپر کے حصّے میں جا لگا۔ اب حمزہ رضؓ میری طرف لپکے لیکن وہ شکستہ ہو چکے تھے۔

حضرت حمزہ رضؓ کی شہادت پر رسُولِ خُداؐ بے حد رنجیدہ ہُوئے۔ کیونکہ آپؐ کے وہ رضاعی بھائی بھی تھے۔ اور ایسے وقت میں اپنے خاندان میں سے ایمان لائے کہ مسلمانوں پر کٹھن کی زندگی حاوی تھی۔ ایک دفعہ جب وحشی نے اسلام اختیار کیا تو آپؐ نے اس سے سارا واقعۂ شہادت خود سُنا۔ فرمایا! "بیٹھ جاؤ اور ہمیں بتاؤ کہ تم نے حمزہ رضؓ کو کِس طرح قتل کیا تھا؟" وحشی نے من و عن سارا واقعہ سنایا تو رسولِ خُداؐ نے فرمایا "بُرا ہو تیرا اپنا چہرہ میرے سامنے سے ہٹا لے" میں تیرا چہرہ کبھی نہ دیکھوں!"

وحشی کہتا ہے کہ اُسکے بعد جب کبھی جہاں بھی رسُولِ خُداؐ ہوتے۔ میں ہمیشہ ایک

طرف مُنہ چُھپا کر کھڑا ہو جاتا۔ تاکہ آپؐ کو میری صورت نظر نہ آئے۔ وحشی کہتا ہے کہ رسُولِ خُدا کے بعد سب سے بہتر انسان حضرت حمزہؓ کو مَیں نے قتل کیا۔ جس کا بدلہ مَیں نے مسیلمہ کذاب کو قتل کر کے اتار دیا۔ کیونکہ وہ سب سے بد تر انسان تھا۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت کے بعد ہندہ بنت عتبہ نے اُن کا مُثلہ کیا اور دوسری عورتیں بھی ہندہ کے ساتھ دوسرے صحابہ کرامؓ جو شہید ہُوئے تھے ان کے کان۔ ناک کاٹ کر ہار۔ بُندے اور پازیب بنا رہی تھیں۔ ہندہ نے حضرت حمزہؓ کے کان اور ناک کاٹ کر خود اپنے ہار۔ بُندے اور آویزے اُتار کر وحشی کو دے دیئے اور ان کے اعضاء ہار بنا کر پہن لئے۔

یہاں تک کہ ان کا جگر چیر پھاڑ کر چبانا چاہا۔ نگلنے کی کوشش کی اور جب نگل نہ پائی تو تھوک دیا۔ پھر اُونچی چٹان پر چڑھ گئی۔ اور بلند آواز سے چیخ کر کہنے لگی مَیں ساری عمر وحشی کی شکر گزار رہوں گی۔ یہاں تک کہ میری ہڈیاں قبر میں گل نہ جائیں "[1]

جب رسُولِ خدا نے یہ منظر دیکھا تو اس قدر غصّے کے جذبات آپؐ کے چہرے پر نمودار ہُوئے۔ کہ آپؐ نے فرمایا۔ تمہاری وجہ سے مجھے جو مصیبت پہنچی ہے۔ آئندہ کبھی نہیں پہنچے گی۔ مَیں کبھی ایسی جگہ نہیں ٹھہرا جو اس سے زیادہ مجھے غصّہ دلانے والی ہو"۔ پھر فرمایا جبریل علیہ السّلام میرے پاس آئے اور بتایا کہ ساتویں آسمان کے لوگوں میں حمزہؓ کے متعلق لکھا گیا ہے کہ حمزہؓ ابن عبدالمطلب "اسد اللہ" و اسد رسول۔

حضرت حمزہؓ اور حضرت عبداللہ بن جحش کو (ماموں۔ بھانجا) ایک ہی قبر میں دفن کر دیا گیا تھا۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن جحش کا بھی مُثلہ کیا گیا تھا۔ حضرت عباسؓ کے فرزند عبداللہؓ نے بیان فرمایا کہ رسُولِ خدا نے حضرت حمزہؓ کو ایک چادر میں

[1] :۔ سیرۃ النبی کامل ص۳۵ باب ۱۱۲۔

لپیٹنے کا حکم دیا۔ اور نماز جنازہ پڑھائی۔ جس میں سات تکبیریں کہیں۔ پھر دوسرے شہیدوں کو لایا گیا۔ اور یکے بعد دیگرے حضرت حمزہؓ کے بازو میں رکھتے گئے۔ اور آپؐ ان کی نماز جنازہ پڑھاتے گئے۔ ساتھ حضرت حمزہؓ کی بھی نماز جنازہ ہوتی رہی اس طرح حضرت حمزہؓ پر رسُولِ خُدا نے بہتر۷۲ مرتبہ نماز جنازہ پڑھی۔ شعراء نے اپنے اپنے درد کے مطابق ان کے مرثیے کہے۔ کعب کہتے ہیں۔ "حمزہؓ ایک ایسے سردار تھے۔ جو بنو ہاشم میں چوٹی کے آدمی تھے جن میں نبوت عطاء ہوئی بخشش اور سرداری کی صفت موجود تھی۔ اب حمزہؓ کو کھو کر مَیں بالکل شکستہ اور بوڑھا ہو گیا ہُوں۔ بوجہ تمہاری شہادت کے۔

پہلا جانباز ـــ حضرت عمرؓ بن خطاب

پیدائش ۵۸۱ء

بیعت بعمر ۲۶ سال

خلافت ۲۴ اگست ۶۳۴ء تا نومبر ۶۴۴ء

وفات ۶۴۴ء

لفظ جانباز کے تشریحی معنوں پر غور کریں تو شجاعت، بہادری، عزم و ہمت
میں کسی مثالی انسان کا خیال آتا ہے یعنی وہ شخص جس کی یکتا شجاعت نے فتنوں
کے دروازے بند کر دیئے ہوں اور جرات و دلیری کے راستے کھول دیئے ہوں۔
تاریخ اسلام میں ایسا مبارک وجود حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف
اور صرف حضرت عمرؓ بن خطاب کا ہی سامنے آتا ہے۔ کیونکہ تاریخ نے ثابت
کیا کہ اس مردِ آہن نے اپنی زندگی کا ہر دن فتنے کچلنے میں صرف کر دیا اور یہاں
تک کہ آخری لمحات یعنی دوران شہادت بھی انتخاب خلافت کا راستہ ہموار کر
کے ہی رفیق اعلیٰ کو جان سپرد کی۔ آئیے آج اسی نشست میں فخر موجودات سرور
کائنات محمد مصطفٰےؐ کے سچے صحیح معنوں میں جانشین کے شب و روز پڑھتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے شمائل

کسی عظیم شخصیت کے متعلق جاننے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ ان کی

زندگی کے ہر پہلو کو جانچ پرکھا جائے تاکہ ان کا ہر رُخ سامنے اُجاگر ہو جائے۔

چنانچہ

حضرت عمرؓ ابن خطاب ایک تاجر اور معزز گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔
آپ کی تاریخ پیدائش ۵۸۱ء بیان کی جاتی ہے۔ اور والدہ کا نام فتمہ بنت ہاشم
تھا جبکہ والد کا نام خطاب بن نفیل تھا۔ واقعہ فیل کے ۱۳ سال بعد یعنی ۵۶۸ء
میں اصحاب الفیل والا واقعہ پیش آیا تھا۔ گویا حضرت عمرؓ حضرت رسول کریم صلی
اللہ علیہ وسلم سے ۱۱ سال چھوٹے تھے مگر جوش و جذبہ کے لحاظ سے حد درجہ بڑھے
تھے۔ بعض اوقات زمانہ جوانی میں سخت گیر بہادری کی حدود سے بھی گزر جاتے تھے۔
ذہین و بردبار تھے معاملہ فہم کے علاوہ ذہانت، دلائل اور خطابت میں بھی ایک اعلیٰ
مقام رکھتے تھے۔ اسی لئے تو مکہ کے قریش ہمیشہ جنگ چھڑنے پر یا دلائل کی
ضرورت پر حضرت عمرؓ بن خطاب کو سفیر بنا کر بھیجا کرتے تھے۔
وہ دراز قامت اور وجیہہ بھی تھے۔ لیکن غصیلے تھے۔ طبیعت کی درشتی کی وجہ سے
ہی تو اپنی ایک ملازمہ کو اتنا مارتے کہ خود تھک جاتے۔ اور غصہ اس بات پر ہوتا
کہ اپنا عقیدہ چھوڑ کر اسلام کیوں قبول کیا ہے؟ اُن کے لئے یہ بات ناقابل
برداشت تھی کہ اُن کی پروردہ عورت ان کی اجازت کے بغیر کوئی قدم اٹھائے۔ نہ صرف
اُن کی بہن یا ان کی لونڈی قابلِ مواخذہ تھیں بلکہ مسلمان مرد و زن پر مارپیٹ اور طرح
طرح کی ایذارسانی اور مظالم ڈھانے پر وہ کمربستہ تھے کیونکہ وہ اپنے دین کے حد درجہ
طرفدار تھے۔

مگر

جب خدا تعالیٰ کسی کے دل کو بدلنا چاہتا ہے تو ہر راہ اس کی ہموار کر دیتا
ہے۔ یہی حال کچھ حضرت عمرؓ بن خطاب کا ہوا کہ ایک دن شدید گرمی میں دوپہر

کے وقت مکہ کی ایک سڑک پر جا رہے تھے کہ ایک شخص نے آواز دی اور پوچھا۔
اے خطاب کے فرزند کدھر جا رہے ہو؟ تم تو اس دین سے عداوت اور بیزاری کا اظہار کرتے ہو مگر کچھ خبر بھی ہے کہ یہ دین خود تمہارے گھر میں داخل ہو چکا ہے۔ ابنِ خطاب نے پوچھا "کیا بات ہے؟" جواب میں اُس نے بتایا کہ تمہاری بہن بے دین ہو چکی ہے۔ بس پھر کیا تھا ابنِ خطاب غصہ میں آپے سے باہر ہو گئے اور سیدھے اپنی ہمشیرہ کے گھر پہنچے۔ ان کی بہن فاطمہؓ بنت خطاب اور بہنوئی سعیدؓ بن زید اپنے گھر میں قرآن مجید کی تلاوت حضرت خبابؓ سے سُن رہے تھے۔ دروازہ کھٹکھٹایا اور جلدی سے گھر میں داخل ہو گئے۔ تلاوت سُن کر غصے کی انتہا تو ہو چکی تھی عمر کو داخل ہوتے دیکھ کر خبابؓ تو چھپ گئے اور فاطمہؓ نے قرآن مجید کے اوراق چھپا دیئے۔ حضرت عمرؓ نے للکارا کہ تم اپنے دین سے پھر گئے ہو اور یہ کہتے ہوئے اپنے بہنوئی سعیدؓ بن زید سے لپٹ گئے۔ فاطمہؓ آگے بڑھیں اور خاوند کو بچاتے ہوئے زخمی ہو گئیں اور دلیری سے بولیں: ہاں عمرؓ ہم مسلمان ہو چکے ہیں اور تم سے جو ہو سکتا ہے کر لو۔ اب ہم اسلام کو نہیں چھوڑ سکتے۔ بہن کا یہ دلیرانہ جواب سُنا تو آنکھ اُوپر اٹھا کر دیکھا تو وہ خون سے تربتر تھیں۔ یاد رہے کہ حضرت عمر سخت غصیلے مرد تھے۔ مگر اس سختی کے پردہ میں ایک نرمی اور محبت بھی پنہاں تھی۔ بہن کو خون کے رنگ میں دیکھ کر دل رحمت کے رنگ سے رنگین ہو گیا اور کہنے لگے کہ مجھے وہ کلام دکھاؤ جو تم پڑھ رہے تھے۔ بہن نے خوفزدہ ہو کر کہا تم اُس کو ضائع کر دو گے۔ عمرؓ نے جواب دیا کہ نہیں میں ضرور واپس کر دوں گا۔ فاطمہؓ نے ایک اور شرط عائد کر دی کہ آپ غسل کر کے آئیں کیونکہ قرآن مجید کو پاکیزگی کی حالت میں ہاتھ لگانے کی اجازت ہے۔

چنانچہ

حضرت عمرؓ غسل سے فارغ ہو کر آئے تو ٹھنڈا ہونے کی صورت میں غصہ بالکل فرو ہو چکا تھا۔ قرآن مجید کے اوراق لئے اور ہاتھ میں اُٹھا کر دیکھا تو یہ سورۃ تھی۔۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ.

یعنی ہر ایک چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کر رہی ہے۔ تحقیق اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔
اور جب عمر اس آیت پر پہنچے کہ "ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر" تو بے ساختہ پُکار اُٹھے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ."

دریں اثنا خبابؓ جو فاطمہؓ کے گھر تلاوت کر رہے تھے اور عمر کے غصہ کو بھانپ کر چھپ گئے تھے۔ فوراً باہر نکل آئے۔ اور خدا کا شکر ادا کیا۔
آگے بڑھ کر خبابؓ نے غایت درجہ مسرت سے کہا "اے ابن خطاب! تمہیں بشارت ہو۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوشنبہ کے دن تمہارے حق میں یہ دُعا کی تھی۔ کہ اے خدا اسلام کو ان دو شخصوں عمرو بن ہشام (ابوجہل) یا عمر بن خطاب میں سے کسی ایک کو اسلام سے مشرف کر کے اسلام کو سربلند و غالب کر دے۔ آمین۔
ہمیں امید ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا آپ کے لئے مقبول ہوئی اس لئے آپ کو بشارت ہو۔"[1]
حضرت عمرؓ نے بشارت سن کر بے ساختہ پوچھا۔ "مجھے بتاؤ محمدؐ کہاں تشریف فرما ہیں۔ اس وقت آپؐ صفا کے نیچے والے مکان میں تشریف رکھتے تھے حضرت عمرؓ

[1] ۱۹۸ محمد رسول اللہ

فرماتے ہیں "میں وہاں پہنچا۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ آواز آئی کون؟ میں نے کہا ابن خطاب۔ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف میری شدت سے واقف تھے مگر انہیں میرے اسلام لانے کا علم نہیں تھا۔ اس لئے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ دروازہ کھول دے۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دروازہ کھول دو۔ کیونکہ اگر خدا کو اس کی بھلائی منظور ہوئی تو وہ اسے ہدایت دے گا۔ اس پر لوگوں نے دروازہ کھول دیا۔ دو آدمیوں نے میرا بازو پکڑ لیا۔ (یاد رہے یہ وہ بازو تھا جس میں ننگی تلوار پکڑی ہوئی تھی)۔ آپؐ نے فرمایا۔ اسے چھوڑ دو۔ انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں آپؐ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا قمیض پکڑ کر مجھے اپنی طرف کھینچا اور فرمایا۔

"اے ابن خطاب! اسلام قبول کر لو۔ اے خدا اسے ہدایت دے۔"

تب میں نے۔

"اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ" [1]

یہ سنتے ہی مسلمانوں نے زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا جس کی آواز مکہ کے راستوں پر سُنی گئی۔

قارئین کرام! یہاں غور کرنے کی بات ہے ۳۳ یا ۳۲ سال کی عمر میں اعلانِ توحید کرنے والا انسان دلیری و جرأت کا ایسا مظاہرہ کرتا ہے کہ تبلیغ و تعلیم کا صفحہ پلٹ دیتا ہے۔ ایک وقت وہ تھا کہ ابنِ خطاب، عداوتِ اسلام میں صفِ اوّل میں کھڑے تھے اور ظلم کی انتہا کر رہے تھے۔ اور ایک دوسرے ہی وقت میں یعنی تقریباً ۶۰۷ء میں قرآن مجید کی مبارک آیات نے انہیں نور کے ہالہ میں لا کھڑا کیا تھا۔

[1] صفحہ ۱۹۹ محمد رسول اللہ

دراصل یہ وہی دُعا تھی جو ایک دردمند محبوب ہستی کے دل کی گہرائیوں سے نکل کر خدا تعالیٰ کے دربار میں معجزانہ طور پر قبول ہو گئی تھی۔

قارئین آپ کو یاد ہو گا کہ جب سیدالشہداء حضرت حمزہؓ ایمان لائے تھے تو مسلمان ان کی بہادری اور طاقت سے بہت خوش ہوئے تھے اور مزید برآں جب عین تین دن بعد خدا تعالیٰ نے ایک اور طاقتور، قدآور انسان کو اسلام کی جھولی میں ڈال دیا۔ تو ثابت ہوا کہ دُعا، دردمندی اور صبر و استقامت کے ساتھ ساتھ جرأت و طاقت کا مظاہرہ بھی ضروری ہے۔

چنانچہ

ایک مُبارک دن ایسا آیا کہ دارارقم میں چھپے ہوئے مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کی اس عظیم روحانی تبدیلی پر بے ساختہ فلک بوس نعرہ تکبیر بلند کیا۔ اور بہت تقویت حاصل کی۔ چنانچہ دارارقم میں حضرت عمرؓ آخری آدمی تھے جنہوں نے کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمانوں کی تعداد چالیس کر دی تھی یعنی آپ چالیسویں آدمی تھے۔ مگر حق و باطل میں فیصلہ کرنے والے پہلے اُمتی تھے۔ جنہوں نے بَرملا مسلمانوں کو باہر نکلنے کی ہمت دلائی۔ یہی وہ شخص تھے جو سرورِ کائنات کی دُعا سے نورِ واحدنیت سے منور ہو کر فخر الانبیاء کے زورِ بازو بن گئے تھے۔ آج آپؐ نے الفاروق کے لقب سے نوازا۔ یعنی حق و باطل میں فرق کرنے والے کا لقب دیا تھا۔ یہ ایک انتہائی خوشی کا ہفتہ تھا کہ دو مشہور بہادر جری اور دلیر وجود دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ ایک حضرت حمزہؓ جو آپؐ کے چچا بھی تھے اور رضاعی بھائی بھی تھے۔ دوسرے حضرت عمرؓ۔ جنہوں نے شمولیت کے معاً بعد عرض کیا۔

"یا رسولؐ اللہ کیا موت و زیست ہر حالت میں ہم حق پر نہیں ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بلاشبہ ہم حق پر ہیں۔ خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری

جان ہے تم یقیناً مرنے جینے کی ہر حالت میں حق پر ہو۔۔ پھر اس برجستہ جملے پر حضرت
عمر فاروق رضؓ نے عرض کیا۔ پھر ہمیں چھپنے کی کیا ضرورت ہے ؟
خدا کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے آپ باہر نکلئے ! تو یہ
لمحہ تھا کہ ایمان کی تپش الفاروق اعظم کے دل و دماغ پر آتش فشاں بن کر ظاہر ہوئی۔
اور اُن سے برداشت نہ ہوسکا کہ چھپ کر خاموشی اور در پردہ کلمہ حق کی تبلیغ و تصدیق
کی جاوے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "چھپنے
کی کیا ضرورت ہے" کا جملہ سن کر ہم سب کو مکان سے باہر کر کے دو صفوں میں تقسیم
کیا۔ ایک صف میں حضرت حمزہؓ تھے اور دوسری میں میں چلا۔ حتیٰ کہ مسجد حرام میں داخل
ہوئے اور نماز ادا کی۔ قریش نے جب مجھے اور حضرت حمزہؓ کو دیکھا تو انہیں شدید صدمہ
ہوا کہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ یہی وقت تھا جب مجھے آنحضرتؐ نے الفاروق کا لقب
عطا فرمایا تھا۔"[1]

عظیم الشان اوصاف

جہاں ہم آپ کو جانباز کہنے میں حق بجانب ہیں۔ وہاں کچھ ایسے عظیم الشان
اوصاف کا بیان کر دینا بھی حسن تحریر کا تقاضہ ہے۔ آپ کا مشہور عدل و تقویٰ دنیا
کی تاریخ میں بطور اعلیٰ ترین امثال کے پیش کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت
عمرؓ نے اپنی زندگی کا ایک بہت بڑا دور نبوت کے قدموں میں بسر کیا تھا۔ یہ وہی
عکس تھا جو سرور کائنات کے مقدس اسوہ سے منعکس ہوا تھا آپ کو مصائب و
ابتلاؤں نے سونے سے کندن بنا دیا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد
خدا تعالیٰ نے اسلامی جبۂ خلافت عمر فاروقؓ کے سپرد کر دیا۔ یہ مقدس جبۂ خلافت

[1] محمد رسول اللہ صفحہ ۱۹۹ ، ۱۷۴

آپ نے ۱۰ سال ۵ ماہ اکیس دن تک یعنی تا دم آخر پہنے رکھا۔ اور بلا امتیاز
صبح و شام، رات و دن اور غریب و امیر کی خدمت اسلام میں صرف کر کے صحیح
معنوں میں خاتم النبیینؐ کی خلافت کا حق ادا کر دیا۔

نماز تراویح باجماعت

ذاتی اوصاف سے ہٹ کر ہم ان کی اسلامی خدمات پر غور کرتے ہیں تو ہمیں یہ
جان کر انتہائی مسرت ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے لوگوں کو
باجماعت نماز تراویح کا پابند کیا اور انہیں حضرت ابی بن کعبؓ بن قیس کی امامت کے
تحت جمع کیا۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ماہ رمضان میں چند مسجدوں پر اُن کا گزر
ہوا جو قندیلوں سے روشن تھیں۔ انہیں دیکھ کر حضرت علیؓ نے فرمایا۔
"حق تعالیٰ حضرت عمرؓ کی قبر کو نور سے بھر دے جس طرح انہوں
نے ہماری مساجد کو منور فرما دیا ہے۔" (محمد رسول اللہ ص ۲۰۱)

آپؓ کی ہجرت

جہاں تک ہجرت کا تعلق ہے۔ تو ہم جانتے ہیں کہ مصائب کی گھڑیاں اور آزمائش
کا دور شعب ابی طالب سے لے کر ہجرت کے زمانہ تک اپنے عروج پر تھا تمام صحابہؓ
نے اپنے آقا و مولا کے حکم پر صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا۔ اطاعت و فرمانبرداری میں
صبر سے کام لے کر فطری شجاعت پر غلبہ حاصل کیا۔ دراصل حقیقی شجاعت کی جڑ صبر
اور ثابت قدمی میں ہوا کرتی ہے۔ سختیوں کے وقت خدا تعالیٰ کی رضامندی مقدم ہوتی
ہے۔ لیکن جب خداوند عالم کا حکم نازل ہو جائے تو روحانی آبادی قائم کرنے کے
لئے اپنا گھر بار بستی و گاؤں تمام چھوڑ کر ہجرت کو مقدم جان لیتے ہیں۔ چنانچہ جب

ہجرت مقدر ہوئی تو حضرت عمرؓ ایک بے مثال مہاجر تھے۔ مثلاً حضرت علیؓ ان کے متعلق کہتے ہیں کہ :۔

"میں کسی ایسے شخص سے واقف نہیں جس نے اعلانیہ ہجرت کی ہو بجز حضرت عمرؓ بن خطاب کے۔ انہوں نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو گلے میں تلوار حمائل کی بشانہ پر کمان لٹکائی۔ ہاتھ میں چند تیر لئے۔ اور کعبہ میں حاضری دی جہاں سردارانِ قریش بیٹھے تھے۔ آپؓ نے سات طواف کئے۔ مقام ابراہیم کے پاس دو رکعتیں ادا کیں۔ پھر قریش کے ایک حلقہ میں پہنچے اور پکار پکار کر کہا تمہارے چہرے مسخ ہو جائیں۔ آج جس کی خواہش ہو کہ اُس کی ماں اس پر نوحہ کرے جو اپنے بچوں کو یتیم اور بیوی کو بیوہ بنانا چاہتا ہو وہ اس وادی کے پیچھے مجھ سے آکر ملے لیکن کسی کی جرأت نہ ہوئی کہ آپ کا پیچھا کرتا۔"

(محمد رسول اللہ صـ ٢٠٠)

سادگی لباس

لباس میں حد درجہ کی سادگی تھی بلکہ پیوند شدہ لباس پہنتے تھے۔ اگرچہ وہ اپنے سفارت و امارت کے دور میں خوش پوشاک خوبرو جوان تھے۔ مگر خلافت کے بعد سب سے پہلے تو انہوں نے اپنے نفس پر حد درجہ سختی کی۔ بلکہ روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی مبادا کہ ان کے فرائض میں کوئی حارج ہو۔ بیشک لباس تقویٰ ان کی شان تھی۔ کیونکہ موٹے پیوند لگے کپڑے خادم کی پہچان ہوا کرتے ہیں اور حضرت عمرؓ تو قوم و اُمّت کے حقیقی خادم تھے جنہوں نے یہ ثابت کرنا تھا کہ اکرمکم عند اللہ اتقٰکم اور یہی عہد انہوں نے سب عاملوں سے لیا تھا کہ باریک کپڑا نہیں

پہنیں گے چھنا ہوا آٹا نہیں کھائیں گے۔ حاجت مندوں کے لئے دروازہ کھلا رکھیں گے۔ دروازہ پر کوئی دربان نہیں ہوگا اور عربی گھوڑے پر سوار نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ اپنے وجود کے لئے انہوں نے قحط کی وجہ سے روغن زیتون اور گوشت بھی ترک کر دیا۔[1]

عورتوں کے حقوق

نسوانی حقوق کی دولت تو نبی پاک محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی عورتوں کی جھولی میں ڈال دی تھی۔ لیکن جہاں تک حقوق کی حفاظت کا ذمہ تھا تو وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں عورتوں خصوصاً بیواؤں کے لئے ایک یکتا احساسِ ذمہ داری تھا جس سے حضرت عمرؓ مالا مال تھے۔ وہ جانتے تھے کہ رسولؐ خدا کے آخری لمحات کی وصیت بھی عورتوں کے حقوق پر مبنی تھی۔ اس لئے انہوں نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا کہ مبادا کہ صنفِ نازک کا دل چھوٹا ہو۔ لڑائیوں میں عورتیں نہ صرف لشکر کے ساتھ رہتی تھیں بلکہ زخمیوں کو مرہم پٹی بھی کرتی تھیں۔ وعظ کے جلسوں میں شمولیت، لڑائیوں میں شمولیت اور تعلیمِ قرآن میں شمولیت ثابت ہے۔ جب آپ نے مہر کے کم کرنے پر خطبہ دیا تو ایک عورت نے اُٹھ کر کہا کہ خطاب کے بیٹے تم کس طرح مہروں کو کم کرو گے جبکہ یہ تو اللہ تعالیٰ نے حق دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک عورت کو سونے کا ڈھیر دینا بھی جائز ہے۔ تو اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ مدینہ کی عورتیں عمر سے زیادہ سمجھدار ہیں۔"[2]

اسی طرح غلاموں کی آزادی ایک سنہری باب ہے جو تاریخ کے لئے فخر کا موجب ہو سکتا ہے۔ غلامی کے رواج کو کم کیا بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ اہل عرب غلام نہیں بنائیں جائیں گے۔ غیر اقوام کے قیدیوں کو بھی آپ بہت حد تک آزاد کر دیتے تھے

[1] تاریخ خلافت راشدہ صـ ٩٥ ۔ [2] تاریخ خلافت راشدہ صـ ٩١

مساوات

جہاں تک مساوات کا تعلق ہے تو یاد رہے کہ حضرت عمرؓ بیک وقت
چار ممالک کے بادشاہ تھے مگر بادشاہ ہو کر بھی دوسروں پر اپنے نفس کو کسی قسم کی
ترجیح نہیں دی۔

۱۔ جب وظائف مقرر ہوئے تو وہی وظیفہ خود لیا جو اہلِ بدر کو ملا کرتا تھا یعنی
۵۰۰۰ درہم سالانہ

۲۔ اسی طرح آپ کے بیٹے عبداللہ کو کم وظیفہ دیا گیا تھا تو جب اُس نے شکایت
کی کہ مجھے اسامۂ بن زیدؓ کی نسبت کم وظیفہ دیا گیا ہے تو آپ نے کہا کہ زیدؓ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے باپ کی نسبت زیادہ پیارا تھا۔

۳۔ آپ کے اپنے بیٹے ابو شحمہ نے شراب پی تو اسی ۸۰ کوڑے لگوائے۔

۴۔ حضرت عمرؓ بن العاص نے مصر میں منبر بنایا تو فرمایا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ دوسرے
مسلمان نیچے بیٹھیں اور تم اُوپر بیٹھو۔ الغرض تمام قسم کے خاندانی فخروں کو آپ نے
مِٹا دیا۔

رفاہ عامہ اور حقوق العباد

آج اس مہذب ادوار میں انگریز فخر کرتے ہیں کہ انہوں نے امن عامہ اور
انسانی ہمدردی کا نیا باب کھولا ہے جبکہ حضرت عمرؓ پہلے شخص تھے جنہوں نے
اولڈ ایج پنشن OLD AGE PENSION کا اصول قائم کیا (۲) مہمان خانے بنائے
تھے۔ (۳) بیت المال سے لاوارث بچوں کی نگہداشت، ضعیفوں، اپاہجوں کے وظائف
بیوہ اور غریب خاندان کی نگرانی حد درجہ قربانی دے کر بھی کرتے تھے۔ اتنی مستعدی

سے شب و روز مخلوق کی فکر میں مشغول رہتے کہ خود کو بھی بھلا دیتے تھے۔ ایک رات
ایک عورت کو دیکھا کہ چولہے پر کچھ چڑھایا ہوا ہے اور بچے رو رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ
کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ ہانڈی میں صرف پتھر ہیں دوڑے گئے اور خود اپنی پیٹھ پر آٹا
وغیرہ اٹھا کر لائے۔

آپ کا انتظام ایسا اعلیٰ درجہ کا تھا کہ مفتوح قوموں کے ساتھ بھی کوئی قدغن
اور کینہ نہ تھا بلکہ ان مفتوح علاقوں میں پہلے سے زیادہ خوشحالی آجاتی تھی۔
مردم شماری کرائی۔ صوبوں کو تقسیم کیا تاکہ نظم ونسق میں آسانی ہو۔
زمینوں کی پیمائش کرائی، دفاتر قائم کئے۔ پولیس کا انتظام کیا۔
جیل خانے بنوائے، فوجی چھاؤنیاں قائم کیں، نہریں کھدوائیں، بیت المال کا
مثالی نظام مضبوط کیا۔ ہجری سن بھی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں قائم ہوا۔ وغیرہ وغیرہ۔

عظیم الشان تقدس

حضرت عمرؓ کو ایک یہ بھی امتیاز حاصل ہے کہ بہت سے اسلامی احکامات
کی بابت وحی الٰہی ان کے قبل از وحی مقولہ کی موافقیت میں نازل ہوئیں۔

۱۔ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے کی آیت۔
۲۔ شراب کی حرمت کی آیت
۳۔ قبلہ بدلنے کی آیت
۴۔ عورتوں کے حقوق کی آیت
۵۔ مرنے والے منافقوں کی قبر پر حاضری کی آیت [1]

[1] محمد رسول اللہ صـ ۲۰۰

فتوحاتِ عظیمہ

موضوع کے اعتبار سے ہم حضرت عمرؓ کو شجاع اور جانباز کے روپ میں جب ملتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ خلافت کے دور میں اسلام کی شاندار فتوحات کا سہرا بھی اسی مردِ آہن کے سر باندھا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ مقامِ حیرت ہے کہ ۱۰ سال کے عرصہ میں چار ممالک کا فاتح بن کر اسلام کی اشاعت و تبلیغ کا جھنڈا بلند کرنا ایک عظیم کارنامہ تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ ان کا عظیم سلطنتوں کے ساتھ مقابلہ کرنا زمین، طاقت یا شہرت کی غرض ہرگز ہرگز نہیں تھی بلکہ اسلام پھیلانا ہی مطمع نظر تھا یہی وجہ تھی کہ اسلام یعنی کلمۂ توحید کی پیشکش کے بعد کوئی قدم اٹھایا جاتا تھا کیونکہ جنگ و جدل اور پیشقدمی مسلمانوں کی غرض ہرگز نہیں تھی مگر۔

یاد رہے کہ

حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ہی دشمن اسلام کی سلطنت روئے زمین سے ختم کرنے کے ارادہ سے کہیں نہ کہیں تلوار اٹھاتے تھے اور جنگ و جدل میں مسلمانوں کو گھسیٹتے تھے جبکہ عراق و عرب کی فتوحات کے بعد حضرت عمرؓ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "ہمارے اور فارس کے درمیان پہاڑ حائل ہوتا تو اچھا ہوتا"[1] کیونکہ وہ ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ حدودِ عرب سے آگے قدم بڑھائیں۔ اسی لئے جب حضرت زیادؓ نے حضرت عمرؓ سے اجازت چاہی کہ ایرانی افواج کا تعاقب کیا جاوے تو انہوں نے واضح لفظوں میں فرمایا کہ میں قوم کی حفاظت کو ہزاروں غنیمتوں اور مزید فتوحات پر مقدم رکھتا ہوں۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ حفاظتِ قوم ان کی وجۂ جہاد تھی۔ دوسرے ایک

[1] خلافتِ راشدہ ص۲۴۴

عالمگیر تبلیغ ان کا مقصدِ حیات تھا۔ پس اسلام کو ضرر سے بچانا ایک ایسی ضرورت بن کر سامنے آیا تھا کہ کئی معرکے پیش آئے اور کئی مقابلے ہوئے بلکہ بعض اوقات بیک وقت دو دو سلطنتوں سے جنگ رہی اور صورتِ حال خدا کے فضل سے یہ رہی کہ مسلمان کہیں بھی اور کبھی بھی تیس چالیس ہزار سے زیادہ لشکر میں صف آراء نہیں ہوئے جبکہ بالمقابل ڈیڑھ دو اڑھائی لاکھ تک فوج ہوتی تھی۔

اصل میں یہ تھا نشۂ محبتِ الٰہی جو رسولِ خدا محمد مصطفٰے خاتم النبیین کی امت کے دلوں میں خدا کی ہستی پر یقین کی بنا پر میخ کی طرح گاڑا ہوا تھا۔ اس لئے وہ جہاد میں ہمیشہ جان ہتھیلی پر رکھ کر شامل ہوتے تھے۔ قارئین کرام فتوحات و شجاعت کی مثالیں پیش کرنا طوالت کا موجب ہے لہٰذا ایک دو غیر معمولی فتوحات کا ذکر کرنے سے ہی واضح ہو جائے گا کہ سچ مچ اصل میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ اور صحابہ کرام میدان کے شیر تھے اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ خدا تعالیٰ سے راضی ہوئے۔ (اَلْحَمْدُ لِلّٰہ)۔

ہاں اگرچہ

ایران، بیت المقدس، شام، قادسیہ، دمشق اور جنگ یرموک وغیرہ کی فتوحات غیر معمولی تھیں۔ مگر یہاں ایک پیشگوئی کا ذکر ضروری ہے تاکہ صادق القول محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اجاگر ہو۔ لہٰذا مدائن کی پیشقدمی کا واقعہ ضرور تحریر کروں گی۔ یاد رہے کہ قادسیہ کی لڑائی فیصلہ کن تھی۔ اس نے ایرانیوں کی قوت بالکل توڑ دی تھی۔ شکست خوردہ فوج نے بھاگ کر بابل میں پناہ لی تھی۔ مگر حضرت سعدؓ بن وقاص نے بابل کا رخ کیا۔ اور بابل میں سے دشمن کو نکال کر علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ اگرچہ مدائن سے کچھ فاصلہ پر کسریٰ کی ماں خود مقابلہ کے لئے فوج لے کر آئی مگر شکست کھا کر واپس ہوئی۔ جب کسریٰ کے محل نظر آئے تو سعدؓ پکار اٹھے "اللہ اکبر" آج رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی پوری ہوئی۔ یہ اُسی پیشگوئی کی طرف اشارہ تھا جو غزوہ احزاب میں خندق کھودتے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

"کہ مجھے کسریٰ کے محل دکھائے گئے ہیں اور جبریل نے مجھے خبر دی ہے کہ میری اُمت ان پر غالب ہوگی۔"

چنانچہ حضرت سعدؓ بن وقاص ۱۶ھ مدائن میں داخل ہوئے اور اپنی آنکھوں سے خداوند عالم کا ارشاد پورا ہوتا دیکھ لیا۔ کیونکہ ایرانی خائف ہو کر بھاگے اور کہتے جاتے تھے کہ جن آگئے۔ جن آگئے۔

نشۂ محبت الٰہی

یہاں ایک تشنگی رہ جائے گی اگر یہ فصاحت سے واضح نہ کر دیا جائے کہ مسلمان کس جذبہ کے ماتحت تمام آس پاس کی سلطنتوں سے نبرد آزما ہو کر کامیاب ہوئے تھے تو واضح ہو کہ اول فتوحات صدیقیؓ اور پھر فتوحات فاروقیؓ دونوں کی اصل وجہ یہی تھی کہ مسلمانوں کا اللہ تعالیٰ کی ہستی پر زندہ ایمان اور اپنے مولیٰ سے سچا تعلق تھا۔ انہوں نے قیصر و کسریٰ کو نہیں چھیڑا مگر جب قیصر و کسریٰ نے عرب کو تباہ کرنا چاہا تو دلوں کے اندر یقین کامل کے ساتھ انہوں نے دونوں سلطنتوں کو تباہ کر دیا۔ یہ فتح خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایک زندہ دلیل بن کر سامنے آئی تھی کیونکہ وہ الٰہی قوت سے سمندر و دریا کو چیرتے چلے گئے تھے اور کامل یقین اُن کی دولت تھی اور دوسرے یہ جمہوریت کی فتح بھی تھی۔ اگرچہ جمہوریت کا بیج اسلام کی تعلیم میں ہی موجود تھا۔ مگر حضرت عمرؓ کے زمانے میں اسے مکمل نشو و نما حاصل ہوگئی اور اہم امور پر شوریٰ منعقد ہوا کرتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے مشورہ کے اصول کو یہاں تک وسیع کیا کہ مدینہ کے علاوہ بیرون جات کے لوگوں کو بھی مشورہ کے لئے بلایا جاتا تھا۔ بلکہ غیر مسلموں سے بھی

مشورہ لیتے تھے۔ عراق کے بندوبست میں وہاں کے رؤسا کو بلا کر مشورہ لیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے صحابہ کو شکایات کی تحقیقات کے بعد الگ کر دیا گیا تھا۔ مثلاً سعدؓ بن ابی وقاص فاتح ایران کو کوفہ کی گورنری سے صرف لوگوں کی شکایات کی بنا پر الگ کر دیا تھا اور مختصر یہ کہ جمہوریت کو جس کمال تک حضرت عمرؓ نے پہنچایا آج تک وہ کمال دُنیا کو نصیب نہیں ہوا۔

رعایا کی ادنیٰ سے ادنیٰ تکالیف کی خبر رکھنے والے حضرت عمرؓ شکایات سننے کے لئے ہمیشہ دروازہ کھلا رکھتے تھے۔ جس کا نتیجہ اتحاد تھا۔ اور یہ ایک بے نظیر اتحاد ہی تھا جس نے ایک دوسرے کے جانی دشمنوں کو ایک دوسرے کے لئے جان فدا کرنے والے بنا دیا تھا۔ اگر ایک کی جان خطرے میں ہوتی تو دوسرا اُس کو بچانے کے لئے اپنی جان پیش کر دیتا اور خود اپنے سر کو دوسرے کی جگہ آگے کر دیتا تھا۔ سپاہی افسروں پر اور افسر سپاہیوں پر اپنے آپ کو فدا کرتے تھے۔

آزادی رائے

آپ کو یاد ہوگا کہ حضرت عمرؓ اپنے خطبوں اور وعظوں میں اس بات پر خصوصیت سے زور دیتے تھے کہ آزادی رائے ہر انسان کا پیدائشی حق ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ خلیفہ یا بادشاہ کی حیثیت ایک معمولی مسلمان کے برابر قرار دی گئی تھی۔ نہ صرف یہ بلکہ خلیفہ کو اسی قدر وظیفہ ملتا تھا جس قدر دوسرے مسلمانوں کو ملتا تھا۔ خلیفہ اگر مدعا علیہ ہو تو اسی طرح عدالت میں حاضر ہوتا تھا جس طرح عام آدمی۔ ابی بن کعبؓ کے ساتھ حضرت عمرؓ کا کچھ جھگڑا ہوا تو زیدؓ بن ثابت کی عدالت میں مدعا علیہ کے طور پر حاضر ہوئے۔ حضرت زیدؓ نے کچھ آپ کی عزت کرنی چاہی تو آپ ناراض ہوئے کہ یہ طرف داری ہے۔

اخلاق کی فتح اور مادی حقیقت

یہ ٹھیک ہے کہ مالِ غنیمت مسلمانوں کا حق تھا۔ لہٰذا فتوحات کے نتیجہ میں کثرت سے مال آیا اور انہوں نے کما حقہٗ فائدہ بھی اٹھایا۔ مگر جہاں تک مال کی کثرت سے تکبر اور بڑائی کا تعلق ہے تو مال کی کثرت نے انہیں حسد و رشک سے دُور ہی رکھا۔ وہ مال کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اخلاقِ فاضلہ ان کی میراث تھے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ان سامانوں اور زر و جواہر نے انہیں اپنی کشش سے پستی کی راہ پر چلایا ہو۔ وہ ہمیشہ اِس کو خدا کی نعمت سمجھ کر اس کی قدر کرتے تھے۔ موٹا پیوند لگا ہوا لباس ہی زیبِ تن رہتا جو غربت و افلاس کے زمانے میں ہوتا تھا۔ وہ اپنی تلواروں کو پھٹے پرانے کپڑوں میں لپیٹ کر قیصر و کسریٰ کے دربار میں بلا جھجک چلے جاتے تھے بلکہ آپ کی یہ سادگی اور لاپرواہی ان پر ہیبت چھوڑ دیتی تھی۔ ایک دفعہ قاصدؔ ایران کی فتح کی خبر لا رہا تھا کہ آپ سواری کے ساتھ ساتھ پیدل دوڑتے چلے آتے تھے اور اس سے باتیں کرتے آ رہے تھے اور اُسے خبر نہ تھی کہ یہ بادشاہ وقت ہے۔ اسی طرح مسجد کے فرش پر لیٹا ہوا شخص فتح بیت المقدس کے عہد نامہ پر دستخط کرتے ہوئے فریق ثانی کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتا تھا۔ الغرض فاتح اور مفتوح کے فرق کو مساواتِ محمدیؐ سے مزین کر کے حضرت عمرؓ نے انسانیت پر جو عظیم ترین احسانات کئے ہیں وہ تا قیامت زندہ و پائندہ رہیں گے۔

حضرت عمرؓ الفاروق اعظم کا آخری کارنامہ بیان کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا لہٰذا چند جملوں میں تحریر کرتی ہوں۔ قارئین! آپ کو یاد ہوگا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی وفات سے چند دن قبل بیماری کے دوران جید صحابہ کرام سے مشورہ کر کے حضرت عمرؓ کو خلیفہ مقرر فرما دیا تھا۔ اور زمانہ خلافت میں بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ بہت سے کام

حضرت عمرؓ سے لیتے تھے۔ اور حضرت عمرؓ بہت سے کاموں میں مشورہ دیا کرتے تھے۔ لہٰذا خلافت کی ذمہ داری کے لئے بھی قوم کے مشورہ سے حضرت عمرؓ کو خلیفہ نامزد کر دیا گیا تھا۔

مگر

حضرت عمرؓ کو جب کسی ناعاقبت اندیش ایک ایرانی غلام نے زخمی کیا تو آپ نماز کی حالت میں تھے۔ انتہائی زخمی حالت میں بھی نماز سے فارغ ہو کر آپ نے اپنے جانشین کے لئے "چھ سب سے برگزیدہ صحابہؓ کو انتخاب کے لئے چنا۔ ۱۔ حضرت عثمانؓ ۲۔ حضرت علیؓ ۳۔ حضرت زبیرؓ ۴۔ حضرت طلحہؓ ۵۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص ۶۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور فرمایا کہ ان چھ صحابہ میں سے جس کے متعلق ان چھ کی کثرت رائے ہو اسی کو خلیفہ بنایا جائے[۱] تو یہ ایک ایسا دانشمندانہ فیصلہ تھا کہ غلطی کا احتمال کہیں نہ رہا۔

شہادت حضرت عمرؓ

خدا تعالیٰ نے جہاں رسول خدا محمد مصطفیٰؐ کی دُعا کے نتیجہ میں ایک طاقتور و شجاع اور صاحب فراست وجود حضرت عمرؓ کی شخصیت میں آپؐ کو عطا کیا تھا۔ وہاں دن دگنی اور رات چوگنی، بہادری، دلیری، علم و ادراک اور فہم و فراست خداوند عالم نے حضرت عمرؓ کو عطا کر دیا تھا۔ اظہارِ شجاعت میدان جنگ کے علاوہ امن و آشتی کے زمانہ میں بھی نمایاں طور پر ہوتا رہا۔ بلکہ زمانۂ خلافت میں غیر معمولی قوت قلبی اور کامل یقین عروج پر تھا۔ لیکن انسان فانی ہے اُسے خدا تعالیٰ کی طرف لوٹ

[۱] تاریخ خلافت راشدہ ص۵۷

کر جاتا ہے۔ مگر جو شخص شجاعت میں یکتا تھا وہ شہادت میں بھی درجہ یکتائی کا پاگیا۔ اور ایک دن ایسا آیا کہ ۲۳ سنہ ہجری کو نماز صبح ادا کرنے کے لئے حضرت عمرؓ مسجد میں داخل ہوئے۔ امامت کے فرائض آپ ادا کر رہے تھے کہ ابو لولو فیروز نامی ایک بدنصیب شخص نے حالت نماز میں ہی جبکہ ابھی نیت ہی باندھی تھی خنجر پیٹ میں گھونپ دیا۔ آپؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو اپنی جگہ کھڑا کیا۔ حضرت عمرؓ نے نماز سے فارغ ہو کر جب یہ معلوم کیا کہ آپ کا قاتل غیر مسلم ہے تو کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہ ایک مسلمان کے ہاتھ سے میں قتل نہیں ہوا۔ چونکہ انتڑیاں کٹ چکی تھیں اس لئے جانبری کی امید نہ رہی۔ سب سے پہلے آپ نے حضرت عائشہؓ سے اجازت طلب کی کہ آپ کے حجرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں آپ کو دفن کیا جائے۔ پھر لبعدہٗ قرض کا حساب مکمل کر کے فرمایا کہ میرے متروکہ سے یہ رقم ادا کی جائے۔ تین دن بیمار رہے ۲۶ ذوالحجہ ۲۳ سنہ ہجری کو زخمی ہوئے تھے اور یکم محرم ۲۴ سنہ ہجری کو اپنے دونوں محبوب ساتھیوں کے پہلو میں سو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ راجعون۔

پہلی مسلمان شہید عورت — حضرت سمیہؓ

۶ سنہ نبوی

حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فدائیان کی فہرست میں جہاں صحابہؓ کرام کے ایثار کا ذکر آتا ہے۔ وہاں خوشی کی بات ہے کہ صحابیاتؓ بھی کسی قربانی سے پیچھے نہیں رہیں۔ جب کہ قریش کا طیش وغضب ہر طرف سے سمٹ کر ان غریبوں پر ٹوٹا جن کا کوئی یارو مددگار نہ تھا۔ مرد تو صبر کے مجسمے برداشت کرتے رہے لیکن عورت بوجہ ناتوان ولطیف اعضاء کے ظلم کی چکی میں پس گئی۔ لیکن ہمیشہ کے لئے زندہ ہوگئی۔ اگرچہ صحابہ کرامؓ ایسی ایسی اذیتوں میں گزرے کہ آج بھی پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ دراصل جتنا بڑا عظیم مشن ہوتا ہے اتنا ہی کٹھن پرہمت عزم وایثار کا نمونہ دیکھنا پڑتا ہے۔ صحابہ کرام اسلام کیلئے جانیں پیش کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ اور قریش اُن پر جور وستم کرنے میں ایک دوسرے سے بازی لگاتے تھے۔ یوں تعذیب مسلمین کے باب پر غور کریں تو آزاد مسلمانوں پر بھی کچھ کم ظلم نہیں ہوئے۔ ان کے بزرگ اور خاندان کے بڑے باپ دادا مختلف قسم کی تکلیفیں دے کر توحید کے راستہ سے جدا کرنا چاہتے تھے۔ حضرت عثمانؓ بن عفان صاحبِ جاہ وعزت تھے اس وقت ان کی عمر چالیس برس کی تھی۔ جب ان کو ان کے اپنے چچا کے حکم سے رسی سے باندھ کر مارا جاتا تھا[1] حضرت ابوذرؓ غفاری۔ حضرت زبیرؓ بن عوام نے جو مصائب برداشت کئے وہ بھی

[1]۔ طبقات عثمانؓ بن عفان؛

غلاموں کی تعذیب سے کسی حالت میں کم نہ تھے۔ غلام مردوں کے علاوہ بچاری مسلمان کنیزیں بھی تختہ مشق بنی رہیں۔ حضرت لُبینیٰ رضی اللہ عنہا۔ حضرت زنیرہ رضہ۔ حضرت نہدیہ رضہ اور ام عبیس رضہ تمام کی تمام صحابیات نے صبر آزما مصیبتیں سہیں۔ لیکن حضرت سمیہ کا نام سرفہرست آگیا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے انہیں یہ اعزاز دیا کردہ شہید ہو کر ہمیشہ کے لئے زندہ ہو گئیں۔ اور مسلمان عورتوں کا سر فخر سے بلند کر گئیں۔ یہ پہلی عظیم مجاہدہ خباط کی بیٹی اور مکّہ کے ایک شخص ابو حذیفہ کی کنیز تھیں۔ جب یاسر یمن سے مکّہ آئے تو ابو حذیفہ مخزومی نے اپنی کنیز سمیّہ کی شادی ان سے کر دی۔ عمار رضہ انہی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ حضرت سمیّہ اور ان کے شوہر یاسر رضہ اور بیٹے عمار رضہ نے جب دعوتِ اسلام قبول کی تو اس وقت مطابق شبلی نعمانی تین آدمی ایمان لا چکے تھے۔ لیکن ابن اثیر نے لکھا ہے کہ عمار رضہ اس وقت ایمان لائے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارقم کے مکان میں چلے گئے تھے۔ اور تیس سے زیادہ اشخاص ایمان لا چکے تھے۔ بہر طور عمار رضہ اور ان کے والد والدہ حضرت سمیّہ رضہ کا شمار ابتدائی ایمان لانے والوں میں ضرور ہوتا ہے۔ پس ان ابتدائی ماننے والوں پر مصائب کی آندھیاں بھی بے شمار چلیں۔ انتہائی ظلم بھی ان پر سہے گئے لیکن وہ ظاہر میں انسان اور باطن میں فرشتے تھے۔ ان کے دلوں میں خدا تعالیٰ کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ جب دوستوں نے انہیں چھوڑ دیا۔ رشتہ داروں نے مُنہ موڑ لیا۔ تو خدا تعالیٰ ان کے دلوں میں کہتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اور یہ سب ظلم ان کے لئے راحت ہو جاتے تھے۔ گالیاں دعائیں بن کر لگتی تھیں۔ پتھر مرہم کے قائمقام ہو جاتے تھے۔ جہاں ظلم اپنی انتہا کو پہنچ گیا وہاں اخلاص اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ صحابہ کرام رضہ آنحضرت کے پاس حاضر ہو کر مصائب کی روئیداد سناتے جس سے آپ کا چہرہ تکلیف سے سُرخ ہو جاتا۔ لیکن ہمیشہ آپ صبر کی تلقین فرماتے۔ اور فرماتے کہ ہمیشہ سے یہی سنّت چلی آئی ہے کہ رسُولوں اور

ان کے متبعین کو دُکھ دیئے جاتے ہیں۔ لیکن انجام کار ان کی فتح ہوتی ہے۔ ایک دفعہ صحابہ کرام رضہ نے آپ سے بد دُعا کی درخواست بھی کی لیکن آپ نے فرمایا۔ "دیکھو تم سے پہلے وہ لوگ گزرے ہیں جن کے سروں پر آرے چلائے گئے اور چیر ڈالے گئے مگر وہ اپنے کام میں لگے رہے۔ دیکھو خُدا اس کام کو خود پُورا کرے گا۔ حتّٰی کہ ایک شتر سوار صنعا سے لے کر حضرموت تک سفر کرے گا۔ اور اُس کو سوائے خُدا کے کسی کا ڈر نہ ہوگا"۔ پس مخالفتیں بڑھتی رہیں اور ایمان بھی ترقی کرتا رہا۔ حضرت سمیّہ رضہ نے بنو مخزوم کی لگاتار اذیتیں برداشت کیں اور ثابت قدمی۔ صبر و استقامت سے اپنی شہادت کو گلے لگالیا۔ اور اس طرح وہ ایثار و قربانی کی درخشندہ پیکر بن گئیں۔

ایک دفعہ جب ان کو تکلیف دی جا رہی تھی تو سرورِ کائنات کا وہاں سے گزر ہُوا۔ ان کو اذیت دیتے ہُوئے آپ نے دیکھا تو یہ دل آزار منظر آپ کے دل کی گہرائیوں تک اُتر گیا۔ آپ نے فرمایا:۔

"يَا آلَ يَاسِرْ مَوْعِدُكُمُ الْجَنَّةَ"

اے یاسر کے خاندان صبر سے کام لو خُدا تعالیٰ نے تمہارے لئے جنت تیار کر رکھی ہے"۔

سو ہوا یہی کہ جہاں چند مسلمان مصائب سے تنگ آکر اپنے گھر بار کو الوداع کہہ گئے تھے۔ یہ لوگ بوجہ غربت و کمزوری ہجرت بھی نہ کر سکتے تھے۔ ادر اُدھر ابو جہل اسلام کا بدترین دشمن شکار کی تلاش میں سرگرداں رہتا۔ اس نے حضرت سمیّہ رضہ کا گھر تک جلا ڈالا۔ ان کے شوہر حضرت یاسر رضہ اور بیٹے حضرت عمار رضہ کو زنجیریں پہنا کر گھسیٹ کر قید خانے لے جاتا۔ اور حضرت سمیّہ رضہ کو بالوں سے گھسیٹ گھسیٹ کر پھینکتا کہ وہ بے ہوش ہو جاتی تھیں۔ جب وہ اپنے پیارے محبوب رسُولِ خُدا کو اپنی تکلیفوں پر دلگیر دیکھتیں تو اپنی تکلیف کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے باآواز بلند کہتیں "میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ اللہ کے رسُول ہیں۔ اور آپ کا وعدہ سچا ہے۔

آپؐ نے انہیں جنت کی خوشخبری دی اور یہ پیشگوئی تھوڑے دنوں میں پوری ہوگئی۔
کیونکہ یاسرؓ مار کھاتے کھاتے شہید ہوگئے۔ اور حضرت سمیہؓ کو تپتی ہوئی سلاخوں
سے داغا گیا۔ یہاں تک کہ ابوجہل نے ان کی حق گوئی سے مشتعل ہوکر ان کی ران پر زور
سے نیزہ مارا۔ جو ان کو چیرتا ہوا ان کے پیٹ میں گھس گیا۔ اور انہوں نے تڑپتے
ہوئے جان دے دی۔ اور جنت میں داخل ہوگئیں۔ اور باقی صرف حضرت عمارؓ
رہ گئے۔ انہیں اپنی ماں کی جدائی کا سخت صدمہ ہوا۔ وہ بارگاہ رسالت میں
حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بڑی ہی شفقت سے انہیں صبر
کی تلقین کی۔ اور ان کے حق میں دعا فرمائی۔

"خداوند آلِ یاسر کو جہنم سے بچا۔" آمین

حضرت عمارؓ کو بھی لوگوں نے سخت عذاب اور دکھ میں ڈالا۔ اور ان کو کہا
کہ جب تک "محمدؐ" کا انکار نہ کرو اسی طرح عذاب دیتے رہیں گے۔ ایک دفعہ انہوں
نے ہجرت کرنی چاہی تو کفار نے کہا کہ اپنا سارا مال و متاع چھوڑ جاؤ تو جا سکتے ہو۔
انہوں نے بخوشی یہ قبول کیا۔ اور اپنا گھر بار مال و متاع ان کے حوالے کر کے مکہ کی سرزمین
کو خیرباد کہہ دیا۔

چنانچہ حضرت عمارؓ کو صحابہ کرامؓ میں وہ رتبہ حاصل تھا کہ آنحضرتؐ نے ان کے بارے
میں فرمایا۔ "جو عمارؓ سے دشمنی رکھتا ہے وہ مجھ سے بھی دشمنی رکھتا ہے"۔ غزوہ بدر
میں جب ابوجہل قتل ہوا تو عمارؓ کو بلا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"دیکھو تمہاری ماں کے قاتل کا خدا نے فیصلہ کر دیا"۔

اس طرح حضرت سمیہؓ کو یہ خوش نصیبی حاصل ہوئی کہ ان کا وجود نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم کی پیشگوئی پورا کرنے کا موجب ہوا۔ اور ان کا نام تاریخ اسلام میں
بحیثیت راہ حق کی پہلی شہید عورت کے ہمیشہ جگمگاتا رہے گا۔

☆

سوشل بائیکاٹ

محاصرہ شعبِ ابی طالب

۶۱۷ء ۔ ۶ نبوی بروز منگل بعمر ۴۶ سال ۹ ماہ ۲۳ دن

اِنَّنِیۡۤ اَنَا اللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدۡنِیۡ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ [1]

سورۃ طٰہٰ کی یہ جامع آیات حضرت عمرؓ جیسے سخت گیر بہادر انسان کو کلمہ گو بنا
گئیں تھیں۔ خونی رشتہ کبھی کبھی اتنا جوش دکھاتا ہے کہ انسان اپنے خون کے جوش
کے سامنے جھوٹی غیرت کا گلا دبا دیتا ہے۔ ایسے ہی حضرت حمزہؓ کی رگوں میں جو
خون دوڑ رہا تھا۔ یہ برداشت نہ کر سکا کہ خاموش تماشائی بنا رہے۔ وہ جوشیلا
بچا آگے بڑھا اور کلمۂ توحید پڑھ کر بھتیجے کی صف میں جا کھڑا ہوا۔ لیکن افسوس تو
یہ ہے کہ نہ تو عمرؓ کی بہادری اور نہ ہی حمزہؓ کا جوشِ حمیت مسلمانوں کو اذیتوں سے
نجات دلا سکا۔ بلکہ ان دونوں جلیل القدر ہستیوں کے ایمان لے آنے سے اور حبشہ
کی طرف چند صحابہ کرامؓ کے کوچ کر جانے اور بحفاظت وہاں پہنچ جانے سے کفار اور
بھی سیخ پا ہو گئے۔ اس پہ طرہ یہ کہ ان میں سے جس نے بھی نجاشی کے پاس پناہ لی۔
اُن کی حفاظت و حمایت ہوتی رہی۔ چنانچہ قریش کا وفد جو عمرو بن العاص اور عبداللہ
بن ربیعہ پر مشتمل تھا۔ ناکام و نامراد ہو کر نجاشی کے دربار سے واپس لوٹا۔ تو اس
ناکامی نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اب تو سب نے ایک معاہدہ لکھنے کا پروگرام بنایا۔ اور

[1] طٰہٰ آیت نمبر ۱۵۔

سوشل بائیکاٹ کی صورت پیدا کر دی۔ یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے لکھا بعض مؤرخین
کا خیال ہے کہ یہ معاہدہ نضر بن حارث نے تحریر کیا تھا۔ یہ خیال زیادہ ٹھیک ہے کیونکہ
رسولِ خداؐ کی بددعا سے اُس کی انگلیاں بے کار ہوگئی تھیں۔ اُس نے اِس معاہدہ
میں مندرجہ ذیل اندراجات کئے:۔

۱۔ شادی بیاہ یا خرید و فروخت کے تعلقات بنی ہاشم و بنی مطلب کے ساتھ قطعی منقطع
کر لئے گئے ہیں۔

۲۔ نہ ان سے کوئی قرابت کرے گا اور نہ ملے گا نہ ملنے دے گا جب تک کہ وہ
محمدؐ صلعم سے الگ نہ ہو جائے۔

۳۔ اور مجلسِ شوریٰ میں جو فیصلہ ہوا تھا وہ ایک جگہ محصور کر کے زیادہ تباہ
کرنے کا تھا۔ یہ ایک باقاعدہ معاہدہ تھا جو کعبۃ اللہ میں لٹکایا گیا۔ چنانچہ آپؐ کے
متبعین آپؐ کے بیوی بچے۔ ان کے بیوی بچے۔ بنو طالب (سوائے ابولہب)
تمام بے بسی و بے کسی کی حالت میں ایک پہاڑی درّہ شعب ابی طالب میں محصور
کر دیئے گئے۔ خدا کا پیارا نبیؐ جس کے پاس نہ روپیہ تھا نہ ذخیرہ سوائے چند
غیر متزلزل ایمان رکھنے والے ساتھیوں کے تین سال تک محاصرہ کی صعوبتیں
جھیلتا رہا۔

ابولہب نکل کر قریش کی جانب ہوگیا۔ اور انہی کی امداد کی۔

• اے عتبہ کی بیٹی! کیا میں نے لات و عزیٰ کی مدد نہیں کی؟ کیا میں نے ان لوگوں کو نہیں
چھوڑ دیا جنہوں نے لات و عزیٰ کو چھوڑ دیا اور ان کے خلاف دوسروں کی مدد کی" وہ
بولی! اے ابوعتبہ! اللہ تجھے جزائے خیر دے۔ اس پر سورۃ لہب نازل ہوئی۔ کہ
تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ۔ ابی لہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہوگئے اور وہ خود
بھی برباد ہوگیا۔ اور اس کی بیوی عتبہ کی بیٹی کے لئے خداوند کریم نے فرمایا۔ حَمَّالَةَ
الْحَطَبِ اور اسے جہنم کا ایندھن قرار دیا گیا۔

• محاصرہ نے طول کھینچا تو تین سال تک چلتا رہا۔ اگر کوئی شخص ان کے پاس جانا
چاہتا یا کچھ پہنچانا چاہتا تو چھپ چھپا کر ہی پہنچا سکتا تھا۔ حکیم بن حزام کو ایک دفعہ
ابوجہل نے دیکھ لیا۔ جو اکثر و بیشتر اپنی پھوپھی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے لئے کچھ اناج
اور ضروری اشیاء لے کر آیا کرتے تھے۔ ابوجہل جھپٹ گیا اور کہنے لگا۔ تو بنی ہاشم کے
لئے لاتا ہے۔ واللہ! تو اور تیرا کھانا اس مقام سے ہٹ نہیں سکتا جب تک تیری
رسوائی نہ کر دوں۔ اتنے میں ابوالبختری آگیا۔ اور اس نے ابوجہل کو برا بھلا کہا۔ بات طول
پکڑ گئی۔ یہاں تک کہ ابوالبختری نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی لے کر اُسے مارا اور
اس کا سر زخمی کر دیا۔ اور خوب لاتیں لگائیں۔ یہ ابوالبختری وہ شخص ہے جو معاہدہ کے
خلاف ہوگیا۔ اور چپکے چپکے حکیم بن حزام کے ساتھ مل کر کچھ گیہوں اور خانگی ضروریات
روانہ کیا کرتا تھا۔ اسی کے لئے رسولِ خداؐ نے فرمایا۔ "بدر کے شکست خوردہ لوگوں میں
سے اگر ابوالبختری نظر آئے تو اُسے قتل نہ کرنا۔ کیونکہ وہ آیا نہیں ہے لایا گیا ہے۔" اور
اُس نے معاہدہ کو توڑنے پر حق شناسی کا ثبوت دیا تھا۔ جب قریش اس معاہدہ پر جم گئے
تو حضرت ابوطالب نے چند اشعار کہے جن سے ان کی دکھی اور رنجیدہ طبیعت کا اظہار
ہوتا ہے۔

"کیا تمہیں خبر نہیں کہ ہم نے محمدؐ کو ایسا نبی پایا ہے کہ موسیٰؑ کی طرح اگلی کتابوں
میں ان کا حال لکھا ہے۔ اور تمہارا وہ نوشتہ جسے تم نے چسپاں کیا ہے وہ
تمہارے ہی واسطے منحوس ہوگا۔ جس طرح نوح علیہ السلام کی اونٹنی کے
بچے کی آواز تھی۔ یکے بعد دیگرے جنگ کے اسباب پیدا نہ کرو۔ کیونکہ
جنگ کی دھمکیوں کا مزہ جس شخص نے بھی چکھا ہے۔ اکثر اُس نے کڑوا ہی
محسوس کیا ہے۔"

لیکن قریش و رؤسائے مکہ پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ سعدؓ بن ابی وقاص بیان
کرتے ہیں کہ ایک دفعہ بھوک نے انہیں اتنا نڈھال کر دیا کہ سوکھا ہوا چمڑا انہوں نے

پانی میں بھگو کر نرم کر کے بھون کر کھایا۔ محصورین کے بچوں کے رونے کی آواز دُور دُور تک جاتی اور مخالفین کے لئے خوشی کا موجب ہوتی۔

لیکن ہر جگہ کچھ نیک دل لوگ بھی ہوتے ہیں۔ ایسے ہی عمرو بن ہشام نے جو کوشش اس معاہدہ میں کی وہ کسی اور نے نہیں کی۔ وہ غلے کے اُونٹ لاد کر رات کو آتا اور درّہ کے باہر نکیل نکال کر اُونٹ اندر ہانک دیتا جو سیدھا اندر چلا جاتا۔ اور محصورین کے پاس پہنچ جاتا۔ اسی طرح زہیر بن ابی امیّہ۔ مطعم بن عدی۔ ابو البختری بن ہشام اور زمعہ بن اسود یہ پانچ حق شناخت لوگ تھے۔ جو اس معاہدہ سے بیزاری کا اظہار کرنے لگے۔ اسی اثناء میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کو اطلاع دی کہ۔

"اے چچا! اللہ تعالےٰ نے دیمک کو نوشتہ قریش پر غالب کر دیا۔ اس نے جتنے اللہ کے نام تھے وہ تو چھوڑ دیئے اور جتنی ظلم و زیادتی، رشتے ناطے توڑنے اور بہتان کی طرح باتیں تھیں اس نے اس میں سے نکال ڈالیں"

انہوں نے پوچھا کیا آپؐ کے پروردگار نے یہ اطلاع دی ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ نَعَمْ (ہاں) واللہ پھر تو تم پر کوئی فتح یاب نہیں ہو سکتا۔

پھر ابوطالب قریش کے پاس گئے اور کہا کہ تم اپنا معاہدہ دیکھو۔ ایسا ایسا ہے۔ اور اگر جیسا کہ میرے بھتیجے نے کہا ہے۔ ویسا ہے تو پھر ہمارے قطع تعلق سے باز آجاؤ اور اگر وہ جھوٹا ہے تو میں اپنے بھتیجے کو تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ تمام لوگ اس پر راضی ہو گئے تو پھر کیا دیکھتے ہیں کہ حالت ویسی ہی ہے جیسے کہ رسول اللہؐ نے فرمائی۔

اب چند حق شناس لوگ جو اس معاہدہ کے خلاف ہو گئے تھے۔ جب نوشتہ کو تلف کرنے لگے تو مطعم بن عدی آگے بڑھے تا کہ نوشتہ کو چاک کر ڈالیں تو انہیں معلوم ہوا کہ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ کے سوا دیمک نے تمام چاٹ لیا ہے۔ سُبْحٰنَ اللّٰهَ عَلٰی ذٰلِكَ[1]

[1]: سیرۃ النبی کامل۔ مرتبہ ابن ہشام باب ۵۰ ص ۳۷۹

سفر بعد از نبوت ـــــــ سفر طائف

۶۲۰ء ۔ ۱۰ نبوی ۳ سال قبل ہجرت

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۔ (سورۃ یٰسین)

مکہ کے رؤساء میں سے ابوجہل رئیس المعاندین نے حضرت رسولِ خداؐ کی زندگی اجیرن کرنے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی یہانتک کہ سرِ بازار لوگوں کو چیلنج کرتا پھرتا کہ کون مائی کا لال ہے جو محمدؐ (صلعم) کو اس عذاب میں مبتلا کرنے میں سبقت لے جائے اور سنت اللہ بھی یہی ہے کہ ہر جگہ بڑے لوگ ہی اللہ تعالیٰ سے قطع تعلق اور فتنہ و فساد برپا کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہاں مکہ میں بھی رؤساء ہی پیش پیش تھے۔ کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ لیکن حضرت ابوطالبؓ کی وفات کے بعد تو مخالفت میں اندھے ہو گئے۔ حالات سے نالاں ہو کر ایک دفعہ آپؐ نے ارادہ فرمایا۔ کہ طائف والوں کو دعوت دی جائے۔ طائف مکہ کا ہی ہم پلہ تھا۔ اس میں بڑے بڑے صاحب اثر اور دولتمند لوگ رہتے تھے۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ آپؐ نے مکہ سے ہٹ کر اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے کوئی دوسری جگہ منتخب کی شوال ۱۰ نبوی طائف والوں کی قسمت آزمائی کا دن تھا۔ تا کہ دیکھا جائے کہ رحمٰن کے جھنڈے تلے کون کون آتا ہے؟۔ آپؐ اس اُمید پر وہاں تشریف لے گئے کہ اللہ تعالیٰ سے جو بات آپؐ لائے ہیں۔ شاید وہ اسے قبول کر لیں۔ اس لئے آپؐ ان کے پاس تنہا تشریف لے گئے۔

آپؐ سے یکے بعد دیگرے شہر کے رؤسا سے ملاقات ہوئی ثقیف کے سربراہ جو تین بھائی تھے۔ عبد یا لیلؓ مسعودؓ اور حبیبؓ بن عمرو کو دعوت اسلام دی۔ انہوں نے نہ صرف انکار کیا بلکہ شہر کے آوارہ لوگ آپؐ کے پیچھے لگا دیئے۔ آپؐ شدید رنجیدہ ہوئے کیونکہ انہوں نے لوگوں کو اُبھارا جنہوں نے گالیاں دیں اور شور مچایا۔ حتیٰ کہ لوگ آپ کے ساتھ جمع ہو گئے اور تمسخر کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ آج اس خطہ کی قسمت میں بھی مکہ کی طرح اسلام لانا مقدر نہ تھا۔ انہوں نے محمدؐیت کی چادر تلے آنے کی بجائے آپؐ پر پتھروں کی بارش کر دی۔ اور وہ منجیؐ جس کی ذات بابرکات نجات کا موجب تھی۔ آپؐ ان ظالموں سے نجات پانے کے لئے تین میل تک بھاگے یہانتک کہ آقائے دو عالم نے عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کے باغ میں پناہ لی۔ اور آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے حضور ایک دیوار کے سایہ میں کھڑے ہو کر یہ دُعا مانگی۔ کہ

اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّۃَ حِیْلَتِیْ۔۔۔۔

۔۔۔۔ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْن۔

اے اللہ مَیں اپنی کمزوری اور ضعف قوت و تدابیر اور لوگوں میں اپنی ذلّت کی شکایت تجھی سے کرتا ہُوں۔ اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنیوالے تو کمزوروں کو ترقی پر پہنچانے والا ہے۔ اور میری پرورش کرنے والا ہے۔ تُو نے مجھے کِس کے حوالہ کر دیا ہے۔ ایسے دل والے کو جو مجھ سے ترش رُو ہو کر پیش آتا ہے۔ (اور ایسے دشمن کو میرے معاملہ کا مالک بنا دیا) کہ اگر مجھ پر تیرا کوئی غصہ نہیں تو مَیں کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ تیری عافیت میرے لئے بہت وسیع ہے۔ مَیں تیرے اس چہرے کے نُور کی پناہ لیتا ہُوں جس سے اندھیرے دُور ہوتے ہیں دنیا و آخرت کے معاملے سدھرتے ہیں۔ اس بات سے کہ مجھ پر تیرا غضب نازل ہو یا مجھ پر تیری خفگی ہو۔ مجھے تیری ہی رضامندی کی طلب ہے۔ حتیٰ کہ تُو راضی ہو جا تیرے سوا نہ کسی میں ضرر دُور کرنے کی قوت ہے اور نہ نفع حاصل کرنے کی۔

عتبہ و شیبہ نے بتقاضۂ شرافت اپنے غلام عدّاس کے ہاتھ کچھ انگور طشتری میں لگا کر روانہ کیئے۔ اور عدّاس نے پیش کرتے ہُوئے کھانے کو کہا۔ آپؐ نے کھانے کو ہاتھ ڈالا۔ تو فرمایا۔ بِسْمِ اللّٰہ۔ پھر تناول فرمایا۔ عدّاس آپؐ کی صورت دیکھنے لگا۔ اور کہا وَاللّٰہ یہ بات تو ایسی ہے کہ یہاں کی بستیوں کے لوگ تو نہیں کرتے۔ رسُولِ خُدا نے فرمایا۔ اے عدّاس! تو کِس بستی کا رہنے والا ہے۔ اُس نے کہا مَیں نصرانی ہُوں اور نینوا کا باشندہ ہوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ اس نیک شخص کی بستی کا جس کا نام یونسؑ بن متی تھا۔ ملازم نے کہا آپؐ کو کیا خبر کہ وہ یونس علیہ السلام کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ وہ میرے بھائی نبی تھے۔ اور مَیں بھی نبی ہُوں۔ یہ سنتے ہی عدّاس جھک گیا اور رسُولِ خدا کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا۔ تھوڑی دیر میں اُس کا تعجب ایمان میں بدل گیا۔ اور اجنبی غلام عدّاس آنسوؤں بھری آنکھوں سے خُدا کے رسُول کا شیدائی بن گیا۔ عتبہ و شیبہ نے یہ دیکھ لیا۔ تو واپسی پر غلام عدّاس سے پوچھا کہ تمہیں یہ کیا ہُوا تھا۔ یہ شخص تمہارے ہی دین کو خراب کرتا پھر رہا ہے۔ عدّاس نے سب واقعہ سُنا کر انہیں مایوس کر دیا۔ اور بتایا کہ اس شخص کو دیکھکر عیسائیت کی یاد پھر میرے دل میں تازہ ہو گئی۔ مَیں نے محسوس کیا کہ میرے سامنے ایک خُدا کا نبی بیٹھا ہے۔ جو نبیوں جیسی زبان بولتا ہے۔ اور مجھے اُس کے نبی زمانہ نبی ہونے میں رتی بھر شک نہیں رہا۔

آپؐ کی اگلی منزل نخلہ تھی جہاں آپؐ نے قیام فرمایا۔ رات بھر آپؐ عبادتِ الٰہی میں مصروف رہے یہاں جِنّوں کا ایک گروہ (نصیبین کے عیسائیوں کے معززین کا گروہ) آپؐ کے پاس آیا۔ اور وہ سات جِنّ نصیبین میں سے تھے۔ وہ تلاوت سُنتے رہے۔ اور جب آپؐ تلاوت سے فارغ ہوئے تو اپنی قوم کی طرف واپس ہُوئے اور اُسے ڈرایا اور خود ایمان اختیار کر لیا۔ اور جو کچھ سُنا تھا اُسے قبول کیا۔ سبحان اللہ! کیا خُدا کی بے نیازی ہے کہ ایک طرف آپؐ اپنی ضعفِ قوت اور قلتِ تدبیر کی شکایت

اپنے پروردگار سے کرتے ہیں اور اُسی کے مُنہ کی روشنی میں پناہ کے خواستگار ہیں اور دوسری طرف انہی اوقات میں اسی مقام پر جنّوں کا ایک گروہ آپؐ پر ایمان لے آتا ہے۔ اور انسان ناشکرے کو پیچھے ڈال کر اتباع میں گردن جھکا لیتا ہے۔

یہ بھی خدا تعالیٰ کی ایک تسلی تھی کہ اے محمدؐ! اب اگر یہ لوگ تجھے قبول نہیں کرتے تو گھبراہٹ نہ کر کیونکہ ایک دن آئے گا۔ کہ بڑے چھوٹے تیرے جھنڈے تلے آکر پناہ لیں گے۔ اور وہ دن بھی آئے گا کہ تیرے جیسا سخی النفس یہ کہے گا کہ

"لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْم"

رسولِ خدا کا یہ سفرِ طائف تکالیف و مصائب کا سفر تھا جس میں آپ پر ایک وقت ایسا آگیا تھا کہ خدا تعالیٰ کے فرشتے نازل ہوئے اور اجازت چاہی کہ اے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اجازت دے کہ انہیں پہاڑوں کے پتھروں سے سنگسار کر دیا جائے لیکن اُس رحمت کے فرشتے نے فرمایا! نہ ایسا ہرگز نہ کرنا اگر تم ان لوگوں کو تباہ کر دو گے تو مجھ پر ایمان کون لائے گا؟

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

پہلی باکرہ اُمّ المومنین

حضرت عائشہ صدیقہؓ

۶۱۹ء بعمر ۴۹ سال ۶ ماہ ۲۲ دن ۱۰ نبوی ۳ سال قبل ہجرت

جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق فرمایا کہ "کان خلقہ فی القرآن" اس ایک مختصر جملے میں شوہر کے اخلاق پر روشنی ڈالنے والی نوجوان عورت حضرت عائشہ صدیقہؓ ہیں۔ جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی باکرہ بیوی ہیں۔ اور جن سے آپؐ نے بحیثیت نبی کے پہلا نکاح بمطابق ماہ شوال ۱۰ نبوی کیا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ رخصتانہ دیر سے ہُوا۔ اور درمیانی وقفہ میں حضرت سودہؓ رخصت ہو کر آپؐ کے سایہ عاطفت میں تشریف لے آئیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں حضرت خدیجہؓ کی وفات سے جو جگہ خالی ہوئی تھی وہ دراصل ترویج عائشہؓ سے ہی پُر ہوئی کیونکہ آنحضرتؐ کی اصل تجویز حضرت عائشہؓ کے متعلق ہی تھی۔ اور وہی آپؐ کو خواب میں بھی دکھائی گئی ہیں۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد آپؐ کے دل میں شادی کا خیال جلد ہی پیدا ہُوا آپؐ کے منصب نبوت کے لحاظ سے یہ ایک طبعی امر تھا۔ لیکن بیوی کا انتخاب ایک آسان کام نہ تھا۔ لہٰذا آپؐ نے راہنمائی کے لئے دُعا مانگی۔ دُعا کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے بذریعہ رؤیا آپؐ کو اپنے انتخاب سے مطلع فرمایا۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ وہ انہی ایام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا کہ حضرت جبرائیل

علیہ السلام آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ کے سامنے ایک ریشمی رومال پیش کیا۔ عرض کی "یہ آپ کی زوجہ ہے" دنیا و آخرت کی"۔ آپؐ نے رومال لے کر دیکھا۔ تو اس پر حضرت عائشہؓ بنت ابوبکرؓ کی تصویر تھی۔ آپؐ نے اس خواب کا ذکر کسی سے نہیں کیا۔ لیکن جب کام مقدر میں ہوتے ہیں تو اسباب بھی بن جاتے ہیں۔

خولہ حکیم آپؐ کے پاس تشریف لائیں۔ اور کہا یا رسُول اللہ آپ شادی کیوں نہیں کرتے؟ آپؐ نے فرمایا کس سے؟ اس نے جواب دیا "ایک کنواری بچی حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی میرے مدنظر ہے۔ اور ایک حضرت سودہؓ بنت زمعہ بیوہ ہے"۔ آپؐ نے فرمایا۔ دونوں سے بات کرکے دیکھو۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا — کہ دونوں گھرانے جو اپنے لئے اس امر کو باعثِ صد افتخار خیال کرتے تھے کہ حضورؐ کے حرم میں جگہ مل جائے۔ اسلئے دونوں گھرانے رضامند ہو گئے۔ چنانچہ دونوں نکاح ہو گئے۔ حضرت عائشہؓ کا نکاح حضرت ابوبکرؓ نے پڑھایا اور حق مہر پانچ سو درہم مقرر ہوا۔ حضرت سودہؓ کا نکاح چونکہ بعض مربیانہ مصلحتوں کی بناء پر ہوا تھا۔ اس لئے وہ نکاح کے معاً بعد آپؐ کے ہاں تشریف لے آئیں۔

ہجرت کے چھ۶ ماہ بعد تقریباً حضرت ابو ایوبؓ انصاری کے گھر قیام فرمانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے عبداللہ ابن اریقط جو کہ ہجرت میں ہمسفر تھا کو بھیجا کہ امّ رومانؓ۔ اسماءؓ اور عائشہؓ کو لے آئے۔ حضورؐ نے بھی زیدؓ بن حارث اور ابو رافعؓ کو روانہ فرمایا کہ حضرت فاطمہؓ۔ امّ کلثومؓ اور حضرت سودہؓ کو لے آئیں۔ مدینہ میں آکر حضرت عائشہؓ بہت بیمار رہوئیں یہاں تک کہ سر کے بال بھی اُتر گئے۔ پس تیرہ چودہ برس کی عمر میں ان کا بیاہ ہوا۔ اور کوئی سات سال کا عرصہ وہ رسُول اللہؐ کی صحبت میں رہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت عائشہؓ کی عمر اکیس۲۱ برس تھی۔ شادی کے موقعہ پر مدینہ کی تمام عورتوں نے خوشی منائی اور مبارکباد دی۔ چاشت کے وقت رسولِ خدا تشریف لائے تو رسم عروسی ادا ہوئی۔ حضرت عائشہؓ کی عمر کے متعلق مؤرخین

کا اختلاف ہے۔ کچھ کا خیال ہے کہ وہ شادی کے وقت نو۹ برس کی تھیں اور حضورؐ کی وفات کے وقت اٹھارہ برس کی تھیں۔ لیکن اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ وہ جتنی بڑی بھی تھیں ایک بزرگانہ دماغ و سر نوجوان کندھوں پر رکھتی تھیں۔ وہ پڑھی لکھی نہ تھیں۔ لیکن خُدا کے محبُوب کا پیار دل کو ایسا روشن کر گیا کہ سیّدالانبیاءؐ ان کے لئے یہ خوشخبری عطا فرما گئے۔ کہ "نصف دین تم عائشہ سے سیکھو"۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کے وجود سے امتِ محمدیہؐ کو بڑے بڑے فائدے پہنچے ہیں۔ احادیث کا وہ حصہ جو عورتوں سے متعلق ہے۔ حضرت عائشہؓ کے اقوال و روایات پر ہی زیادہ تر مشتمل ہے۔ پھر یہی نہیں بلکہ عام دینی مسائل میں بھی اُن کو یدِ طُولیٰ حاصل تھا۔ اس لئے اکابر صحابہ حضرت عائشہؓ کے قول کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اور انہیں سے فتویٰ پوچھتے تھے۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عثمانؓ کے وقت میں آپؓ ہی فتویٰ دیتی تھیں۔ اکابر صحابہ پر انہوں نے دقیق اعتراضات کئے ہیں۔ جنہیں علّامہ سیوطی نے ایک رسالہ میں جمع کیا ہے[1]

آپؐ کو خواب میں یہ الفاظ بھی دکھلائے گئے تھے کہ اب تیری یہ بیوی ہے دنیا و آخرت میں۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہؓ سے خاص محبّت تھی۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ ایک دفعہ کسی شخص نے آپؐ سے دریافت کیا۔ "اَیُّ النَّاسِ اَحَبُّ اِلَیْکَ"۔ یعنی لوگوں میں سے کون آپؐ کو زیادہ محبُوب ہے۔ فرمایا عائشہؓ۔ اس نے پوچھا مَردوں میں سے کون ہے۔ فرمایا اَبُوْھَا یعنے اس کا باپ حضرت ابوبکرؓ۔

حضرت عائشہؓ کیسی عظیم و روشن فلسفہ والی عورت تھی کہ جب ایک دفعہ کسی نے رسول کریمؐ کے اخلاق کے متعلق سوال کیا کہ کچھ فرمائیے تو انہوں نے فرمایا "آپؐ کے اخلاقِ حسنہ کیا پوچھتے ہو۔ جو کچھ آپؐ کہا کرتے تھے انہی باتوں کا قرآن

[1] : شبلی۔

کریم میں حکم ہے۔ اور قرآن کی لفظی تعلیم آپؐ کے فعل سے جدا نہیں ہے۔
ہر خلق جو قرآن کریم میں بیان ہوا ہے۔ آپؐ کا اس پر عمل تھا۔ اور ہر عمل جو آپؐ
کرتے تھے۔ اس کی قرآن میں تعلیم ہے۔ یہ کیسی لطیف بات ہے کہ معلوم ہوتا ہے
کہ رسولؐ پاک کے اخلاق اتنے وسیع اور اتنے اعلیٰ تھے کہ ایک نوجوان لڑکی جو
تعلیم یافتہ نہیں تھی۔ اس کی توجہ کو پھرانے میں اس حد تک کامیاب ہوئے۔ کہ
ہندو۔ یہودی۔ مسیحی۔ فلسفی جس امر کی حقیقت کو نہ سمجھ سکے۔ حضرت عائشہؓ
اس امر کی حقیقت کو پاگئیں۔ وہ ایک چھوٹے سے جملے میں یہ فلسفہ بیان کر گئیں
کہ تمہیں رسولِ خدا کے اخلاق معلوم کرنے کے لئے کسی تاریخ کی ضرورت نہیں۔ وہ
ایک راستباز اور مخلص انسان تھے۔ جو کہتے تھے کرتے تھے۔ جو کرتے تھے کہتے تھے
ہم نے ان کو دیکھا اور قرآن کریم کو سمجھ لیا۔ تم جو بعد میں آئے ہو قرآن پڑھو اور رسولِ
خدا کو سمجھ لو۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ۔
پس حضرت عائشہؓ رسولِ خدا کی وہ خوش قسمت بیوی تھیں جن کا ذکر قرآن مجید
میں بھی آیا ہے۔ وہ ایک عظیم النفس پاکیزہ عورت تھیں۔ وہ علم و فضل میں یکتائے
زمانہ تھیں۔ حدیث و فقہ شعر و شاعری میں اپنی مثال آپ تھیں۔
تئیس ہزار ایک سو حدیثیں آپؐ سے مروی ہیں۔ احکام شرعیہ میں سے ایک
چوتھائی حصہ اسرار شریعت ان سے منقول ہے۔ ان کے شاگردوں کا بیان ہے
کہ ان سا جوشِ تقریر نہیں دیکھا گیا۔ تفسیر۔ حدیث۔ اسرار شریعت۔ خطابت۔ ادب
انساب میں ان کو کمال تھا۔ ایک دفعہ بتقاضائے بشریت بعض بیویوں کو ان کی اس
خصوصیت پر (کہ سرور کائنات کا میلان طبعاً حضرت عائشہؓ کی طرف زیادہ ہے)
رشک آیا اور حضور کی خدمت میں تمام بیویوں نے حضرت زینبؓ کو نمائندہ بنا کر
بھیجا۔ انہوں نے کہا "جو مرتبہ آپؐ نے عائشہؓ کو دیا ہے اس کی وہ مستحق نہیں ہیں حضرت
عائشہؓ بیٹھی سُن رہی تھیں کہ حضورؐ کا ارشاد پانے پر وہ مدلل تقریر کی کہ حضرت زینبؓ

لاجواب ہوگئیں۔ حضورؐ نے فرمایا "کیوں نہ ہو عائشہؓ ابوبکرؓ کی تو بیٹی ہے۔" آپ نے مزید
فرمایا "عائشہؓ وہ بیوی ہے کہ جس کے لحاف میں مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے اور کسی بیوی کے
لحاف میں نازل نہیں ہوتی۔" ان کے حجرے کو حضورؐ کے مزار مقدس کا شرف حاصل ہے۔
جب آپؓ چھیاسٹھ برس کی عمر میں فوت ہوئیں تو رمضان کا مہینہ تھا۔ جنت البقیع میں
رات کے وقت اپنی وصیت کے مطابق دفن کردی گئیں۔ حضرت ابوہریرہؓ نے آپ کی نماز
جنازہ پڑھائی۔ اس وقت وہ مروان بن حکم کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے۔ اور قاسمؓ
بن محمدؓ۔ عبداللہؓ بن عبدالرحمٰن۔ عبداللہؓ بن ابی عتیق۔ عروہؓ بن زبیرؓ نے قبر میں اتارا تھا[1]

لہ ؛ شبلی حصہ دوم ؛

پہلی فرض عبادت ــــ نماز

۶۲۰ء/۶۲۱ء بعمر ۵۰ سال سنہ ۱۰ نبوی (۲ سال قبل ہجرت)

اسلام کے انوار کو کرۂ ارض پر اُترے تقریباً نو برس ہوئے تھے کہ رب العالمین نے اپنی مخلوق کو ایک اور نور سے نوازا اور وہ تھا "نورِ نماز"۔ یہ نور اس وقت آپؐ کو ملا جب سرورِ کائنات محسنِ انسانیت اتنے بلند و ارفع مقام پر تھے کہ فرشتے سلام پیش کر رہے تھے اور جبرائیل علیہ السلام تک پیچھے رہ گئے۔

اقامۃ الصلوٰۃ فرما کر خداوند عالم نے مومنوں کو پہلا فرض سونپا اور اتصالِ خدا کا نسخہ عطاء کیا اور یہی پہلا فریضہ رکن اسلام خداتعالیٰ نے اپنے محبوب کو اپنی پہلی ملاقات میں تحفتہً پیش فرمایا۔ رمضان المبارک کے ایام میں سات آسمانوں سے گزر کر معراج کی رات کو جب سیّد المخلوق اپنے خالق کے حضور پیش ہوئے تو آپؐ کے حضور میں پنجگانہ نماز نذرانے کے طور پر پیش کی گئی۔ یہ نذرانہ آپؐ نے سینے سے لگایا اور بخوشی واپس تشریف لے آئے۔ وہاں آپؐ کی ملاقات سابقہ انبیاء علیہم السّلام سے بھی ہوئی۔ اور آپؐ کو ان انبیاء کی امامت کا شرف حاصل ہوا انہوں نے خداتعالیٰ سے ملاقات کا دریافت کیا تو یہ جان کر کہ آپؐ کو امتِ محمدیہؐ کے لئے اتصال خدا کا نسخہ عطا ہوا ہے انہیں خوشی ہوئی اور آپؐ کی فضیلت و باریابی پر رشک بھی پیدا ہوا۔

ابن اسحاق رضؓ نے کہا کہ مجھ سے ابوسعیدؓ خدری نے بیان کیا کہ رسولؐ خدا نے

فرمایا ۔ "پھر بیت المقدس میں جو کچھ ہوا اس سے جب میں فارغ ہوا تو سیڑھی لائی گئی اور میں نے اس سے بہتر کوئی چیز نہیں دیکھی۔ میرے ساتھی نے مجھے اس پر چڑھا دیا یہانتک کہ وہ مجھے لے کر آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازہ باب الحفیظ تک پہنچا۔ اس پر فرشتوں میں سے ایک فرشتہ جسکا نام جبرائیل تھا۔ مجھے ملا[1]

آپؐ کا مقامِ عبودیت اتنا بلند ہوا کہ خُدا نے آپؐ کو اس معراج کی رات ساری ملکوت و بادشاہت کی سیر کرادی۔ آپؐ کو اتنا ارفع مقام عطا فرمایا۔ کہ آپؐ سب انبیاء سے اُوپر تشریف لے گئے۔ یہانتک کہ جبرائیلؑ پیچھے رہ گیا اور آپ کا سدرۃ المنتہیٰ سے بھی گزر ہوا۔ پھر آپؐ ہزار برکتوں اور خوبیوں کی جامع عبادت "نماز" لے کر نیچے اُترے اور اس گھڑی سے باقاعدہ نماز پنج وقت کا آغاز ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ ۝ کہہ کر عبادت کے راستے بھی بتا دیئے۔ فرمایا میں نے جنّ اور انسانوں کو بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ بلکہ ان کی پیدائش کی غرض و غائت عبادتِ الٰہی ہے۔ اور وہ ذمہ داری مسلمانوں کے آقاؐ نے انہیں نبوت کے نو سال بعد دی۔ عبادت کے معنے اسلام میں روحانی اور جسمانی اعتبار سے اللہ تعالےٰ کے سامنے جھکنا، گڑگڑانا اور گریہ وزاری کرنا ہے۔ یُوں تو نماز اسلام کا دوسرا رکن ہے لیکن جب کلمہ طیّبہ یعنی پہلا رکن پڑھ کر پڑھنے والا دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے تو اس پر یہ رکن پہلا فرض ہے اور یہی واحد عبادت ہے۔ جو اسلام کے اصل مفہوم کو واضح کرتی ہے۔ اور شان عبدیت ظاہر کرتی ہے۔ کوئی شخص عابد نہیں کہلا سکتا جب تک کہ وہ اپنے نفس کو الٰہی تاثرات کے قبول کرنے کے قابل نہ

---

[1] :- ابن ہشام ص۱۴۲ باب ۶۱ ÷

بنالے۔ کیونکہ " نماز ایک تعویذ ہے جو خداتعالیٰ کی زیارت کا قائمقام ہے جو شخص بھی اپنے محبوب کی زیارت سے گریز کرتا ہے وہ اپنے عشق کے دعویٰ کے خلاف خود ہی ڈگری دیتا ہے۔ پس نماز اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید اور تعظیم کے ایسے مضامین پر مشتمل ہے جو سنگدل سے سنگدل انسان کے دل کو بھی نرم کر دیتی ہے"۔ اور اس میں ایسی دعائیں رکھی گئی ہیں جو انسانی فکر کو بہت بلند کر دیتی ہیں۔ نماز خداتعالیٰ کی محبت کو بھڑکاتی ہے۔ نماز میں خدا کا بندہ اپنی عقیدت کے پھول خدا کے حضور پیش کرتا ہے۔ نماز بدیوں سے روکتی ہے اور یہی اس کی ذاتی خوبی ہے[1] جیسے کہ خداتعالیٰ فرماتا ہے تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ پس نماز نقد بہشت ہے۔ اسے چستی سے سنوار کر پڑھنا حقیقی عبادت ہے۔ اسلام اور کفر کے درمیان نماز ہی حد فاصل ہے۔ نماز کی فضیلت اور اہمیت اس حد تک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سات سو مقامات پر اس کا ذکر فرمایا ہے۔ کیونکہ یہ ہر مسلمان کے لئے غذا ہے قرۃ العین ہے اور خداتعالیٰ کے ذکر کا بہترین راستہ ہے جیسے کہ خداتعالیٰ خود فرماتا ہے۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ[2] مختصر یہ کہ نماز وہ پہلی فرض شدہ عبادت ہے جو ایک حصار ہے جس کے اندر رہتے ہوئے ہم شیطانی حملوں سے بچ سکتے ہیں اور جس طرح کہ مچھلی پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی اسی طرح مومن نماز کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا کیونکہ خداتعالیٰ کو تھامے بغیر ہم تقویٰ کی راہوں پر کس طرح چل سکتے ہیں۔ اور خداتعالیٰ کو تھامنے کے لئے نماز ایک زنجیر ہے جو خداتعالیٰ اور بندے کو ملا دیتی ہے۔ اور یہی اس برکت والی رات کا پیغام ہے جو آقائے دو جہاں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ہمیں نصیب ہؤا اور یہی وہ کلمہ تھا جو آپؐ کی زبان پر اس وقت تھا۔ جب آپؐ اپنے رفیق اعلیٰ سے ہمیشہ ملاقات کے لئے جا رہے تھے تو آپؐ نے فرمایا " اَلصَّلٰوةُ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ "

[1] :- مسلم کتاب الایمان +

[2] :- سورۃ طٰہٰ آیت ۱۵ ÷

یعنی اے مسلمانوں! میری آخری وصیت تم کو یہ ہے کہ نماز اور غلاموں کے متعلق میری تعلیم کو نہ بھولنا۔[1]

حضرت عائشہ رضؓ صدیقہ سے روایت ہے کہ رسولؐ خدا پر جب پہلے پہل نماز فرض ہوئی تو ہر نماز کی دو رکعت فرض ہوئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے پھر حضر میں انہیں پورا کر کے چار کر دیا۔ اور سفر میں انکی ابتدائی فرضیت یعنی دو رکعت برقرار رکھی۔[2]

طریق وضو کے لئے ابن اسحاق رضؓ کی روایت ہے کہ مجھ سے اہل علم نے بیان کیا کہ جب رسولؐ خدا پر نماز فرض ہوئی تو جبرائیل علیہ السلام آئے۔ اس وقت رسولؐ خدا مکہ کے بلند حصہ میں تھے۔ پھر وادی کے ایک کنارے سے ایڑی ٹھکرائی اور وہاں سے پانی کا چشمہ پھوٹ نکلا۔ جبرائیل علیہ السلام نے وضو کیا اور رسولِ کریمؐ دیکھ رہے تھے۔ پھر خدا کے رسولؐ نے وضو کیا جس طرح جبرائیل علیہ السلام نے کیا تھا۔ بعد ازاں جبرائیل علیہ السلام نے آپؐ کو ساتھ لے کہ نماز پڑھی۔ اور جبرائیلؑ چلے گئے۔[3]

[1] :- ابن ماجہ الواب الصلوٰۃ   [2] :- ابن ہشام صـ۲۳۷ باب ۱۴ ÷

[3] :- سیرۃ النبیؐ کامل صـ۲۳۷ باب ۱۴ ÷

پہلا مبلّغ اسلام

حضرت مصعبؓ بن عمیر

۶۲۰/۶۲۱ء بعمر ۵۰ سال سنہ ۱۰ نبوی (۲ سال قبل ہجرت)

اسلام کے اعلیٰ ترین ستون حضرت مصعبؓ بن عمیر سب سے پہلے مبلّغ اسلام تھے
جو خدا تعالیٰ کے پاک کلام کے پہلے معلم بھی تھے۔ جنہیں رسولِ خداؐ نے ۱۲ سنہ نبوی کو
بیعت عقبیٰ اولیٰ کے بعد بارہ مسلمانوں کے ساتھ قرآن کریم سکھانے کے لئے روانہ
فرمایا تھا۔ اسی لئے انہیں مقری المدینہ بھی کہتے تھے۔ وہ بارہ افراد جنہوں نے منیٰ کے
پاس عقبہ کے مقام پر نہایت محبت و اخلاص سے بیعت کی تھی۔ جاتے وقت
درخواست کی کہ اے خدا کے سچے رسولؐ! دین کی راہنمائی و تبلیغ کے لئے آپؐ کسی
صاحب فراست کو ہمارے ساتھ روانہ فرمائیں۔ کیونکہ ہم دین کے معاملہ میں معلم کے
محتاج ہیں۔ آپؐ کی دوربین نگاہ مصعبؓ بن عمیر پر پڑی اور ان کی قسمت کا ستارہ
جاگ اٹھا۔ ۱۲ سنہ نبوی کو یعنے نبوت کے بارہ سال بعد دنیائے اسلام میں پہلے
مبلّغ کا تقرر ہوا۔ اور اس طرح مصعبؓ ہماری تاریخ کے اوراق پر چھا گئے۔
جب وہ مکہ سے روانہ ہوئے تو حضور سرور کائنات نے انہیں ضروری نصائح کے
ساتھ رخصت کیا۔ اور فرمایا کہ قرآن مجید پڑھائیں۔ اسلام کی تعلیم دیں اور ان میں
دین کی سمجھ پیدا کریں۔ اسی تعلیم القرآن کا نتیجہ اگلے سال ۱۳ نبوی میں یہ ظاہر ہوا
کہ بارہ کی جگہ بہتر اشخاص عقبہ کے ہی مقام پر مصدقین کی فہرست میں شامل ہو گئے

مدینہ میں مصعبؓ بن عمیرؓ کی قیام گاہ ابو امامہ اسعدؓ بن زرارہ بن عدس کے ہاں
تھی۔ عاصمؓ بن عمیرؓ نے بیان کیا کہ مصعبؓ انہیں نماز پڑھاتے تھے۔ کیونکہ اوس و
خزرج دونوں ممتاز قبیلے بڑی سرعت سے حلقہ بگوش اسلام ہو رہے تھے۔ اور
مصعبؓ بھی سارا سارا دن تبلیغ حق میں لگے رہتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی قبیلے کے ممتاز
لوگوں کو کسی کا امتیاز دیکھ کر برداشت نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ رخنے ڈالتے ہیں۔
ایسے ہی جب انصار کے قبیلے کے قبیلے سب کے سب مسلمان ہو گئے تو ایک رئیس
سعدؓ بن معاذ سے یہ گوارہ نہ ہوا۔ سعدؓ بن معاذ قبیلہ بنو عبد الاشہل کے ایک ممتاز
رئیس اعظم تھے انہوں نے یہ ترقیٔ اسلام اور انصار کا یوں باجماعت مسلمان ہو جانا
گوارہ نہ کیا اور روکنا چاہا۔ مگر چونکہ اسعدؓ بن زرارہ سے ان کی قرابت داری تھی۔ اسلئے
خود براہ راست دخل دیتے ہوئے رکتے تھے۔ کہ کوئی بدمزگی نہ پیدا ہو جائے۔ لہٰذا
انہوں نے اپنے ایک عزیز اُسید بن الحضیر سے کہا کہ تم جا کر مصعبؓ کو روکو کہ وہ
ہمارے لوگوں میں یہ بے دینی نہ پھیلائیں۔ چنانچہ اُسید بن الحضیر نے اپنا چھوٹا سا
برچھا لیا اور اسعد بن زرارہؓ کی طرف چل نکلے۔ اسعد بن زرارہ (جن کے مکان پر مبلّغ
اسلام قیام پذیر تھا) نے اُسید کو دیکھ کر کہا کہ "اے مصعبؓ! اُسید آتا ہے"
خدا کی قسم یہ اپنی قوم کا سردار ہے۔ جو تمہارے پاس خود آ رہا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ
کے حقوق کا سختی سے لحاظ رکھنا یعنے سچی بات کہنے میں لحاظ اور مروت سے کام نہ لینا
مصعبؓ بن عمیرؓ طبیعت کے لحاظ سے بہت بردبار اور حلیم الطبع تھے۔ اس لئے
اسید کی طرف تحمل سے متوجہ ہوئے۔ لیکن وہ گالیاں دیتے ہوئے داخل ہوا۔ اور کہنے
لگا کہ اگر تم دونوں کو اپنی جان پیاری ہے تو ہم سے الگ ہو جاؤ۔ مصعبؓ نے کہا۔
اچھا تشریف تو رکھیئے۔ کچھ بات تو سنئے۔ اگر کوئی بات آپ کی مرضی کے مطابق ہوئی تو
قبول کیجئے۔ اور ناپسند ہوئی تو اس سے اپنے آپ کو بچائیے۔ چنانچہ مصعبؓ نے
قرآن شریف کی تلاوت کی اور اسلام کے متعلق چند ضروری باتوں کا ذکر کیا۔ "واللہ

ان کے اظہار اسلام سے پہلے ان کے چہرے کی چمک سے آثارِ اسلام کی شناخت کر لی۔" اسید نے کہا۔ یہ چیز جو تم نے میرے پاس بیان کی ہے۔ بہت بہتر اور خوب تر ہے۔ لیکن جب تم کسی کو اپنے دین میں شامل کرنا چاہو تو کیا کرتے ہو۔ دونوں اسعد بن زرارہؓ مصعبؓ بن عمیر ایک زبان ہو کر بولے۔ اُسید! آپ غسل کیجئے۔ صاف کپڑے پہن کر آئیے اس کے بعد حق کی گواہی دیجئے۔ اس کے بعد نماز ادا کیجئے۔ چنانچہ اسنے کلمۂ توحید پڑھا۔ اور پھر کہنے لگا کہ میرے پیچھے ایک ایسا شخص ہے کہ جو اگر ایمان لے آیا تو ہمارا سارا قبیلہ مسلمان ہو جائے گا۔ اور تم ٹھہرو میں اسے ابھی یہاں بھیجتا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد سعد بن معاذ آئے اور بڑے غضبناک ہو کر اسعدؓ بن زرارہ اور مصعبؓ سے مخاطب ہوئے۔ مگر مصعبؓ نے اُسی طرح نرمی کے ساتھ انہیں ٹھنڈا کیا اور اسلام کی تعلیم سے آگاہ کیا۔ زیادہ دیر نہ گزری کہ سعدؓ نے بھی حق کی گواہی دی اور کلمۂ شہادت پڑھ لیا۔ چنانچہ مصعبؓ کی طرزِ تبلیغ و اندازِ گفتگو کا یہ عالم تھا کہ اسلام دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہا تھا۔ اور چراغِ حق ہر گھر میں روشن ہو چکا تھا۔ بجز بنی امیہ بن زید خطمہ۔ وائل اور چند ایک لوگوں کے تمام کے تمام گھرانے رسولؐ پاک کی آمد سے پہلے آپؐ کے استقبال کرنے والوں میں شامل ہو چکے تھے۔

جنگِ بدر کے موقعہ پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفید رنگ کا پرچم مصعبؓ کو ہی دیا تھا۔ سفید پرچم بردار مصعبؓ یوم فرقان میں خدائی لشکر کا علمبردار تھا۔ جبکہ مشرکین کی طرف سے اس کا بھائی ابوعزیز بن عمیر علَم بردار تھا۔ جب حضورؐ نے بدر کے قیدیوں کو صحابہ کرام میں تقسیم فرمایا تو ابوعزیز بن عمیرؓ ابو یسرؓ کے حصّے میں آیا۔ جنہوں نے اسے قید کیا تھا۔ مصعبؓ وہاں سے گزرے تو ابو یسرؓ سے کہنے لگے کہ اس پر اپنی گرفت مضبوط رکھنا۔ کیونکہ اس کی ماں ساز و سامان والی ہے۔ شاید وہ اپنے بیٹے کے عوض دے کر بیٹے کو چھڑا لے[1]۔ ابوعزیز بن عمیر نے بھائی کی صاف گوئی

[1] :- ابن اسعد؛

پر تعجب کیا اور کہنے لگا کہ آپ کی اپنے سگے بھائی کے متعلق یہی وصیت ہے؟ مصعبؓ نے جواب دیا " تو میرا بھائی نہیں ہے بلکہ میرا وہ بھائی ہے جس کی تو قید میں ہے۔ پھر ابوعزیز کی ماں نے پوچھا کہ زیادہ سے زیادہ کتنا فدیہ ہے۔ جس پر کسی قریشی کو چھوڑا جاتا ہے۔ اسے بتایا گیا کہ چار ہزار درہم تو اس نے چار ہزار درہم بخوشی دے کر اپنے بیٹے کو چھڑا لیا۔ اور اس طرح حضرت مصعبؓ کی والدہ نے اپنے بیٹے ابوعزیز کی رہائی کے لئے بھاری معاوضہ ادا کیا جیسے کہ مصعبؓ نے اندازہ کیا تھا۔

جنگِ اُحد کے موقعہ پر پہلے علَم حضرت علیؓ کے پاس تھا۔ لیکن جب حضورؐ کو اطلاع ملی کہ قریش کا علَم بردار طلحہ ہے تو آپؐ نے حضرت علیؓ سے مہاجرین کا جھنڈا لے کر مصعبؓ بن عمیر کے سپرد کر دیا۔ کیونکہ مصعبؓ ہی طلحہ کے خاندان کے ایک فرد تھے۔ جو قریش کے مورثِ اعلیٰ قصیٰ بن کلاب کے قائم کردہ انتظام کے ماتحت جنگوں میں قریش کی علمبرداری کا حق رکھتا تھا۔ آپؐ نے حضرت مصعبؓ کو جھنڈا دیتے ہوئے فرمایا۔ "ہم تو وفاداری دکھانے کے حقدار ہیں"۔

مصعبؓ بن عمیر وہ بہادر شخص ہے جس نے علمبرداری کا حق ادا کرتے ہوئے چھاتی کے زور پر جھنڈا سنبھالے رکھا اور اسلام کا جھنڈا سرنگوں ہونے نہ دیا۔ اسنے جامِ شہادت پیا لیکن جھنڈا ان کی چھاتی سے جُدا نہ ہوا جب تک دوسرے مسلمان نے آگے بڑھ کر علَم کو تھام نہ لیا۔ جنگِ اُحد میں جب چند مسلمانوں کی غلطی سے جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ اور فتح کی جگہ ناکامی و پریشانی نے لے لی تھی۔ تو ایسے وقت میں قریش کے ایک سپاہی عبداللہ بن قمیئہ نے حضرت مصعبؓ پر وار کیا اور ان کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا۔ انہوں نے جھنڈا بایاں ہاتھ بڑھا کر تھام لیا۔ لیکن دشمن نے دوسرے وار سے دوسرا ہاتھ بھی کاٹ ڈالا مصعبؓ نے دونوں کٹے ہوئے ہاتھوں کو جوڑ کر جھنڈا لے کر سنبھالنے کے لئے چھاتی سے

چھٹالیا۔ اس پر عبداللہ بن قیمہ نے تیسرا وار کیا جس سے آپؓ کو شہید کر دیا۔ آپؓ گر گئے لیکن جھنڈا گرنے نہ دیا حتیٰ کہ دوسرے مسلمانوں نے بڑھ کر سنبھال لیا اور اس طرح اس حق کو ادا کیا جو رسولِ خدا نے آپ کے ذمہ لگایا تھا۔

چونکہ حضرت مصعبؓ ڈیل ڈول کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ملتے جلتے تھے[1] اس لئے ابن قیمہ نے شرارتاً شور مچا دیا کہ میں نے محمدؐ کو مار لیا ہے۔ حضرت مصعبؓ کی شہادت کے بعد حضورؐ نے علم حضرت علیؓ کے سپرد کر دیا تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں مصعبؓ مکہ کے نوجوانوں میں سب سے زیادہ خوش پوشاک اور بانکے سجیلے جوان تھے۔ چونکہ امراء خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے ناز و نعمت سے پلے ہوئے تھے۔ لیکن اسلام لانے کے بعد انکی حالت بالکل بدل گئی تھی۔ یہانتک کہ وہ اکثر و بیشتر پیوند والے کپڑے پہنتے تھے۔ روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پیوند لگے کپڑے پہنے دیکھا تو آپؐ چشم پُرآب ہو گئے[2]

احد کی جنگ میں جب وہ شہید ہوئے تو ان کے پاس اتنا کپڑا بھی نہیں تھا کہ ان کے جسم کو ڈھانپ سکے۔ یہی وجہ تھی کہ جب رسولِ خدا نے جنگ احد کے شہداء کو انہیں کے لباسوں میں دفن کر دیا تھا۔ جس کے پاس کوئی کپڑا تھا تو کفن دے دیا ورنہ کفن نہیں دیا گیا تھا۔ لیکن جب حضرت مصعبؓ کو دفن کیا گیا تو جب ان کے بدن کو چھپایا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے۔ اور جب پاؤں ڈھانپتے تھے تو سر ننگا ہو جاتا تھا۔ چنانچہ حضورؐ نے حکم دیا کہ سر کو ڈھانپ کر پاؤں کو گھاس سے چھپا دیا جائے[3] سو ایسا ہی کیا گیا۔ حضرت مصعبؓ کی بیوی حمنہؓ کو ان سے بے حد پیار تھا۔ کیونکہ وہ ایک محبت کرنے والے حلیم الطبع شخص تھے۔ ابن اسحاق نے کہا کہ جب رسولِ خدا مدینہ کی طرف جنگ احد سے واپس

[1]: - ابن ہشام صفحہ ۱۲۲ باب ۶۶ ؛ [2]: - ترمذی ابواب الزہد۔ [3]: - بخاری حالات احد ؛

لوٹے تو آپؐ سے حمنہؓ بنت جحش ملیں۔ لوگوں نے ان کو بھائی عبداللہ بن جحش کی شہادت کی خبر دی وہ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون کہہ کر خاموش ہو گئیں اور خدا کے حضور مغفرت کی دعا مانگی۔ پھر حمنہؓ کے ماموں حضرت حمزہؓ کی شہادت کی خبر صحابہ کرام نے دی تو اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون دوبارہ پڑھا اور مغفرت کی دعا مانگی۔ لیکن صابر و شاکر حمنہؓ کو جب ان کے شوہر مصعبؓ بن عمیر کی شہادت کی خبر سنائی گئی تو وہ بے ساختہ روئی اور چیخنا شروع کر دیا۔ اس پر رسولِ خداؐ نے فرمایا :-

"عورت کے نزدیک دراصل شوہر کا ایک مقام ہے"

کیونکہ حمنہؓ بھائی اور ماموں کی خبر سن کر تو ضبط کر گئیں۔ لیکن شوہر کی خبر سن کر ضبط نہ کر سکیں[1]

بیشک حضرت مصعبؓ ایک عظیم شوہر اور ایک سچے سپوت اور اسلام کے بہادر علمبردار تھے۔ جو شہداء احد میں شامل ہو کر ہمیشہ کے لئے زندہ ہو گئے ؛

✹

[1]: - ابن ہشام صفحہ ۶۶ باب ۱۱۳ ؛

پہلا مُسلمان شاعر —— طفیل بن دوسی

۲ سال قبل ہجرت

اہلِ قریش "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہونے والے چند لوگوں سے ہی اتنے نالاں تھے کہ ان کی زندگی کا مقصد ہی ایک بن گیا تھا اور وہ تھا اس خدائی تعلیم کو جڑھ سے اکھیڑ پھینکنا۔ اور اس مقصد کے لئے انہوں نے ہر ممکن تدابیر شروع کر دیں۔ انہوں نے مصائب کے پہاڑ اُن پر توڑنے شروع کئے اور ہر شخص کو آپؐ کے پاس جانے سے روکنا شروع کیا۔ اور وہ انہیں ڈراتے تھے کہ کہیں محمدؐ کی باتوں کا جادو نہ چل جائے۔ اسی طرح طفیلؓ بن دوسی بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے مجھے کہا طفیل تم ہماری بستی میں آئے تو ہو۔ لیکن دیکھو یہ شخص جو ہمیں میں سے ہے ہمیں سخت مشکلات میں ڈالے ہوئے ہے۔ ہماری جماعت کو پراگندہ کر رکھا ہے۔ ہمارے عقائد کو ملیا میٹ کر رہا ہے۔ اور ہمارے احباب کو پریشان کر رہا ہے۔ اس کی بات جادو کی سی ہے۔ بیٹے کو باپ سے اور بھائی کو بھائی سے شوہر کو بیوی سے اور ماں کو بیٹے سے جُدا کر دیتا ہے۔ ہمارے دل میں تمہارے اور تمہاری قوم کے لئے فتنے کا خوف ہے۔ اس لئے نہ تو تم اس سے بات کرو اور نہ اُس کی بات سنو! "طفیل کہتے ہیں میں نے ارادہ کر لیا کہ اس شخص کی کوئی بات نہ سنوں گا۔

چنانچہ جب صبح وہ مسجد کی طرف گئے تو اپنے کانوں میں اس خوف سے کہ کوئی بات سنائی نہ دے روئی ٹھونس لی۔ لیکن وہاں جب پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کے نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبتہ اللہ کے پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں! اور خدا تعالیٰ

کا تصرف جب کسی شخص پر ہو تو اس کے اپنے ارادے سب مسخر ہو جاتے ہیں چنانچہ طفیل رضؓ بن دوسی وہیں آپؐ کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے۔ آپؐ قرآن مجید باآوازِ بلند پڑھ رہے تھے۔ اور اس کے کانوں کو خُدا تعالیٰ نے قرآن مجید کی رفعت سے متأثر کر دیا۔ اور وہ کان جن میں روئی ٹھونسی ہوئی تھی کچھ نہ کچھ قرآن مجید کی تاثیر سے محظوظ ہوئے۔ طفیل کہتے ہیں۔ میں نے اچھا کلام سنا اور اپنے دل میں کہا "تیری ماں تجھ پر روئے۔ واللہ! میں عقلمند ہوں۔ شاعر ہوں۔ اچھا بُرا مجھ سے پوشیدہ نہیں پھر کیا چیز اس سے روکتی ہے۔ کہ یہ شخص جو کچھ کہتا ہے اسے سنوں اور جو بھی اچھی ہو اسے قبول کروں اور بُری ہو تو اس کو چھوڑ دوں"۔ پھر انہوں نے روئی نکال دی۔ اور رسولِ خُداؐ کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ یہاں تک کہ رسولِ خُدا اپنے دولت خانہ پر تشریف لے گئے۔ اور طفیل بن دوسی بھی آپؐ کے ساتھ اندر تشریف لے گئے۔ اور وہاں جا کر یوں گویا ہوئے۔ کہ اے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ کی قوم نے مجھے ایسا ایسا کہا تھا۔ واللہ وہ آپؐ کے معاملہ سے اس قدر ڈراتے رہے کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی مگر اللہ تعالےٰ نے اس کے سوا کچھ نہ چاہا کہ آپؐ کی بات مجھے سنائے۔ میں نے سُنی اور اچھی بات سُنی۔ پس آپؐ مجھے اپنے اصول بتائیے۔ خُدا کے محبوبؐ رسُول نے اسلام کی تعلیم طفیل بن دوسی کے سامنے پیش فرمائی اور تلاوت فرمائی۔ "واللہ! اس سے بہتر بات میں نے کبھی نہیں سُنی نہ ایسے معتدل اصول سُنے۔ پس جی میں اسلام اختیار کیا۔ اور سچی بات کی گواہی دی اور کہا۔ "اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسا شخص ہوں کہ میری بات لوگ مانتے ہیں۔ اب میں ان کی طرف لوٹ کر جانے والا ہوں اور انہیں اسلام کی طرف دعوت دوں گا۔ پس اللہ تعالیٰ سے دُعا کیجئے کہ مجھے کوئی نشانی عطا فرمائے۔ جو اس دعوت میں میری راہنمائی فرمائے۔ پس "اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لَہٗ اٰیَۃً" کا وِرد کرتے ہوئے وہ اپنی قوم کی طرف چل پڑے۔ طفیلؓ بن دوسی کہتے ہیں کہ جب میں دو پہاڑوں کے درمیان تھا کہ میری دونوں آنکھوں کے درمیان چراغ کی سی

روشنی پیدا ہوگئی۔ مَیں نے کہا اے میرے خُدا اس کو میرے چہرے کے سوا میری
کسی دوسری چیز میں ظاہر فرما۔ مَیں ڈرتا ہُوں کہ میری قوم یہ خیال نہ کرے کہ اپنا آبائی
مذہب چھوڑنے کی وجہ سے یہ سزا مجھے مل گئی ہے۔ اور یہ خارق عادت بات پیدا ہوگئی
ہے۔ پھر تو اس روشنی نے جگہ بدل لی۔ اور گھوڑے کے سر پہ نمودار ہوگئی۔ پھر تو کیا
تھا۔ بستی والے وہ نُور میرے گھوڑے میں قندیل کی طرح لٹکا ہُوا دیکھتے لگے
اور مَیں پہاڑوں کے درمیان راستہ بناتے ہُوئے چلتا جاتا تھا[1] باپ بیوی اور
اہلِ خاندان نے اسلام قبول کر لیا[2]۔ پھر طفیل رضی بن دوسی اپنی سرزمین میں دعوتِ
اسلام دیتے چلے گئے اور خدا تعالےٰ نے وہ نشان دکھلاکر ان راہنمائی کی کہ اس کے
قبیلے کے لوگ اور گاؤں کے لوگ اسلام میں داخل ہونے شروع ہُوگئے۔ پھر مدینہ
کی طرف ہجرت کے بعد طفیل رضی اپنی تمام مسلمان قوم کو لے کر آپؐ کے پاس پہنچے
اور ستر اور اسی گھرانے وہاں آباد ہوگئے۔
جنگِ یمامہ میں وہ شریک ہُوئے اور اسی جنگ میں شہادت پائی۔

پہلی بیعت ـــــ بیعت عقبہ اُولیٰ

۶۲۱ء لعمر ۵۱ سال ۹ ماہ (ایک سال قبل ہجرت)

سیّد الانبیاءؐ نے جو روحانی جام چھ[1] خوش نصیبوں کو گیارہ (۱۱) سنہ نبوی کو پلایا تھا۔
اس سے کامیابی کی اُمید بہت حد تک بندھ گئی تھی۔ یثرب کے یہ چھ[2] مصدقین منیٰ کی
وادی میں ایسے وقت میں آپؐ سے ملے جب آپؐ قریش مکہ کے ہاتھوں بہت زیادہ
تمسخر و تحقیر کا نشانہ بن چکے تھے۔ اُن کا ملنا اس وقت ایک نعمت سے کم نہ تھا۔
کیونکہ خدا کا پیارا نبی کہ دنیا جس کا نصب العین براہ راست نہیں تھا۔ ہر ذرّہ میں
خدا تعالیٰ کا چہرہ ڈھونڈتا رہتا تھا۔ اور ہر ذرّہ میں اسے خُدا کا ہی چہرہ جھلکتا نظر
آتا تھا۔ اسعد بن ذراہ جو ابو امامہ کہلاتے تھے۔ عوف بن الحارث جو ابن عفراء
کہلاتے تھے۔ رافع بن مالک قلتبہ بن عامر عقبہ بن عامر اور جابر بن عبداللہ جو
تمام ہیم اللہ کے نام سے مشہور تھے[2] جب منیٰ کی وادی میں آپؐ کی باتیں سننے

پر راضی ہوگئے تو آپؐ نے انہیں بتایا کہ خُدا کی بادشاہت اب قریب آرہی ہے۔
بُت اب دنیا سے مٹا دیئے جائیں گے۔ نیکی اور تقویٰ دنیا میں قائم ہوجائیں گے
توحید دنیا میں قائم ہوگی۔ انہوں نے آپؐ کی باتیں سنیں اور بہت متاثر ہوکر اسلام
قبول کرتے ہُوئے وعدہ کیا کہ ہم مدینہ جاکر اپنی قوم سے بھی بات کریں گے اور اپنی
قوم کا فیصلہ آپؐ کے پاس پیش کریں گے۔ ہیم اللہ کا یہ وعدہ تھا۔ جو حضورؐ کو سالی بھر

---

[1]:۔ ابن ہشام جلد اوّل ۔
[2]:۔ ابن ہشام ص۴۴۳ باب ۶۴ ۔

ادس و خزرج کے حاجیوں سے ملنے کے لئے بیتاب کئے ہوئے تھا۔ دوبارہ حج
کے ایام آگئے۔ آپ نہایت شوق میں گھر سے نکلے۔ تو بارہ[۱۲] سعید روحیں آپ کو
مقام عقبہ میں ملیں[۱]۔ جونہی آپ کی نظر اہلِ یثرب پر پڑی آپ نے نہایت محبت و
اخلاص سے ان کا استقبال کیا۔ اہلِ یثرب نے یہودیوں سے بائبل کی پیشگوئی
کے مطابق سُن رکھا تھا کہ ایک نبی جو موسیٰؑ کا مثیل ہوگا ظاہر ہونے والا ہے۔ اس
کا وقت قریب آرہا ہے۔ جب وہ آئے گا تو ہم پھر ایک دفعہ دنیا پر غالب آجائیں
گے۔ جب ان بارہ[۱۲] حاجیوں نے آپ کی باتیں سنیں تو آپ کی سچائی ان کے گھر
کر گئی۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو وہی نبی معلوم ہوتا ہے جس کا یہودی ذکر کرتے تھے
یہ سُنی سنائی پیشگوئی بھی آپ پر ایمان لانے میں مؤید ثابت ہوئی۔ چنانچہ بیعت
جو بارہ[۱۲] اشخاص نے کی تاریخ میں بیعت عقبہ اولیٰ کہلاتی ہے۔ اس بیعت میں
ان یثرب والوں نے اقرار کیا کہ وہ سوائے خدا کے کسی اور کی پرستش نہیں
کریں گے۔ آپ نے یہ بیعت ان الفاظ میں لی۔ جن میں بعد میں عورتوں سے لیا
کرتے تھے۔ کیونکہ یہ واقعہ جنگ فرض ہونے سے پہلے کا تھا۔ انہوں نے بیعت
کی کہ وہ ایک دوسرے پر جھوٹے الزام نہیں لگائیں گے۔ نہ وہ خدا کے نبی کی
دوسری تعلیمات میں نافرمانی کریں گے۔ قتلِ اولاد سے باز رہیں گے۔ نہ چوری کریں
گے۔ چنانچہ یہ پہلی باقاعدہ بیعت تھی۔ جو مکہ سے باہر والے اشخاص کو نصیب
ہوئی۔ آپ نے فرمایا۔ تم اس قول و قرار پر قائم رہے تو تمہیں جنت نصیب ہوگی
اور اگر ان میں سے کسی گناہ کے مرتکب ہوئے تو تمہارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے اختیار
میں ہے۔ وہ چاہے تو سزا دے چاہے تو بخش دے[۲]۔ یہ لوگ قبیلہ خزرج اور
قبیلہ اوس کے تھے۔ واپسی پر اپنی قوم میں زیادہ زور سے تبلیغ شروع کر دی اور
بُت گھروں سے نکال نکال کر پھینکے جلنے لگے۔ یہودی حیران ہوتے تھے کہ بُت کے
آگے جھکنے والے سراب بُت شکن کس طرح بن گئے۔ یہ کیا انقلاب ہے کہ صدیوں کی دوستی
اور تبلیغ کی بناء پر جو لوگ بُت پرستی سے مُنہ نہیں پھیرتے تھے وہ چند اسلامی اصولوں کی

لہ:- ابنِ ہشام ا ؛ ۲ہ:- ابن ہشام

بناء پر بتوں سے بیزار ہوگئے تھے اور توحید اب ہر دل میں گھر کر رہی تھی۔ ایک سے دو
اور دو سے چار کا عمل شروع ہوگیا تھا۔ نبی موعود کے منتظر یہودی تو تماشہ ہی دیکھتے
رہے مگر اوس اور خزرج کے قبیلے بہت جلد جلد نورِ خدا سے منور ہوتے چلے گئے۔
یکے بعد دیگرے لوگ آتے اور مسلمانوں سے کہتے کہ ہمیں اپنا دین سکھاؤ۔ مگر نومسلم نہ تو
خود اسلام کی تعلیم سے پوری طرح واقف تھے نہ دوسروں کو تفصیلاً بتا سکتے تھے۔
چنانچہ وہ مصعبؓ بن عمیر کو اپنے شہر میں تبلیغ کرنے کے لئے ساتھ لے گئے تاکہ دین کے
معاملہ میں ان کی راہنمائی کریں۔ حضور نبی کریمؐ نے ان کی درخواست پر مصعب کو مکہ کے باہر
پہلا مبلغ اسلام بنا کر بھیجا۔ اور انہیں حکم دیا کہ لوگوں کو قرآن پڑھائیں۔ اسلام کی تعلیم دیں۔
اور ان میں دین کی سمجھ پیدا کریں۔ اسی لئے مصعبؓ بن عمیر کا نام مقری المدینہ پڑ گیا تھا[۱]۔
وہ مدینہ میں نماز پڑھاتے سارا سارا دن تبلیغ میں لگے رہتے۔ ان کی قیام گاہ ابو
امامہؓ اسعد بن زراہ کا گھر تھا۔ اسلام میں اس بیعت کو اتنی اہمیت حاصل ہے۔ کہ یہ
پہلی اور ابتدائی بیعت تھی۔ جو اسلام کے انوار کو خطۂ مکہ سے نکال کر یثرب کی طرف
لے گئی۔ اور نور کی کرنیں یثرب کے ہر قبیلہ کے در و دیوار پر چمکنے لگیں۔ سعدؓ بن معاذ
جیسے جلیل القدر صحابی بھی اسی بیعت کے نیچے حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے۔ انکا جوشِ
اسلام اتنا تھا کہ انہوں نے اپنے قبیلہ کی طرف واپس جاکر تمام قبیلہ کو ایک ہی جملہ
سے مشرک سے مومن میں تبدیل کر دیا۔ اور وہ جملہ یہ تھا۔ کہ

”میرے ساتھ تمہارا کوئی تعلق نہیں جب تک تم اللہ تعالیٰ اور اس کے
رسولؐ پر ایمان نہ لاؤ۔“

پس پھر تو کوئی متنفس پیچھے نہ رہا جو ایمان نہ لایا۔ اور اپنے سردار اور رئیس اعظم
کے جملہ کی لاج رکھتے ہوئے مسلمان نہ ہوگیا ہو۔ یہانتک کہ انہوں نے خود اپنے ہاتھوں
سے بت نکال نکال کر توڑ دیئے۔ اور خدا کا پیارا رسولؐ مکہ میں بیٹھ کر خدائے مطلق
کے وعدوں پر بھروسہ رکھتے ہوئے اگلے حج کے موقع کا پھر انتظار کرنے لگے۔

لہ:- ابن ہشام ص۴۴۴ باب ۶۶۔

آپؐ کا سفرِ ہجرت ـــــ ہجرتِ عظمیٰ

۶۲۲ سنہ عمر ۵۲ سال ۱۱ ماہ ربیع الاول شب جمعۃ المبارک

تیرہ سال رات دن رؤسائے قریش کے ہاتھوں آپؐ نے جو مصائب برداشت کئے وہ چشمِ فلک نے کہاں دیکھے ہوں گے؟ لیکن چونکہ آپؐ کا مشن لاثانی اور عالمگیر تھا اس لئے مصائب و ایذائیں بھی بے مثال اور شدید تھیں تا آپؐ یہ مصائب برداشت کرتے کرتے اتنے تنگ آگئے کہ روحانی آبادی قائم کرنے کے لئے رضا بالقضاء آمادہ ہوگئے بتاریخ چودہ نبوی یکم ربیع الاول بروز پیر وجہ تخلیقِ کائنات محمدؐ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آبائی گاؤں کو الوداع کہہ رہے ہیں۔ وہی گاؤں جس میں حضرت عبد المطلب حضرت ابو طالب۔ حضرت خدیجہؓ۔ حضرت آمنہؓ اور خود رسولؐ خدا کے شب و روز گزرے تھے۔ جو آپؐ کو بہت پیارا تھا جس کو خیر باد کہتے ہوئے آپؐ نے فرمایا:۔

"اے مکہ کی بستی تو مجھے سب جگہوں سے زیادہ عزیز ہے۔ مگر تیرے لوگ مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے۔"

بے شک اہلِ مکہ دار الندوہ میں قصی بن کلاب کے گھر پر مشورہ کرنے کے لئے جمع ہوئے وہ لوگ قطعی اور آخری فیصلہ کر چکے تھے کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خاتمہ ہی اصل جھگڑے کو اختتام پذیر کرے گا اور آج یوم الزحمت کو حتمی فیصلے پر متفق ہوگئے کہ قبیلہ کا ایک ایک جوان چُنا جائے جن کے ہاتھوں میں تلواریں دے دی جائیں۔ پھر یہ لوگ ایک آدمی کی طرح محمدؐ پر حملہ کر دیں اور اُسے قتل کر دیں۔ ایسا کرنے سے

اس کا خون متفرق قبائلِ قریش میں پھیل جائے گا۔ اور بنو ہاشم کو اتنی جرأت نہیں ہوگی کہ وہ ساری قوم کے ساتھ لڑے۔ پس لامحالہ ان کو خون بہا ادا کر دیا جائے گا۔ جو انہیں قبول کرنا پڑے۔ یہ رائے جو فیصلہ کن تھی۔ ابو جہل رئیس المعاندین کی تھی۔ جس کا دل تیرہ۱۳ برس تک چراغِ وحی گُل کرنے کی کوشش میں جلتا رہا تھا۔ اور کبھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ اور یہی تھا فیصلہ اہلِ قریش کا۔ لیکن ادھر خداوندِ عالم کا بھی ایک فیصلہ تھا۔ وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ...... وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ ؕ اور یاد کرو جب کفارِ مکہ تمہارے متعلق منصوبے کرتے تھے۔ کہ تجھے قید کر دیں یا قتل کر دیں یا جلا وطن کر دیں اور خوب منصوبے گانٹھ رہے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی جگہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ بہتر تدبیریں کرنے والا ہے۔

پس آج یکم ربیع الاول بروز پیر حق و باطل کی جنگ تھی اور خدا تعالیٰ نے بتانا تھا کہ میں اور میرے رسولؐ کس طرح غالب آتے ہیں۔ قریش کے سرغنہ مشیرِ خاص عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ۔ ابو سفیان۔ ابو البختری۔ ذمعہ بن الاسود۔ حجاج کے دونوں بیٹے۔ امیہ بن خلف اور ابو جہل تمام کے تمام اپنی سکیم پر عمل پیرا ہونے کے لئے چنیدہ آدمیوں کو مقرر کر کے رات کی تاریکی میں آپؐ کے گھر پر حلقہ بنا گئے اسی رات جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا "کہ آج رات آپؐ اپنے بستر پر آرام نہ کریں جس پر روزانہ آرام فرماتے تھے۔"

آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ۔ تاکہ کفار اگر جھانک کر دیکھیں تو انہیں یہ دکھائی دیتا رہے کہ کوئی شخص بستر پر لیٹا سو رہا ہے۔ اور وہ تعاقب کے لئے ادھر اُدھر نہ نکل کھڑے ہوں۔ چنانچہ اُدھر یہ لوگ مشورہ کر کے نکلے کہ رحمۃٌ للعالمین کے خون سے اپنے پلید ہاتھ رنگیں اور ادھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو اس بد ارادہ کی خبر دیدی۔ آپؐ نے اجازت پاتے ہی حضرت اسمٰعیلؑ کی طرح سرِ تسلیم خم کر دیا۔ دشمنِ خدا صبح کی روشنی کے انتظار میں تھے کہ چشمۂ انوار خطہ بتکدہ سے نکلے۔ موعود مقام کی طرف چل پڑے۔ اور ماکرین کی آنکھوں میں ہمیشہ ہمیش

کے لئے ناکامی کی سیاہی چھوڑ گئے۔ جو رات چھپنے پر بھی نہ چھٹی۔ حضرت علیؓ اطمینان کے ساتھ آپؐ کے بستر پر لیٹ گئے۔ اور اس وقت یہ بھی نہ کہا کہ یا رسول اللہ کفار کے چنیدہ نوجوانوں کے ہاتھوں میں تلواریں ہوں گی۔ صبح حقیقت معلوم ہونے پر وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ حضرت علیؓ کو یہ معلوم نہ تھا کہ مجھے اس ایمان کے بدلے میں کیا ملنے والا ہے۔

پیشگوئی کے مطابق جب رسولؐ خدا مکہ سے نکلے تو ایسی حالت میں نکلے کہ جب ننگی تلواروں کے ساتھ دشمن نے آپؐ کے مکان کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ اور وہ چاہتا تھا کہ آپؐ کا خاتمہ کر دے۔ مگر خدا تعالیٰ کی قدرت نمائی شروع ہوئی اور آپؐ وہاں سے سورۃ یٰسین کی تلاوت کرتے ہوئے نکل گئے۔ [۱]

حضرت ابوبکرؓ کے گھر سیدھے گئے وہاں سے دونوں دوست مکہ کی گلیوں سے خاموشی اور سناٹے کے عالم میں گزر کر غارِ ثور میں جا پناہ گزیں ہوئے تو دیوانوں نے ناکامی کے جنون میں حضرت علیؓ کو مارا۔ حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی کو ڈانٹا اور اعلانِ عام کر دیا کہ جو کوئی محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زندہ یا مردہ پکڑ کر لائے گا اس کو سو اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔ آج مقصودِ کائنات کے لئے سو اونٹ انعام کی شرط ہے۔ ایک دن آپؐ کے والد عبداللہ کے لئے یہی سو اونٹ خون بہا مقرر ہوا تھا۔ اور سو اونٹ قربان کر کے حضرت عبداللہ کو زندگی ملی تھی۔ آج وہی قوم سو اونٹ دے کر بیٹے کی زندگی چھین رہی ہے اور یہی قوموں کے اطوار رہے ہیں۔ کبھی سو اونٹ زندگی کی قیمت۔ اور کبھی سو اونٹ موت کے دام ہیں۔

حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ جب رسولِ کریمؐ اور حضرت ابوبکر نکل گئے تو ہمارے ہاں قریش کی ایک ٹولی آئی جس میں ابوجہل بھی تھا۔ وہ آکر دروازہ پر کھڑا ہو گیا۔ اور بولا "اے ابوبکرؓ کی بیٹی؟ تیرا باپ کہاں ہے؟ میں نے کہا۔ واللہ میں نہیں جانتی۔ ابوجہل نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور وہ بدمعاش خبیث تھا میرے

[۱]: ۔ ابن ہشام صفحہ ۲۹۰ باب ۴۲ ؎

گال پر ایسا تھپیڑ مارا کہ میرے کان کی بالی گر گئی"۔ [۱]

پس ہجرت عین الدار کے بعد آپؐ غار ثور میں پناہ گزین ہوئے۔ دشمن تلاش کرتا کرتا سر پر آن پہنچا۔ ابوبکرؓ گھبرا گئے۔ اپنے لئے نہیں بلکہ اپنے محبوب دوست کے لئے اور کہا یا رسول اللہ! دشمن سر پر کھڑا ہے اگر کوئی نظر نیچی کرے گا تو ہمیں دیکھ لے گا۔ تو آپؐ نے فرمایا اے ابوبکرؓ مت ڈرو۔ یقیناً خدا ہمارے ساتھ ہے۔ (پھر وہ کیونکر دیکھ سکتے ہیں) سبحان اللہ! کیسا توکل ہے۔ دشمن سر پر کھڑا۔ اور اتنا نزدیک ہے کہ ذرا آنکھ نیچے کرے اور دیکھ لے۔ لیکن آپؐ کو خدا تعالیٰ پر ایسا یقین ہے کہ باوجود سب اسباب مخالف کے جمع ہو جانے کے آپؐ یہی فرماتے ہیں لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا خدا تعالیٰ پر کامل توکل ہی کامیابی کی علامت ہے۔

چنانچہ حضرت رسولِ خدا مع اپنے رفیقِ خاص تین رات دن اس غار میں پوشیدہ رہے۔ حضرت اسماء بنت حضرت ابوبکرؓ رات کے اندھیرے میں آکر کھانا دے جاتیں۔ چوتھے دن غار سے باہر تشریف لائے۔ عبداللہ بن اریسقط کی راہنمائی میں یہ مختصر قافلہ یثرب کی طرف روانہ ہو گیا۔ معروف شاہراہ سے ہٹ کر ظہر تک سفر برابر جاری رہا۔ آپؐ سورۃ یٰسین کا ورد کر رہے تھے کہ سُراقہ بن مالک نے آپؐ کا تعاقب شروع کر دیا۔ جب قریب ہوا تو آپؐ کی توجہ کے نتیجہ میں اسکی سواری نے ٹھوکر کھائی اور اس کے پاؤں زمین تک دھنس گئے۔ یہ حادثہ اس کے ساتھ تین دفعہ ہوا۔ یہانتک کہ اس کی نگاہِ بصارت نے کام کیا اور اس نے اتر کر امان طلب کی جو کہ رحمۃ للعٰلمین کے حضور سے نصیب ہو گئی۔ اس موقعہ پر حضورؐ نے فرمایا۔ سُراقہ میں تیرے ہاتھوں میں سونے کے کنگن دیکھ رہا ہوں۔ اس نے بڑے تعجب سے پوچھا۔ یا رسول اللہ میرے ہاتھوں میں کنگن؟ ؏

[۱]: ۔ ابن ہشام صفحہ ۲۹۳ باب ۴۲ ؎

پہلا غلبہ اور ہجرت

سراقہ بن مالک بن جشم

۱۴ البعثت نبوی بعمر ۵۲ سال ۱۱ ماہ ۲۳ دن

اگرچہ ہجرت کی گھڑی سے ہی غلبہ کی گھڑی شروع ہوگئی تھی۔ جب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ننگی تلواروں کے محاصرہ میں سے دشمن کو اندھا کر کے صاف نکل آئے تو ہر قبیلہ کا ہوشمند نوجوان آنکھیں میچ میچ کر دیکھتا تھا کہ وہ انسان کہاں گیا؟ کدھر سے گیا؟ اور کیسے گیا؟ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائیاں چھین لی تھیں۔ اور وہ آپؐ کو دیکھ نہ سکتے تھے۔ آپؐ خدا تعالیٰ کی حفاظت میں مکہ سے نکل گئے۔ دوسری دفعہ پھر جب سید البشر دنیا والوں کی نظر سے چھپ کر غارِ ثور میں پناہ گزین ہوئے تو رؤسائے قریش اور ہوشیار ترین کھوجی غار کے منہ پر پہنچ بھی گئے۔ مگر ان سے دوسری بار پھر بینائی چھین لی گئی تھی۔ اور وہ منزل پر پہنچ کر اندھے، گونگے اور بہرے ہوگئے تھے۔ دونوں مواقع ایسے معجزاتی تھے کہ دشمن کی بصارت کو نبی پاکؐ کے بابرکت وجود کو دیکھنے کی اجازت نہ تھی۔ خدا تعالیٰ نے اُن کی بصری طاقت چھین لی تھی۔ مگر حقیقی غلبہ غارِ ثور سے نکلنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ جب انعام کے طمع میں تعاقب کرنے والے کی آنکھوں نے آپؐ کو دیکھ بھی لیا۔ آپؐ دشمن کے بالکل سامنے آگئے اور نورانی چادر جو آپؐ کے وجود کو ڈھانپے ہوئے تھی۔ سراقہؓ بن مالک کی نظریں اس کے ورے چلی گئیں۔ سراقہؓ بن مالک پہلا شخص تھا جو اس نیت سے اپنے گھوڑے پر سوار ہاتھ میں نیزہ لئے آپؐ کے قریب پہنچا۔ اور

اُس نے آپؐ کو دیکھ بھی لیا۔ گویا دشمن اس مقام پر آپؐ کو دیکھنے میں کامیاب ہوگیا۔ مگر اس مقام پر بھی دشمن کی کامیابی نہ تھی۔ رسولِ خدا کی ہی کامیابی تھی اور یہی آپؐ کا غلبہ تھا۔ اس فرمانِ الٰہی کے مطابق کہ "لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ" غلبہ کی ساعت شروع ہوگئی اور ہر مقام پر خدا اور اس کا رسولؐ غالب ہوتا رہا۔ خدا تعالیٰ نے آج ۱۴ سنہ نبوی ارادہ ظاہر کر دیا کہ "مخالف طاقتیں توڑ دی جائیں گی۔ ان طاقتوں نے بہت دیر حکومت کر لی ہے۔ اب خدا تعالیٰ کی غیرت بھڑک رہی ہے۔" اور خدا تعالیٰ کا غلبہ شروع ہوتا ہے۔ تو دنیوی طاقتیں بے حقیقت ہو جاتی ہیں۔ ایسے ہی یہ غلبہ کا دور شروع ہو چکا تھا۔

آپؐ کے بچ نکلنے کے بعد ائمۃ الکفر نے آپؐ کے سر کا انعام مقرر کیا۔ "اس شخص کو سَو اونٹ انعام دیئے جائیں گے جو ہم تک محمدؐ کو زندہ یا مُردہ پہنچا دے۔" یہ انعام کا لالچ کافی حوصلہ مند چیز تھی۔ سراقہ بن مالک نے دل میں ٹھان لی کہ وہ انعام ضرور جیتے گا۔ وہ پختہ یقین لے کر نکلا کہ سَو اونٹ اس کا مقدر ہیں۔ اُس نے اپنا وہ گھوڑا جو بطنِ وادی میں چرنے کے لئے لمبے عرصہ سے باندھ رکھا تھا۔ اور ایسے موقعہ کے لئے ہی تیار کیا ہوا تھا۔ ساتھ لیا اور ہتھیار باندھ کر زرہ پہن لی اور فال نکالی۔ لیکن فال وہ نکلی جسے وہ پسند نہ کرتا تھا۔ کیونکہ اس طرح اس کا مشن ناکام ہو جاتا تھا۔ دو تین بار فال وہی نکلی۔ جس سے رسولِ خداؐ کو ضرر نہ پہنچ سکتی تھی۔ سراقہ کہتا ہے: "مجھے اُمید تھی کہ آپؐ کو قریش کے پاس لاؤں گا اور قریش سے سَو اونٹ لوں گا۔ پھر میں سوار ہو کر آپؐ کے نشانِ قدم پر چلا۔ میرا گھوڑا دوڑ رہا تھا کہ ٹھوکر کھائی۔ اور میں اس سے گر پڑا۔ میں نے دل میں کہا آخر یہ کیا بات ہے؟ پھر میں نے تیر نکالا تو وہی فال نکلی۔ لیکن میں کوئی دوسری صورت قبول کرنے کو تیار ہی نہ تھا۔ دوبارہ پیچھا کیا تو میرے گھوڑے نے ایسی ٹھوکر کھائی کہ اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ اور میں اس سے گر پڑا۔ گھوڑے کے

پاؤں زمین سے نکالے تو ساتھ ہی بگولے کی طرح دھواں نکلا تب میں نے جان
لیا کہ آپؐ مجھ سے محفوظ رکھے گئے ہیں۔ پس خدا کی قدرت نمائی شروع ہوئی اور
کامیابی کا دروازہ آپؐ پر کھل گیا۔ تعاقب کرنے والے اور آپؐ کے درمیان معمولی
فاصلہ ہے۔ گویا آپؐ ان کی پہنچ میں ہیں۔ وہ انعام کے نشے میں مخمور سو اونٹوں کے گلے
کو اپنے سامنے دیکھتا ہے۔ شکار بھی ایسے حال میں ملا۔ کہ انسانی طاقتیں اس کے ساتھ
نہیں تھیں۔ مگر روحانی اور غیبی طاقتیں اس کو مل رہی ہوں۔ مدد اور حفاظت کا اذن
جسے نصیب ہو۔ پھر ایک سراقہ کیا ہزار سراقہ بھی آپؐ کا کچھ بگاڑ نہ سکتے تھے۔ آخر دو
تین بار کرشمۂ اعجاز دیکھ کر سراقہ نے توبہ کرلی اور بآواز بلند رسولؐ خدا کو پکارا۔ اے
جانے والو! ذرا رک جاؤ، اتنی مہلت دو کہ میں تم سے کچھ بات کرسکوں۔ واللہ! میں
کوئی دغاباز نہیں ہوں۔ اور نہ ہی ایسی کوئی بات کروں گا جو تمہیں ناپسند ہو۔
رسولِ خدا نے فرمایا۔ کہ اس سے پوچھو وہ کیا چاہتا ہے۔ آپؐ بڑے اطمینان سے
تلاوت فرماتے جارہے تھے۔ سراقہ آگے بڑھا اور عرض کیا: "میں آپؐ کے
تعاقب میں آیا تھا۔ مگر واپس جاتا ہوں۔ مجھے امن کی تحریر آپؐ لکھ دیں۔ اور میں وعدہ کرتا
ہوں کہ جو کوئی بھی مجھے تعاقب کرنے والا ملا میں اُسے پھیر دوں گا۔" اُس نے خواہش
کی کہ مجھے سندِ امان لکھ دی جائے۔ آپؐ کے ارشاد پر حضرت ابوبکرؓ نے کاغذ یا
ٹھیکری پر یہ تحریر لکھ کر دی۔ جس میں کسریٰ کے کنگن کی پیشگوئی کی گئی تھی۔ رسولؐ
خدا نے جب مکہ فتح کیا اور حنین اور طائف کی جنگوں سے فارغ ہوئے تو سراقہؓ
وہ تحریر لے کر حاضر ہوا۔ بیان کرتا ہے کہ میں رسولِ خدا کے قریب گیا۔ آپؐ اونٹنی
پر سوار تھے۔ میں نے تحریر نکال کر ہاتھ بلند کیا۔ یا رسولؐ یہ میری نسبت آپؐ کی تحریر
ہے۔ يَوْمُ وَفَاءٍ وَبِرٍّ آج کا دن وعدوں کو پورا کرنے کا دن ہے پھر سراقہ
نے اسلام قبول کیا۔ خداوند عالم کی قدرت ملاحظہ ہو کہ جب حضرت عمرؓ کے وقت
میں ایران فتح ہوا تو کسریٰ کا خزانہ غنیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ آیا جس میں کسریٰ

کے کنگن بھی آئے۔ حضرت عمرؓ نے سراقہؓ کو بلایا۔ اپنے سامنے اس کے ہاتھ
میں کسریٰ کے کنگن جو جواہرات سے مرصع تھے پہنائے اور یوں خدا کا رسولؐ غالب
آیا۔ کہ دیکھنے والے نے دیکھ لیا۔ پکڑنے والے نے پالیا۔ اور بالمشافہ باہم ہمکلام
ہوئے مگر دشمن مغلوب تھا۔ اور امن و پناہ کا خواہاں۔ کبھی وہ دن تھے کہ یہی معصوم
مجسمۂ رحمت شہر کے لوگوں سے بھاگ کر باغ میں پناہ لیتا ہے۔ اور پتھراؤ سے
زخمی خون آلود وجودؐ خدا سے اپنے ضعفِ قوت اور قلتِ تدبیر کی شکایت کرتا
ہے۔ اور جب غلبہ شروع ہوتا ہے تو دشمن نے آپؐ کو گھائل نہیں کیا۔ آپؐ نے دشمن
کو گھائل کر دیا۔ اور بیشتر اس کے کہ وہ واپس لوٹتا۔ وہ محمدؐ رسولِ خدا کی صداقت و
عظمت کا قائل ہو چکا تھا۔ گو وہ اسلام میں شامل فتح مکہ پر ہوا۔

پہلی مسجد ــــــ مسجد قبا

۱۴ البعثت نبوی بعمر ۵۲ سال

اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ۔ چونکہ شان عبدیت صرف اور صرف نماز سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس لئے خدا کے رسولؐ نے اپنے صحابہ میں عبدیت پیدا کرنے کے لئے تکمیل سفر ہجرت کے بعد سب سے پہلا کام جو کیا وہ نماز کے لئے مرکز بنانا تھا۔ تاکہ خدا کے بندے اپنی عقیدت کے پھول خدا کے حضور پیش کرنے کے لئے اجتماعی رنگ میں حاضر ہوں اور اس کی محبت کی بھیک اس سے مانگیں۔ آپؐ جب اپنے آبائی گاؤں کو چھوڑ کر ہفتہ عشرہ کی خاموش مسافت طے کر کے اپنی موعودہ منزل کی طرف پہنچے تو کسی خیال کے ماتحت سیدھے شہر کے اندر داخل نہیں ہوئے بلکہ دائیں طرف ہٹ کر مدینہ کی بالائی آبادی (اصل شہر سے دو اڑھائی میل کے فاصلہ پر) قبا کی طرف تشریف لے گئے وہاں کے انصار نے آپؐ کا پُرتپاک استقبال کیا۔ کیونکہ یہاں انصار کے بہت سے خاندان آباد تھے۔ اور وہ اپنے محبوب نبیؐ کو دیکھنے کیلئے بے تاب تھے۔ ان میں ممتاز ترین خاندان عمروؓ بن عوف کا تھا۔ آپؐ اس خاندان کے رئیس اعظم کلثومؓ بن الہدم کے مقام پر مقیم ہوئے اور سب سے پہلے خدا کے گھر کی بنیاد رکھی۔ یہ پہلی مسجد تھی جو اسلام میں تعمیر ہوئی۔ آپؐ نے اپنے دستِ مبارک سے اس مسجد کی بنیاد رکھی۔ اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ مل کر مزدوروں اور معماروں کا کام کیا اور چند دن کی محنت سے یہ خدا تعالیٰ کا گھر مکمل ہو گیا۔ اس کے متعلق قرآن مجید کی سورۃ توبہ میں بھی ذکر ہوا ہے اس مسجد سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد پیار تھا۔ کیونکہ یہ آپؐ کا پہلا عملی

غلبہ تھا۔ وہ شخص جو ایک لمبے عرصہ سے اپنے پیدا کرنے والے معبود حقیقی کے سامنے جھکنے کے لئے بھی بے خوف و خطر نہیں جھک سکتا تھا اجتماعی تسبیح و تحمید کے لئے سوچنا تو تقریباً ناممکن ہی تھا۔ لیکن جس رات آپؐ گھر سے نکلتے ہیں۔ معجزانہ غلبہ شروع ہو جاتا ہے۔ اوّل تو تعاقب کرنے والے آپؐ کو کوئی گزند نہ پہنچا سکے اور الٰہی تصرف سے وہ ہر مقام پر خائب و خاسر رہے نہ صرف آپؐ پُرامن مقام پر پہنچے بلکہ آپؐ کا پُرتپاک استقبال کرنے کے لئے ایک قوم سمندر کی طرح آگے بڑھی اور خدا تعالیٰ کے مقدس نبی کے لئے جاں نثار بن گئی۔ آپ عزیز و اقارب کے مظالم سے تنگ آکر اپنے وطن سے نکلتے ہیں۔ اور ایک ایسی بستی کی طرف خدا تعالیٰ آپؐ کو لے آتا ہے جو دنیوی رشتہ کے لحاظ سے قطعی غیروں کی بستی ہے مگر خدا تعالیٰ ان غیروں کے دلوں میں ایسی محبت ڈال دیتا ہے کہ خون کے رشتے اس کے سامنے قطعی ہیچ نظر آتے ہیں۔ آج آپؐ کتنے خوش ہیں کہ اسلام کو تیرہ ۱۳ برس کے بعد کہیں ٹکنے کے لئے زمین نظر آئی ہے۔ چنانچہ بانیٔ اسلام نے سب سے پہلے اسلام کا مرکز ہی تعمیر کیا ہے۔ تاکہ وہاں سے خدائے واحدہٗ لاشریک کے لئے پانچ اذانیں دی جائیں اور باجماعت نمازیں پڑھی جائیں اور قرآن کی درس گاہیں بنائی جائیں۔ مسجد کے لئے آپؐ کے دل میں بہت عزت و محبت تھی یہانتک کہ آپؐ نے حکم دے رکھا تھا کہ "جہاں کہیں مسجد دیکھو یا اذان کی آواز سنو تو وہاں کسی کو قتل نہ کرو"۔ نماز شکرانہ ادا فرماتے ہیں کہ شکر الحمدللہ! اسلام کے نازک اور کمسن پودے کو آزادی کا سانس نصیب ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مسجد سے آخر وقت تک بیحد محبت تھی۔ چنانچہ مدینہ چلے جانے کے بعد بھی آپؐ ہر ہفتہ قبا میں تشریف لے جاتے اور اس اپنی پہلی مسجد میں نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔

اور بھی بہت سی مسجدیں صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں وجود میں آئیں۔ لیکن قبا کی مسجد کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہ مسجد آپؐ کی پہلی تعمیر تھی۔ اور خاص توجہ کا مرکز تھی

اور روحانی نو آبادی کا پہلا قدم تھا۔ اس پہلے قدم سے ثابت ہوا کہ حقیقی مومن مسجد کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ مسجد کے ساتھ لگاؤ خُدا کے ساتھ لگاؤ کے مترادف ہے۔ خدا تعالیٰ کو ملنے کا ذریعہ نماز ہے اور باجماعت نماز ادا کرنا مومن کی معراج ہے۔ یہ مسلّمہ امر ہے کہ آپؐ رحمۃ للعالمین تھے۔ لیکن اپنی تمام تر شفقت و محبت کے باوجود آپؐ نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ جو لوگ مسجد میں نہیں آتے میں اُن کے گھروں کو اُن کے سمیت جلادوں۔ گویا کہ ان کے دل میں نماز سے عشق کی ایک آگ تھی جس کے شعلوں سے آپؐ مسجد سے دُور رہنے والوں کے گھروں کو جلا کر راکھ کر دینا چاہتے تھے۔ پس حدیث شریف سے ثابت ہے کہ اگر اذان کی آواز آپ کے گھروں تک آجائے تو آپ پر مسجد میں آنا لازم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک اندھے صحابیؓ نے اجازت مانگی تھی کہ یا رسُول اللہؐ میں نابینا ہونے کی وجہ سے مسجد تک نہیں آسکتا۔ تو آپؐ نے فرمایا تمہارے گھر تک اذان کی آواز آتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں یا رسُول اللہ۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ مسجد میں تمہیں آنا چاہیئے۔ تو یہ اہمیت ہے اسلام میں مسجد کی۔ جس کو آپؐ کے عمل و قول نے ثابت کر دیا۔

پہلی نماز جمعہ ——— بمقام مدینہ منورہ

۱۴ بعثت نبوی بعمر ۵۲ سال

جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ

مدینہ جو کہ اصل آپؐ کا منشاءِ ہجرت تھا۔ اور یہی وہ موعود مقام تھا جس کے لئے آپؐ نکلے تھے۔ آپؐ کی آمد کے لئے بےتاب و بےقرار تھا۔ ہر مسلمان کا دل اس لمحہ کا منتظر تھا جب کہ ان کا محبوب آقاؐ اس سرزمین پر قدم رکھے۔ آخر وہ خوش گھڑی آگئی۔ آپؐ قریباً دس دن قبا میں رہ کر مدینہ کے لئے بروز جمعہ رخصت ہوئے مدینہ کے مرد و عورتیں بچے اور بوڑھے سب کے چہرے خوشی سے تمتما اُٹھے اور انہوں نے ایسا محسوس کیا کہ گویا دنیا اور آخرت کے انعامات انہیں آج آپؐ کے وجود میں حاصل ہو گئے ہیں۔ ترمذی اور ابنِ ماجہ نے انسؓ بن مالک سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ہم نے یوں محسوس کیا کہ ہمارے لئے مدینہ روشن ہو گیا[1] چنانچہ آمد کے بعد آپ نے اپنی اونٹنی کو چلنے دیا۔ انصار و مہاجرین کی ایک بڑی جمعیت آپؐ کے ساتھ تھی۔ یہ قافلہ آہستہ آہستہ شہر کی طرف بڑھنے لگا۔ راستہ میں ہی نماز جمعہ کا وقت آگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو سالم بن عوف کے محلہ میں ٹھہر کر صحابہؓ کے سامنے خطبہ دیا۔ گو اس سے پہلے بھی خطبہ کا آغاز ہو چکا تھا۔ مگر یہ پہلا جمعہ تھا جو آپؐ نے خود ادا فرمایا اور اس کے بعد جمعہ کی نماز کا موجودہ طریق باقاعدہ جاری ہو گیا۔ نماز جمعہ

[1]:- زرقانی جلد ۱ ص۳۵۷

دراصل نمازوں کی عید ہے۔ اور اسلامی شریعت میں جمعہ کی نماز کو اسی لئے خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر مسلمان جمعہ کے دن غسل کر کے کپڑے بدلے اور خوشبو استعمال کرے اور جلد از جلد نماز کے لئے مسجد میں جمع ہونا شروع ہو جائیں۔ جتنی جلدی کوئی آئے گا اتنا ہی زیادہ ثواب اسے حاصل ہوگا۔ سب سے پہلے آنے والے کو ایک پہاڑی جتنا ثواب ملتا ہے۔ جبکہ سب سے آخر میں آنے والے کا ثواب ایک مرغی کے انڈے کے برابر رہ جاتا ہے۔

پس یہ نماز جمعہ پہلی نماز جمعہ تھی جو مدینہ منورہ میں آپؐ نے وادی ذالوفاء کے درمیان ادا فرمائی۔ خطبہ میں ان مسائل کا ذکر فرمایا جو اس وقت ضروری اور اہم تھے۔ اور حاضرین کو ایمان و اعمال صالحہ کے متعلق مناسب نصائح و ہدایات دیں اور دو ۲ رکعت نماز فرض ادا کی۔ اس جگہ جہاں آپؐ نے پہلا جمعہ پڑھایا اب ایک مسجد تعمیر ہے جسے اُس جمعہ کی یادگار میں مسجد الجمعہ کہتے ہیں۔ حضرت علیؓ بھی اس نماز جمعہ میں موجود تھے۔ کیونکہ وہ آپؐ کی ہجرت کے تین دن بعد لوگوں کی امانتیں وغیرہ واپس کر کے مدینہ پہنچ گئے تھے۔ پس ثابت ہوا کہ آپؐ کو نماز سے عشق تھا۔ کیونکہ مدینہ میں قدم رکھتے ہی اللہ تعالیٰ کے رسولؐ نے سب سے پہلے نماز جمعہ ادا فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ "میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ کونسا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پیارا ہے۔ فرمایا! نماز اپنے وقت پر ادا کرنا۔ میں نے عرض کیا پھر کونسا عمل؟ فرمایا! والدین سے نیکی کرنا..... اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ کو نماز سے کتنا پیار تھا۔ اور نماز ہی کی پابندی کرنے والے کو آپؐ نے اعمالِ صالحہ کا سردار مقرر فرمایا ہے۔ جس طرح مچھلی پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی اسی طرح مسلمان نماز کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ خدا تعالیٰ سے تعلق کے بغیر ہم تقویٰ کی راہوں پر نہیں چل سکتے اور خدا تعالیٰ کو تھامنے کے لئے نماز ادا کرنا ضروری امر ہے نماز جمعہ کے بعد جیسے کہ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ جب تم نماز ادا کر لو تو

زمین میں پھیل جاؤ اور خدا تعالیٰ کے فضلوں کو طلب کرتے ہوئے اپنے کاروبار میں لگ جاؤ۔ (سورہ جمعہ)

پس نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے کہنے والے شخص جب سب سے پہلے مدینہ میں تشریف لائے تو پہلا کام ہی نماز ادا کرنا تھا۔ اور جب اپنے رفیق اعلیٰ سے ملنے کے لئے رخصت ہوئے تو آخری فقرہ جو آپؐ کی زبان مبارک سے سُنا گیا۔ الصلوٰۃ وماملکت ایمانکم یعنے اے امت کے لوگو! نماز اور غلاموں کے لئے میری تعلیم فراموش نہ کرنا۔ یعنی آخری الفاظ بھی نماز پر ہی ختم ہوئے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ ۔

پہلا خُطبہ ـــــ یکم ہجری

بعمر ۵۳ سال ۴ دن سنہ ۱ ہجری

اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ کہنے والا مقدس وجود تیرہ برس تک پتھر دل انسانوں کے سامنے خُدا تعالیٰ کی وحدانیت پیش کرتا رہا۔ اور نتیجۃً چند سینکڑہ نفوس کے باقی تمام رؤساء کی چمکتی ہوئی تلواروں نے ترجمانی کی تو آپؐ نے مکہ کو چھوڑ دیا۔ مگر اسی عزم صمیم کے ساتھ کہ پھر فتح کی خاطر نہیں بلکہ مکہ والوں کے دلوں کو فتح کرنے کی خاطر جب ایک بسا بسایا شہر چھوڑ کر آپؐ دارالہجرت اور جائے پناہ میں پہنچ گئے تو اواخر ربیع الاوّل جمعہ کے روز آپؐ نے ان لوگوں کو خطاب فرمایا جنہوں نے عقبیٰ کے میدان میں آپؐ کو پناہ کی پیشکش کی تھی۔ اور جو اس عہد کو جو انہوں نے عقبیٰ میں باندھا تھا سچ کر دکھانے کے لئے تڑپ رہے تھے۔ اور منتظر تھے۔ چنانچہ اس مسجد میں جو وادیٔ زانوناد کے درمیان واقع ہے۔ آپؐ نے پہلا جمعہ پڑھایا اور خطبہ میں حمد و ثناء کے بعد فرمایا۔ "لوگو اسلام پھیلاؤ[1]۔ اپنی ذات کے لئے کچھ اچھے کام کرلو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ایک ایک شخص صاعقہ موت کا نشانہ بنے گا۔ پھر وہ اپنی بکریوں کو اس حال میں چھوڑ جائے گا کہ کوئی چرواہا نہیں رہے گا۔ پھر اس کے پروردگار اس طرح گفتگو کرے گا کہ نہ کوئی ترجمان درمیان میں ہوگا اور نہ کوئی پردہ اس کے سامنے ہوگا کہ اسے چھپالے۔ اور خدا تعالےٰ فرمائے گا۔ "کیا تیرے پاس میرا رسول نہیں آیا تھا؟ اور اس نے تجھے تبلیغ نہیں کی تھی۔ مَیں نے تجھے مال دیا تجھ پر اپنا فضل.

[1]:۔ شبلی حصہ دوم صـ ۲۴۲ ؎

کیا۔ تم نے اپنی ذات کے لئے موت سے پہلے کیا کیا؟ آپؐ نے فرمایا۔ "پھر بندہ دائیں بائیں دیکھنے لگے گا اور کچھ نہ پائے گا۔ پھر وہ سامنے دیکھے گا تو دوزخ کے سوا کچھ نہ پائے گا۔ لہٰذا جس سے ہوسکے اپنا چہرہ آگ سے بچالے۔ اگرچہ ایک کھجور کے ٹکڑے کے ذریعہ ہو۔ اسے چاہیئے کہ ایسا کرے اور جو شخص یہ بھی نہ پائے تو ایک نیک بات کے ذریعہ سے ہی سہی۔ کیونکہ اس کا بدلہ اسے دیا جائے گا۔ آپؐ نے مزید فرمایا کہ ایک نیکی کا معاوضہ دس گنا تک ہوگا۔ اور اے لوگو! تم پر اللہ کے رسُول کی سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔ آمین[1]"

یہ پہلا خطبہ اور اس کے بعد آپ کی مدنی زندگی کا یہ معمول تھا کہ جمعہ کے لئے جب لوگ جمع ہوجاتے تو آپؐ نہایت سادگی کے ساتھ گھر سے نکلتے مسجد میں داخل ہوتے اور پھر لوگوں کو سلام کہتے۔ پہلے پہل منبر ایک لکڑی کا تنا تھا۔ جس کا سہارا لیکر آپؐ کھڑے ہوجاتے۔ بعد میں وہ منبر بدل دیا گیا۔ تو مؤرخین کا قول ہے کہ منبر کی لکڑی کا یہ بے جان ٹکڑا جو مسجد نبوی میں کھڑا رہ رہا تھا۔ لوگوں نے اس کے کراہنے کی آواز سُنی تو پوچھنے پر بتایا گیا کہ سرور کائنات کی جدائی گوارا نہ تھی۔ اس لیے وہ کراہتا رہتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

چنانچہ آپ آذان کے فوراً بعد خطبہ شروع فرما دیتے۔ پہلے دائیں ہاتھ میں عصاء ہوتا تھا لیکن جب منبر بن گیا تو ہاتھ میں عصاء لینا چھوڑ دیا[2]۔ خطبہ ہمیشہ مختصر و جامع ہوتا تھا۔ فرمایا کرتے تھے: "نماز کا طول اور خطبے کا اختصار آدمی کے تفقہ کی دلیل ہے۔" جمعہ کے خطبہ میں آپؐ عموماً سورۃ "ق" پڑھتے تھے[3]۔ جمعہ اور عید کا خطبہ معین تھا۔ باقی جب ضرورت پڑتی تھی تو آپؐ فی البدیہہ بھی خطبہ کے لئے تیار ہوجاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے زمین پر منبر پر اونٹ پر جس جگہ اور جس موقعہ پر خطبہ دینا چاہا

[1]:۔ سیرۃ ابن ہشام صـ ۵۱۴ ـ ۵۱۵ باب ۷۵ ؎ [2]:۔ صحیح مسلم۔

[3]: صحیح مسلم۔

جامع اور مختصر خطبہ دیا[1]۔ ضرورت کے مطابق طویل خطبات بھی دینے پڑے ہیں۔ تو
آپؐ نے بہت پُر مغز اور عالی شان خطبے دیئے جن سے لوگوں میں روحانی جوش پیدا
ہو۔ خطبہ حج الوداع اپنی ذات میں ایک نایاب اور لاثانی خطبہ تھا اور ایسا فصیح و
بلیغ تھا کہ اسلامی تعلیم کا نچوڑ تمام تر ہمارے سامنے چند جملوں میں آپؐ نے
فرما دیا۔ آپؐ نے اسی لئے تو فرمایا ہے۔ انا افصح العرب یعنی مَیں فصیح ترین
عرب ہوں۔ اور جامع کلمات لے کر مبعوث ہوا ہوں۔ خطبہ کی حالت میں آپؐ
ہمیشہ لوگوں کو بیٹھنے کا حکم دیتے۔ چنانچہ ایک شخص مسجد میں آیا تو آپؐ نے اس
سے پوچھا تم نے نماز پڑھی ہے؟ اس نے عرض کیا "نہیں" یا رسول اللہ! آپؐ
نے فرمایا۔ اٹھو اور پڑھو۔

میدان جہاد میں بھی جب آپؐ خطبہ دینے تھے تو کمان پر ٹیک لگا کر کھڑے
ہوتے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہاتھ میں تلوار ہوتی تھی تاکہ جہاد کا اعلان
ثابت ہو۔ لیکن ابن قیمؒ کا بیان ہے کہ ایسا نہیں تھا۔ بلکہ خطبہ کے وقت کبھی تلوار
ہاتھ میں نہیں لی[2]۔

[1]: زاد المعاد جلد اوّل۔ فصل ہدیہ فی الخطبہ صـ۱۳۱

[2]: شبلی حصہ دوم صـ۲۱۰

پہلی قیام گاہ
حضرت ایوب انصاری کی جائے رہائش

۶۲۲ء تا ۶۲۳ء لبعمر ۵۳/۵۴ سال ۷ ماہ

ہجرت کے بعد مدینہ کا پہلا گھر جہاں سردار کائناتؐ نے سب سے پہلے قیام فرمایا۔
ابو ایوبؓ انصاری کا گھر تھا۔ حضور پُر نورؐ اسلام کے انوار تیرہ برس تک شب و روز
ایک ایک کرکے مکہ کی سرزمین میں روشن کرتے رہے۔ انتہائی محبت و پیار، صبر و
استقامت اور عفو و درگزری کے ساتھ اپنے لوگوں میں وقت گزارتے رہے لیکن
بجائے اس کے کہ مکہ والے روشنی حاصل کرتے۔ یثرب خوش نصیب آگے بڑھ آئے اور
اس محسن انسانیت کے میزبان بن گئے۔ ایک دن وہ آگیا کہ جس ہستی کے لئے اُس کے
ہم وطن خون کے پیاسے تھے۔ اسی ہستی کے لئے یثرب کا ہر شخص یہ خواہش کرتا کہ آپؐ
اس کے گھر پر ٹھہریں۔ جس جس گلی سے آپؐ کی اونٹنی گزرتی ہے اسی گلی کے مختلف
خاندان گھر کے سامنے کھڑے ہو کر احمد مجتبےٰؐ کا استقبال کرتے ہیں۔ اور کہتے جاتے
ہیں یا رسول اللہ! یہ ہمارا گھر ہے یہ ہمارا مال ہے اور یہ ہماری جانیں ہیں۔ آپؐ اپنی
خدمت و حفاظت کے لئے قبول فرمائیں۔ حتیٰ کہ بعض انصار دفور محبت سے
مغلوب ہو کر آپؐ کی اونٹنی کی باگ پکڑ لیتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ اے مجمع الانوار!
آج خدا کے لئے میرا گھر روشن ہو جائے۔ آپؐ ہر ایک کو یہی جواب دیتے کہ میری
اونٹنی کو چھوڑ دو۔ یہ آج خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے۔ یہ وہیں کھڑی ہوگی
جہاں خدا تعالیٰ کا منشاء ہوگا۔ آخر ہوا وہی جو آپؐ فرما رہے تھے۔ وہ دو یتیم بچوں

کی زمین پر اونٹنی بیٹھ گئی اور اکتوبر ۶۲۲ء بمطابق یکم ہجری بنو نجار کے سہیل و سہل کی قسمت جاگی اور ان کے لئے خوش بختی کا پیغام لائی۔ قدرے توقف کر کے اونٹنی اٹھی اور چکر کاٹ کر بحکم ربی پھر وہیں اسی جگہ آکر بیٹھ گئی۔ آپؐ نے وہ جگہ خرید کر سب سے پہلے خُداتعالیٰ کا گھر تعمیر کیا اور پھر اپنے گھر تجویز فرمائے۔ پھر آپؐ نے فرمایا سب سے قریب گھر کس کا ہے۔ یہاں کس قدر انصاف اور محبت کا ثبوت دیا کہ اوّل حق اسی کا ہے جو میرے مجوزہ گھروں کا قریب ترین ہمسایہ ہے۔ چنانچہ وہ گھر حضرت ابوایوبؓ انصاری کا تھا۔ وہ آگے بڑھے اور آپؐ کا پلان اٹھالیا اور اپنے گھر لے گئے۔

آپؐ کے حکم ملنے پر گھر کا کمرہ تیار کیا دو منزلہ عمارت والے گھر میں اُوپر کی منزل تجویز ہوئی۔ لیکن رسُولِ خُدا نے فدایان رسولؐ کی تکلیف کا خیال کرتے ہوئے نچلی منزل پسند فرمائی۔ ابوایوبؓ انصاری مان تو گئے۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ ساری رات ہم میاں بیوی جاگتے رہے کہ ہمارے پیارے ہادیؐ نیچے سو رہے ہیں اور ہم اُوپر کی منزل پر بے ادبی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ان کے اخلاص کا یہ عالم تھا کہ پانی کا ایک برتن اچانک جو گر گیا تو انہیں خیال پیدا ہوا کہ چھت کے نیچے پانی نہ ٹپک جائے۔ حضرت ایوبؓ انصاری نے دوڑ کر اپنا لحاف اسی پر ڈال کر خشک کیا اور خود ساری رات سردی میں بسر کی۔ صبح اُٹھ کر رسُولِ خُدا صلعم سے بالائی منزل کی اجازت چاہی۔ جو مل گئی[1]

حضرت ابوایوبؓ کہتے ہیں کہ ہم کھانا تیار کر کے آپؐ کے پاس بھیجا کرتے تھے اور جب آپؐ بچا ہُوا کھانا واپس فرماتے تو برتن میں جس مقام پر آپؐ کا دستِ مبارک پڑتا تھا میں اور امّ ایوبؓ اسی مقام کو تلاش کرتے اور برکت حاصل کرنے کے لئے اسی مقام سے کھاتے۔

ایک دفعہ شام کا کھانا تیار کر کے روانہ کیا۔ جو کہ کچھ لہسن وغیرہ کی بُو والا تھا۔

[1] حیاتِ قدسا لتماب صفحہ ۲۲۵۔

رسُولِ خُدا نے کھانا واپس کر دیا۔ ابوایوبؓ پریشان ہو کر آپؐ کے پاس پہنچے اور کہا اے اللہ کے رسولؐ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں آپؐ نے شب کا کھانا واپس فرما دیا؟ آپ نے فرمایا۔ "میں نے اس میں لہسن اور پیاز کی بُو پائی اور میں ایسا شخص ہوں کہ مجھ سے سرگوشی کی جاتی ہے۔ تم اسے کھاؤ۔ کیونکہ تم لوگوں کی وہ حالت نہیں غرض ہم نے اسے کھایا۔ اس کے بعد خاص لہسن والا کھانا تیار نہیں کیا[1]

جب تک رسُول اللہ کے اپنے گھر کا انتظام نہ ہو گیا باری باری تمام انصار اپنے ہادیؐ کی مہمان نوازی کا شرف حاصل کرتے رہے اور کھانا پکا کر گھر پر ہی پہنچا دیتے۔ تمام انصارؓ و مہاجرؓ آپؐ کی خدمت کو برکت و رحمت کا موجب خیال کرتے۔ آپؐ ربیع الاوّل میں تشریف لائے تھے۔ اور ابوایوبؓ انصاری کے گھر چھ سات ماہ تک رہے۔ اس اثناء میں آپؐ تنہا تھے۔ اہل و عیال مکہ میں تھے۔ جب مسجد نبوی کی بنیاد ڈالی تو اس کی اطراف میں حجرے بنا کر آپؐ اہل و عیال کو لائے اور انہیں ان حجروں میں آتارا[2]

چنانچہ ابوایوبؓ انصاری کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ جب آپؐ نے بنو ابوالحقیق کا قلعہ فتح کیا تو آپؐ کے پاس صفیہؓ بنت حیی ابن اخطب لائی گئیں تو آپؐ نے ان پر اپنی چادر ڈال دی۔ مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ آپؐ نے انہیں اپنے لئے منتخب فرما لیا ہے۔ تو رسُولؐ خُدا نے خیبر ہی کے کسی خیمے میں ان کو زوجیت کا شرف بخشتے ہُوئے نکاح پڑھ لیا تھا۔ ابوایوبؓ تلوار لے کر رات بھر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا پہرہ دیتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ صبح کے وقت جب آپؐ نے ابوایوبؓ کو دیکھا تو پوچھا کہ کیا بات تھی؟ انہوں نے جواب دیا۔ اے پیارے رسُولؐ! مجھے آپؐ کے متعلق اس عورت سے اندیشہ تھا۔ یہ وہ عورت ہے جس کے باپ کو شوہر کو اور قوم کو نقصان پہنچا ہے۔ اور یہ ابھی ابھی نئی مسلمان ہوئی ہے۔ اس لئے

[1] :- ابن ہشام صفحہ ۵۱۲ باب ۷۴۔ [2] :- شبلی جلد دوم (ابن سعد)۔

ہمیں ان سے خطرہ محسوس ہوا۔ رسولؐ خدا نے فرمایا:۔

"اے اللہ تو ابو ایوبؓ کو اپنی امان میں رکھ جیسا کہ اس نے رات بھر میرا پہرہ دیا ہے۔"[1]

[1]۔ ابن ہشام صفحہ ۳۹۲ باب ۱۴۱

پہلا اسلامی شہر ——— مدینۃ النبیؐ

۶۲۲ء تا ۶۲۳ء بعمر ۵۳/۵۴ سال ۷ ماہ

یثرب عرب علاقہ حجاز کا ایک قدیم شہر ہے۔ جو مکہ سے شمال کی طرف دو اڑھائی سو میل کے فاصلہ پر بحر احمر کے شرقی ساحل سے قریباً پچاس میل مشرق کی طرف ہٹ کر واقع ہے۔ اس وسیع شہر کو یہ شرف حاصل ہے کہ خدا تعالیٰ کا فرستادہ اپنے ہی بھائیوں کا زخم خوردہ پناہِ غیر کے لئے جب نکلا تو اس وادی نے اُس کے لئے اپنی گود کھول دی۔ مکہ سے نکالا جانے والا پیارا رسولؐ جب یثرب میں داخل ہوا تو یہ شہر مدینۃ الرسول کہکر پکارا جانے لگا۔ اور وہ سورج جو مکہ میں طلوع ہوا تھا۔ مدینہ کے لوگوں پر جا چکا۔

جبل احد۔ عیر اور جبیرے کے درمیان گھرا ہوا یہ شہر تینوں اطراف سے نخلستان سے ہی گھرا ہوا ہے جن میں سے ہوکر کوئی حملہ آور رسولؐ کریم کے زمانہ میں بمشکل داخل ہو سکتا تھا۔ صرف شمالی سمت ہی کھلی تھی جس کی حفاظت کے لئے آپؐ نے خندق کھود لی تھی۔ مدینہ منورہ کے گرداگرد ایک مضبوط فصیل ہے جس میں چار[1] دروازے ہیں۔ باب[2] قبا۔ باب[3] شامی۔ باب[4] عوالی اور جنت البقیع کی جانب باب الجمعہ[5] ہے۔ اس کی آبادی پہلے ہی کثیر قبیلوں پر مشتمل تھی اور بہت زیادہ تھی۔ پھر اسلامی سلطنت کے ساتھ خاص بڑھ گئی۔ کہ ترکوں کے زمانہ میں ایک لاکھ کے قریب تھی۔ آج اس شہر میں بہت سے متبرک آثار ہیں۔ سب سے بڑھ کر مقدس و متبرک روضۂ اطہر اور مسجد النبی یا حرم مدینہ ہیں۔ متعدد مساجد اور کوئیں ہیں۔ بیرِ موعو نہ وہ کنواں ہے جسے حضرت عثمانؓ نے بھاری رقم دیکر خریدا

تھا اور مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا تھا۔

پس مدینہ وہ موعود مقام ہے جہاں سرورِ کائناتؐ بروز پیر آٹھ ربیع الاوّل غار ثور سے نکل کر سیدھے پہنچ گئے تھے۔ یہ چار افراد پر مشتمل مبارک قافلہ عبداللہ بن ارقط کی راہنمائی میں چار دن کے سفر کے بعد قبا میں داخل ہؤا سن عیسوی کے شمار سے یہ تاریخ ۲۳ ستمبر ۶۲۲ء تھی۔[1] پھر جمعہ کے روز بعد نماز جمعہ آپؐ وہاں سے رخصت ہوئے اور آپؐ نے پہلی نماز جمعہ وادیٔ زانوناد کے درمیان سالم بن عوف کی مسجد میں ادا فرمائی۔ آپؐ کی آمد کی اطلاع سب سے پہلے ایک یہودی نے دی۔ جو ایک بلند مقام پر کھڑا تھا۔ اس نے باآواز بلند پکار کر کہا۔ "اے بنی قیلہ! وہ ذی شان ہستی آگئی جس کا تمہیں انتظار تھا۔ مدینہ والے جو کئی دنوں سے استقبال کے لئے آیا کرتے تھے۔ اپنے محبوب نبیؐ کو اپنے درمیان پا کر بے انتہا خوش تھے۔ مرد و زن تمام ترانے گا رہے تھے۔ کہ ؏

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا مِنْ ثَنِیَّتِ الْوِدَاع

آج چودھویں کا چاند ہم پر وداع کے موڑ سے چڑھا۔ اور جب تک خدا تعالیٰ کی طرف بلانے والا دنیا میں کوئی موجود ہے۔ ہم پر اُس کا احسان رہے گا۔ اے وہ شخص! جس کو خدا تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے۔ تیرے حکم کی پوری اطاعت کی جائے گی۔"

اس شہر میں آپؐ کو خدا تعالیٰ نے مسجد بنانے کی توفیق عطاء فرمائی۔ جب آپؐ مدینہ پہنچے تو آپؐ نے نہ رہائش کے لئے اور نہ مسجد کے لئے کوئی جگہ منتخب کی بلکہ اپنی اونٹنی کو خدا تعالیٰ کی رضاء پر چھوڑ دیا کہ جہاں وہ بیٹھے گی اور رُکے گی وہی جگہ اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق ہوگی۔ اور آپؐ نے ایسا تین بار کیا۔ اور فرمایا اس کا راستہ چھوڑ دو۔ کیونکہ وہ مأمور ہے۔ القصویٰ آپؐ کی اونٹنی بحکم ربی بنی مالک بن نجار کے احاطہ میں آئی۔ اور دو یتیم بچوں سہیل اور سہل کی زمین پر بیٹھ گئی۔ جو بچے معاذ بن عفراء کے زیرِ پرورش تھے۔ آپؐ نے اس زمین کو خرید فرمایا اور سب سے پہلے مسجد نبوی کی بنیاد رکھی۔ جس میں آج صدائے اللہ اکبر اس

[1]: ـ رحمۃ للعالمین جلد اوّل صفحہ ۱۱۲

خطۂ ارض کے بسنے والوں کو ایک سچے خُدا ایک زندہ رسُولؐ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور دین برحق اسلام کا رُوح آفریں مژدہ سناتی ہے۔ مدینہ ایک ایسا شہر بن گیا جسمیں خالصتاً خُدائے واحد کی عبادت کی جانے لگی۔ مدینہ کے مشرک قبائل میں سے اکثر مسلمان ہو گئے۔ جو دل سے مسلمان نہ ہوئے وہ ظاہری طور پر مسلمانوں میں شامل ہو گئے۔ اور کچھ لوگ مدینہ میں مسلمانوں کی اسلامی شرکت کو برداشت نہ کر سکے وہ مکّہ چلے گئے۔ اس طرح دنیا کے پردہ پر مدینہ منورہ کے سوا کوئی شہر یا گاؤں خالصتہً خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کرنے والا نہیں تھا۔ رسُولؐ خُدا کے لئے یہ بڑی خوشی اور شکرانے کی بات تھی کہ چند ہی دنوں میں سعید رُوحیں آپؐ کے گرد جمع ہو گئیں۔ اور ایک پُورا شہر ان کے ذریعہ سے خدائے قادر کا پرستار بن گیا۔ جس میں کسی بُت کی پُوجا نہیں کی جاتی تھی۔ نہ تو ظاہری بُت کی اور نہ باطنی بُت کی۔ نہ اب یہاں شرک خفی تھا اور نہ شرک ظاہری موجود تھا۔ ہمیں کتب سابقہ سے بھی یہ پیشگوئی ملتی ہے کہ یہی وہ مقدس بستی موعود بستی ہے جس کی طرف رسولؐ خدا کو ہجرت کر کے جانا تھا۔[1] ان پیشگوئیوں میں ددانیوں اور تیما کی سرزمین کے باشندوں کو مخاطب کر کے بتایا گیا ہے کہ تیما کی سرزمین والو تم روٹی اور پانی لے کر ان لوگوں کے استقبال کے لئے بڑھو۔ جو مخالفین کے جَور و ستم اور ان کی ننگی تلواروں اور کھنچی ہوئی کمانوں کا ایک لمبے عرصہ تک نشانہ بنے رہے۔ اور بھاگ کر تمہارے ملک میں پناہ لینے آ رہے ہیں۔ ددان اور تیما کی نسلیں نواح مدینہ میں آباد تھیں۔ اور اسی شہر کی سرزمین کو یہ شرف حاصل ہونا تھا کہ یہاں کے مکین استقبال کے لئے آگے بڑھتے اور اپنی آنکھوں کو فرش راہ کرتے اور اپنے گھر کے دروازے ان کے لئے کھول دیتے۔ تا صحفِ سابقہ کے مطابق پیشگوئیاں پوری ہوتیں۔

پس مدینہ منورہ وہ موعود مقام ہے۔ جو صحفِ سابقہ سے بموجب پیشگوئی شرف حاصل کئے ہوئے ہے ﴿

[1]: ـ یسعیاہ باب ۲۱ آیت ۱۳ تا ۱۷

پہلی پبلک عمارت (درسگاہ) — مسجد نبویؐ

سنہ ۶۲۲ء بعمر ۵۳ سال ایک ماہ ربیع الاوّل

مدینہ میں پہلی مرکزی درس گاہ مسجد نبوی تھی۔ اور یہی علم و عرفان کا اوّلین مرکز تھا۔ مدینہ کے قیام کا سب سے پہلا کام مسجد نبوی کی تعمیر تھی۔ جس جگہ آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی تھی۔ وہ جگہ دو یتیم بچوں کی تھی۔ اُن سے رسولِ خدا نے وہ جگہ تقریباً دس دینار یعنی نوّے روپے میں خرید لی۔ اور جگہ کو ہموار کر کے اور درختوں کو صاف کروا کر مسجد کی تعمیر شروع کر دی۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بنیاد دعاؤں کیساتھ اپنے دستِ مبارک سے خود رکھی تھی۔ پھر اس کی تعمیر میں بھی وہ باکمال نفس سب سے آگے آگے تھا۔ آپؐ کی زندگی کا ہر شعبہ دوسروں کے لئے تقلید کا موجب تھا۔ اس لئے ہر مقام پر آپؐ دوسروں کے لئے نظیر بن کر سامنے آتے ہیں کیونکہ آپؐ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ کام میں ہرج خیال نہیں کرتے تھے۔ بلکہ فخر محسوس کرتے تھے۔ آپ خود بھی صحابہؓ کے ساتھ اینٹیں ڈھوتے تھے اور اینٹیں اٹھاتے وقت یہ شعر پڑھتے جاتے تھے ؎

ھٰذا الحمال لاحمال خیبر
ھٰذا البر ربنا واطھر

یعنی بوجھ خیبر کے تجارتی مال کا نہیں ہے۔ جو جانوروں پر لاد کر آیا کرتا ہے۔ بلکہ اے ہمارے ربّ یہ بوجھ تقویٰ اور طہارت کا بوجھ ہے۔ جو ہم تیری رضاء کے لئے اٹھاتے ہیں۔

مسجد کی عمارت پتھر کی سلوں اور اینٹوں کی تھی جس کی بلندی اس وقت

دس فٹ اور طول ایک سو پانچ فٹ۔ عرض نوے فٹ کے قریب تھا۔ مسجد کی چھت کھجور کے تنوں اور شاخوں کی تھی اور چھت کے نیچے سہاروں کے لئے بھی کھجور کے ہی ستون تھے۔ شروع شروع میں منبر کی تجویز نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے انہی سہارا نما ستونوں میں سے کسی ایک ستون کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگا کر کھڑے ہو جاتے تھے اور خطبہ دیتے تھے۔ فرش کچا تھا۔ بارش کی وجہ سے کیچڑ ہو جاتا تھا۔ اور آپؐ اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کی پیشانیاں سجدہ کرتے وقت کیچڑ سے لت پت ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ اس تکلیف کو دیکھ کر بعد میں کنکریوں کا فرش بنوا دیا گیا۔ مسجد کے گوشہ میں ایک چبوترا تھا جسے صفّہ کے تاریخی نام سے یاد کیا جاتا ہے یہ اصحابِ صفّہ کے لئے درسگاہ تھی۔ وہ عشاق قرآن یہیں رہتے تھے اور ان میں اکثر ایسے مفلس تھے کہ کسی کے پاس ایک کپڑے سے زیادہ نہ تھا۔ وہ لوگ صبح و شام۔ رات دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہتے تھے۔ عبادت کرتے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے۔ جب کبھی کوئی ہدیہ آتا تو اصحاب صفّہ کو پہنچا دیا جاتا تھا۔ انصار بھی حتی المقدور ان کی مہمان نوازی میں کوشاں رہتے تھے اور کچھ قومی بیت المال میں سے بھی امداد دی جاتی تھی۔ ان اصحاب صفّہ کا پاک گروہ تو راتوں کو مسجد نبوی کے باہر مدینہ کے معلمین سے قرآن سیکھتا تھا۔ مگر مسجد نبوی میں، رسولِ خداؐ خود تشریف لاتے تھے۔ قرآن مجید کے معارف کے موتی لٹاتے۔ اور تعلیم و تلقین فرماتے تھے۔ اس طرح انوارِ قرآنی کا سلسلہ اسی پبلک عمارت میں رات دن جاری رہتا۔ اور یہیں تمام قومی کام سرانجام دیئے جاتے تھے۔ ایوان حکومت کا کام بھی یہی مسجد دیتی تھی۔ مجلس شوریٰ بھی یہیں منعقد ہوتی تھی۔

جنگی قیدیوں کی حبس گاہ بھی یہی عمارت تھی۔ دفاع و جنگ کے لئے مشورے بھی یہیں پر ہوتے تھے۔ اور یہی قومی مہمان خانہ تھا۔ گویا جتنے زیادہ سے زیادہ دینی و دنیوی مشاغل میں کوئی عمارت معروف ہو سکتی ہے تو وہ مسجد نبوی تھی۔

مسجد کے ساتھ ہی ملحق رسولِ خدا کے رہائشی مکان تیار کئے گئے تھے۔ آپ کے مکان یعنی حجرہ اور مسجد کے درمیان ایک دروازہ رکھا گیا تھا۔ جس میں سے گزر کر آپ نماز وغیرہ کے لئے مسجد میں تشریف لاتے تھے۔ شروع شروع میں مسجد کا رُخ بیت المقدس کی طرف تھا۔ لیکن تحویل کعبہ کے وقت یہ رُخ بدل دیا گیا۔ یہ مدرسہ محمدی کے فیضان کی برکت ہے جو صدیوں تک جاری رہا۔ اس مدرسۂ قرآنی نے عشاقِ قرآن کی ایک عالمگیر جماعت پیدا کر دی ہے۔ پس اس عظیم مسجد و درسگاہ کا فیض دائمی ہے۔

سر ولیم میور[1] اس مسجد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

”گو یہ مسجد ساماں تعمیر کے لحاظ سے نہایت سادہ اور معمولی تھی۔ لیکن محمد (صلعم) کی یہ مسجد اسلامی تاریخ میں ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ رسولِ خدا اور ان کے اصحاب رض اسی مسجد میں اپنے وقت کا بیشتر حصہ گزارتے تھے۔ یہیں اسلامی نماز باجماعت کا آغاز ہوا۔ پس تمام مسلمان جمعہ کے دن خدا کی تازہ وحی کو سننے کے لئے مؤدبانہ اور مرعوب حالت میں جمع ہوتے تھے۔ یہیں محمد (صلعم) اپنی فتوحات کی تجاویز پختہ کیا کرتے تھے۔ یہی وہ ایوان تھا جہاں مفتوح اور تائب قبائل کے وفود ان کے سامنے پیش ہوتے تھے۔ یہی وہ دربار تھا جہاں سے شاہی احکام جاری کئے جاتے تھے۔ جو عرب کے دور دراز کونوں تک باغیوں کو خوف سے لرزا دیتے تھے۔ اور بالآخر اسی مسجد کے پاس اپنی بیوی عائشہ صدیقہ رض کے حجرے میں محمد (صلعم) نے اپنی جان دی۔ اور اسی جگہ اپنے دو خلیفوں کے پہلو بہ پہلو وہ مدفون ہیں۔“

اسی مسجد کو یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ رسولِ خدا نے خود اپنے کندھوں پر اینٹیں ڈھو ڈھو کر مسجد کی تعمیر کر کے وہ سنتِ ابراہیمی پھر زندہ کر دی جو کبھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود اینٹیں ڈھو کر کعبہ شریف کی تعمیر میں پھر سے قائم کی تھی۔ بیشک آپ ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سچے جانشین ہیں۔

---

[1]: ۔ لائف آف محمد (سر ولیم میور) اشکال حصہ دوم۔

پہلا مؤذن

حضرت بلال رض حبشی بن رباح

سنہ ۶۲۲ء بعمر ۵۳ سال ۱½ ماہ یکم ہجری

حضرت بلال رض امیہ بن خلف کے حبشی غلام تھے اور وہ پہلے خوش نصیب ہیں جنہوں نے سب سے پہلے مدینہ میں اذان دی۔ وہ اسلام کے لئے قربانیاں دینے والے اور مصائب برداشت کرنے والوں میں سرفہرست ہیں۔ آپ نے خدا اور اس کے رسول کی محبت میں وہ ظلم سہے کہ آج بھی چودہ سو سال بعد ان مصائب کا ذکر کر کے انسانیت شرمسار ہوتی ہے۔ صرف شرک نہ کرنے پر پاؤں میں رسیاں باندھ کر گلیوں میں گھسیٹا جانے والا اور بعض دفعہ رسیاں باندھنے کی بجائے سر کے بالوں سے گھسیٹا جانے والا۔ پتھروں پر خاموشی سے کھال چھلوانے والا آج قوم کا سردار بن گیا۔

حضرت بلال رض ایسے سچے عاشقِ رسول تھے کہ حضور کی وفات کے بعد انہوں نے اذان تک کہنی چھوڑ دی۔ حضور کی جدائی کا دکھ حضرت بلال رض کو اتنا تھا کہ انہیں اذان کہتے ہی رقت طاری ہو جاتی۔ اور وہ یادِ محبوب میں بے قابو ہو جاتے۔ لیکن جب شام فتح ہوا تو ایک دفعہ حضرت عمر رض کے اصرار پر انہوں نے اذان کہی۔ مگر ان کی آواز سے سب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ یاد آ گیا۔ چنانچہ خود حضرت عمر رض اور دوسرے صحابہ رض اتنے روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔ جب بلال رض فوت ہوئے تو حضرت عمر رض نے فرمایا:۔

”آج مسلمانوں کا سردار گزر گیا۔“

حضرت بلال رضؓ ساتویں غلام تھے جنہیں حضرت ابوبکر رضؓ نے آزاد کرایا تھا۔ امیہ بن خلف جب معمول کے مطابق اذیتیں دے رہا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ وہاں سے گزرے انہوں نے فرمایا۔ امیہ! کیا تو اس بچارے کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا۔ آخر یہ تعذیب کب تک جاری رہے گی؟ اس نے کہا تمہی نے اسے بگاڑا ہے۔ اے ابن ابو قحافہ! جس مصیبت میں اسے دیکھ رہے ہو اس سے خود تم چھڑا لو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے فرمایا۔ "اچھا میں چھڑائے دیتا ہوں۔ میرے پاس ایک سیاہ فام غلام ہے۔ جو بلال رضؓ سے زیادہ مضبوط اور تیرے دین پر پوری قوت سے قائم ہے۔ میں اسے بدلے میں تجھے دیتا ہوں" اس نے کہا میں نے قبول کر لیا۔ انہوں نے فرمایا۔ پس وہ تیرا ہو گیا۔ اور اس طرح بلال رضؓ کو آزاد کرا لیا۔ جنگِ بدر والے دن بلال رضؓ کی تلوار نے اپنے مصائب کا انتقام خوب سے لیا۔ تلوار کی دھار نے پہچان لیا کہ یہ دشمنِ رسولؐ امیہ بن خلف ہے۔ اور اپنا حق ادا کر دیا۔ روایت ہے جب بلال رضؓ نے دیکھا کہ یہ کفر کا سرکردہ امیہ بن خلف ہے تو کہا یہ اگر یہ بچ گیا تو میں نہ بچوں گا۔ اگر یہ بچ گیا تو میں نہ بچوں گا۔ بآوازِ بلند یہ صدائیں کرتے ہوئے بلال رضؓ نے تلوار کھینچ کر امیہ کے پاؤں پر ماری۔ وہ گر پڑا۔ امیہ نے ایک چیخ ماری کہ میں نے ویسی چیخ کبھی نہ سنی تھی۔ اس کے بعد اسے ٹکڑے کر ڈالا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ خدا کے فرمان کے مطابق بدر کے مقتولوں کو گڑھے میں ڈال دیا گیا بجز امیہ بن خلف کے کیونکہ جب اسے اٹھانے لگے تو اس کا جوڑ جوڑ الگ تھا۔ چنانچہ اسے اسی حالت میں چھوڑ دیا گیا۔ اوپر مٹی اور پتھر ڈال کر لاش چھپا دی۔ف

وہ خدا کا محبوب تھا اور اس کے رسولؐ کا بھی۔ کیونکہ وہ ان کے عشق میں گھائل ہوتا تھا۔ خدا کے محبوب سرورِ کائناتؐ نے بلال رضؓ سے اپنے پیار کا کیسے عظیم الشان رنگ میں ثبوت دیا کہ فتح مکہ کے موقعہ پر آپؐ نے ابی رویحہ رضؓ کو حضرت بلال کا بھائی بنایا

ف:۔ سیرۃ النبیؐ کامل ص ۶۹۳ باب ۹۶

تھا۔ اپنا جھنڈا عطا کیا اور اعلان فرما دیا کہ آج جو شخص بھی ابی رویحہ رضؓ کے جھنڈے تلے کھڑا ہو جائے گا۔ اسے امن دیا جائے گا۔ اس حکم میں کیا لطیف حکمت تھی کہ مکہ کے لوگ جو بلال رضؓ کے پیروں میں رسیاں باندھ کر جن گلیوں میں کھینچا کرتے تھے۔ جن میدانوں میں بلال رضؓ کے لئے امن کی جگہ نہیں تھی۔ انہی گلیوں اور میدانوں میں بلال رضؓ لوگوں کو آج امن کا پیغام سنا رہا ہے۔ رسولؐ خدا نے جان لیا کہ یہ جگہیں بلال رضؓ کی تذلیل و تضحیک اور عذاب کی جگہیں ہیں۔ بلال رضؓ کا دل آج انتقام کی طرف بار بار مائل ہوتا ہو گا۔ اس وفادار ساتھی کا انتقام بھی ضروری تھا۔ مگر انتقام بھی تو اسلام کی شان کے مطابق ہو۔ پس آپؐ نے بلال رضؓ کا انتقام اس طرح نہیں لیا کہ تلوار کے ساتھ ان کی گردنیں کاٹ دی ہوں۔ بلکہ اس کے بھائی کے ہاتھ میں بڑا سا جھنڈا دے کر اور بلال رضؓ کو اعلان پر مقرر کر ڈالا۔ کہ جو کوئی آج میرے بھائی کے جھنڈے تلے آ جائے گا اسے امن دیا جائے گا۔ سبحان اللہ کیسا شاندار انتقام ہے۔ کیسا حسین وقت ہو گا جب حضرت بلال رضؓ اعلان کرتے ہوں گے۔ کہ اے مکہ والو! مجھے عذاب سزا دینے والو! آؤ میرے بھائی کے جھنڈے تلے آ جاؤ۔ تمہیں اپنی تذلیل کے بدلے ذلیل نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ امن و آشتی دی جائے گی تو اس کا دل خود بخود انتقام کے جذبے سے خالی ہو گیا۔ وہ اپنے محبوب رسول اللہ صلعم کے حسین فیصلہ پر کتنا خوش تھا۔

ایک دفعہ رسول کریمؐ نے بلال رضؓ کی خاص طور پر تعریف کی اور لوگوں سے فرمایا کہ بلال رضؓ جب اذان دیتا ہے۔ تو اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی بجائے اَسْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ بلال رضؓ کی اس "س" پر خاص طور پر خوش ہوتا ہے۔ ہوا یوں کہ جب حضرت بلال رضؓ نے اذان دی تو مدینہ کے لوگ چونکہ حضرت بلال رضؓ سے ناواقف تھے اَشْھَدُ کی بجائے اَسْھَدُ شین کی بجائے "سین" پر ہنسنے لگے۔ خدا کے رسولؐ کو جب علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا۔ لوگ بلال رضؓ کی سین پر ہنستے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ عرش پر اس "سین" کو سن کر خوش ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مکہ میں بلال رضؓ کے

سینے پر جب بڑے بڑے پتھر رکھ کر کہا جاتا کہ کہو لات و منات اور عزیٰ کی جے ۔ لیکن بلالؓ پتھروں کے نیچے سخت تکلیف میں بھی یہی کہتے کہ "اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" چونکہ اس وقت وہ سین کے ساتھ کلمہ شہادت پڑھا کرتے تھے اور خدا تعالیٰ عرش پر خوش ہوتا تھا ۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے وہ سین بلالؓ سے سُنا ہوا تھا ۔ خدا تعالیٰ کو بھی یہ یاد تھا ۔ کہ ظالم جوتیوں سمیت چڑھ کر اس کے سینہ پر کودتے تھے جبکہ تپتی ہوئی ریت پر ننگے بدن سے اس کو لٹایا ہوتا تھا اور وہ اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں اَحَدٌ اَحَدٌ کہکر خدا تعالیٰ کی توحید کا اعلان کرتا تھا ۔ اور اپنی وفاداری اور دل کی مضبوطی کا ثبوت دیتا تھا ۔ پس وہ خُدا کو محبوب تھا اور اُس کا سین بھی خُدا کو پیارا تھا ۔

گھر کا تمام کاروبار حضرت بلالؓ کے سپرد ہی تھا ۔ روپیہ پیسہ جو بھی آتا تھا ان کے پاس رہتا تنگی کی حالت میں وہ سودا سلف قرض لاتے تھے ۔ اور جب کہیں سے رقم آتی تو ادا کر دیتے تھے گویا وہ حضورؐ کے مقربِ خاص اور گھر کے منتظم تھے ۔ پہلے مؤذن بھی اور دینِ متین کے سچے خادم بھی تھے ۔

☆

پہلی مواخاۃ

رشتۂ اُلفت مابین انصار و مہاجرین

سنہ ۶۲۳ء بعمر ۵۳ سال ۲ ماہ یکم ہجری

نبوت کے بعد یہ سب سے پہلا موقعہ تھا کہ آپؐ کو اپنے پیروکار اور ماننے والوں کی آسودگی اور معاشی حالت کو سنوارنے کا موقعہ ملا ۔ اور پہلی بار اس روحانی نو آبادی کی مذہبی، سماجی اور معاشی مضبوطی پر غور فرمایا گیا ۔ آج تک تو آپؐ صحابہ کرامؓ کے ساتھ ہونے والے لامتناہی سلسلۂ مصائب کو دیکھ کر کچھ نہیں کر سکتے تھے ۔ لیکن جب بیعت عقبہ ثانیہ کے بہتر مہمانوں نے آپؐ کو دعوت دے کر تمام ذمہ داریاں قبول کر لیں تو آپؐ نے حوصلہ مند انصار کا شکریہ ادا فرمایا ۔ اور تمام مہاجرین کو بطور مہمان مدینہ کے انصار کے گھر ٹھہرایا ۔ انصار نے نہایت گرمجوشی سے مہاجرین کا استقبال کیا ۔ رسولؐ خدا کی راہ میں اپنی آنکھیں تک بچھا دیں اور اس طرح ایک نئی سوسائٹی کی تشکیل عمل میں آئی ۔ آپؐ نے دونوں یعنے مہاجرینؓ اور انصارؓ میں بھائی چارہ قائم فرما دیا ۔

چونکہ مہاجرین عام طور پر بالکل بے سرو سامان تھے ۔ انصار نے ان کے ساتھ حقیقی بھائیوں جیسا سلوک کیا اور ان کی مہمان نوازی میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا ۔ اس پر مضبوط ترین رنگ اس وقت چڑھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہم مناسبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے دو دو کا جوڑا بنا دیا ۔ انسؓ بن مالک انصاری کے گھر میں نوّے ۹۰ اشخاص جمع

ہوئے اور ان میں باقاعدہ رشتۂ اخوت کردیا گیا۔ یہ ایک ایسی عملی کوشش تھی جو افراط و تفریط سے بے نیاز اپنے اندر ایک جذبۂ محبت رکھتی تھی اور اسی کوشش سے انصار و مہاجرین کو اتنی پختہ رشتہ داریاں عطاء کیں کہ وہ ایک ہو گئے اور درمیان میں کوئی دراڑ باقی نہ رہی۔[1] انصارؓ نے سب سے پہلے یہ پیشکش کی کہ ہم میں اور ہمارے مہاجرین بھائیوں میں۔ ہمارے باغات۔ اموال اور زمینیں تقسیم فرمادی جائیں۔ لیکن مہاجرین جو کہ تجارت پیشہ لوگ تھے اور کھیتی باڑی کے کام سے ناواقف تھے۔ نیز ایک عظیم قوم بھی تھے اس لئے ان کے اخلاص کا شکریہ ادا کرکے جائیدادوں میں حصہ لینے سے انکار کردیا۔ حالانکہ وہ لُٹے ہوئے خالی ہاتھ مہاجرؓ تھے۔ وہ پناہ گیر تھے مگر پناہ میں آکر دل کے بادشاہ تھے۔ پس انہوں نے تجارت پر اکتفاء کیا اور آہستہ آہستہ مہاجرین کی تجارت بھی چل نکلی۔ انہوں نے اپنی اپنی جائیدادیں بنالیں اور خود کفیل ہوگئے۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سعدؓ بن الربیع کے بھائی بنے تھے۔ سعدؓ نے اپنا سارا مال و متاع ان کے سامنے نصف کردیا۔ اور جذبۂ جوشِ محبت میں آکر کہا کہ میری دو بیویاں ہیں۔ میں ان میں سے ایک کو طلاق دے کر عدت کے بعد آپ سے شادی کرنا چاہوں۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے شکریہ ادا کیا اور ان کے جذبات محبت کی قدر کی اور صرف یہ کہا "بھائی مجھے صرف بازار کا رستہ بتادیجئے"۔ کیونکہ وہ ایک ہوشیار سمجھدار تاجر تھے اور تجارت کی ابتداء سے کلیتہً واقف تھے۔

یہ سلسلہ مواخاۃ بہت سے فوائد پر مشتمل تھا جو اس حد تک بڑھ گیا کہ عرب کے دستور کے مطابق اسی کا اثر وراثت تک جا پڑا۔ یعنی ہر انصاری کی وفات پر ترکہ میں مہاجر کو بھی حصہ ملتا تھا۔ اور کئی سال تک اس پر عمل ہوتا رہا۔ لیکن جنگ بدر کے بعد یہ طریق وراثت خدا تعالیٰ کی وحی کے مطابق منسوخ ہوگیا اور وراثت کا قانون صرف حقیقی رشتہ داروں پر قائم ہوگیا۔[2]

---

[2] زرقانی ذکر مواخات۔

آپؐ نے اپنے صحابہؓ میں سے سب سے پہلے حضرت علیؓ بن ابی طالب کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا! ھٰذَا اَخِیْ (یہ میرا بھائی ہے) اس طرح خُدا کے رسولؐ سیّد المرسلین اور امام المتقین آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ دوسرے نمبر پر حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب اور زیدؓ بن حارث۔ تیسرے حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور معاذؓ بن جبل پھر حضرت ابوبکرؓ اور خارجہؓ بن زید۔ پس یہ سلسلۂ مواخاۃ بے وطن مہاجرین کے لئے مددگار اور دوستوں کا ایک ایسا وفد پیدا کردیا کہ قیامت تک انصارؓ کا نام زندہ رہے گا۔ اور اس رشتہ سے اتحادِ مذہبی۔ سیاسی اور تمدنی جو مضبوطی ہوئی وہ بہت حد تک نو آبادی کے لئے رحمت کا موجب ثابت ہوئی۔

ہجرت کے بعد پہلا معاہدہ

میثاقِ مدینہ

۶۲۳ء بعمر ۵۳ سال ۴ ماہ سنہ ۱ ہجری

ہجرت و غلبہ کے بعد یہ سب سے پہلا معاہدہ تھا جو مہاجر و انصار اور یہود کے درمیان قرار پایا تھا۔ یہ میثاق اپنی نوعیت کی پہلی اور عظیم الشان کوشش تھی۔ جو اخوت و برادری اور سیاسی وحدت کا ثبوت دیتی ہے۔ کیونکہ اب مسلمانوں کے علاوہ مدینہ میں یہودی بھی مقیم تھے۔ آپؐ نے یہودیوں اور عربوں کے سرداروں کو جمع کیا۔ اور ایک سیاسی وحدت کے لئے معاہدہ تحریر فرمایا "یہ دستاویز محمد رسول اللہؐ کی طرف سے جو نبی ہیں قریش اور اہلِ یثرب میں سے ایمانداروں اور اطاعت گزاروں نیز ان لوگوں کے درمیان جو ان کے تابع ہوں اور ان کے ساتھ شامل ہو جائیں اور جہاد میں حصہ لیں[1] مابین تحریر کی جاتی ہے :-

۱ - مسلمان اور یہودی آپس میں محبت اور اخلاص کے رشتہ میں منسلک ہو کر رہیں گے۔ اور سیاسی وحدت کو ملحوظ رکھیں گے۔

۲ - ہر قوم کو اپنی مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ایماندار دوسرے لوگوں کے مقابلہ بھائی بھائی ہیں۔

۳ - مہاجر مسلمان اپنے پرانے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور اسیروں

[1] :- ابن ہشام ص۵۱۰ باب ۴۲

کا فدیہ بھی دیں گے۔ تاکہ ایمانداروں کا برتاؤ نیکی اور انصاف پر ہو۔

۴ - ہر قسم کے تنازعات رسولِ خدا کے سامنے پیش کئے جائیں گے اور آپؐ ہر فیصلہ حکم شریعت کے مطابق کریں گے۔

۵ - ہر گروہ بنی عوف، بنی حارث اور بنی ساعدہ وغیرہ اپنے خون بہا ادا کریں گے اور اسیروں کا فدیہ بھی دیں گے۔

۶ - متقی ایماندار ہر ظالم شخص کی مخالفت پر کمر بستہ رہیں گے اور ایسے شخص کی مخالفت پر اکٹھے اٹھیں گے۔ خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

۷ - اگر یہودیوں یا مسلمانوں کے خلاف کوئی قوم جنگ کرے گی تو وہ ایک دوسرے کی امداد کریں گے۔

۸ - اگر کوئی مدینہ پر حملہ کرے گا تو سب مل کر اس کا مقابلہ کریں گے اور بحصہ رسدی خرچ برداشت کریں گے۔ یعنے اپنے اپنے اخراجات خود برداشت کریں گے۔

۹ - پس مدینہ ہر ایک کے لئے محترم جگہ ہوگی۔

۱۰ - کوئی ایماندار کسی ایماندار کو کافر کی خاطر قتل نہیں کرے گا۔ اور نہ کسی کافر کی مومن کے خلاف مدد کرے گا۔ اور نہ کافر کی جائیداد اپنے پاس بطور امانت رکھے گا۔

۱۱ - فریقین نہ معاہدہ جنگ علیحدہ کریں گے نہ صلح ہی کسی دوسری قوم سے علیحدہ کر سکیں گے۔

۱۲ - دیانت داری اور انصاف کو ہمیشہ مدِ نظر رکھا جائے گا۔ اور اگر مسلمانوں میں سے کوئی ادنیٰ فرد بھی کسی کو پناہ دے گا تو سب پر پابندی عائد ہو جائے گی۔

۱۳ - یہ تمام گروہ جو ہمارے ساتھ ہو کر جنگ کریں گے۔ ایک دوسرے کے پیچھے ہوں گے اور ایماندار اس چیز کا بدلہ لیں گے۔ جو خدا کی راہ میں ان کے خون کو پہنچے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ متقی ایماندار سب سے بہتر

اور سب سے زیادہ سیدھے راستے پر ہے۔

پس اس دستاویز کے بہت سے فوائد رونما ہوئے اور مدینہ میں ایک منظم اور مضبوط حکومت قائم ہوگئی اور ہر قبیلہ۔ ہر قوم اپنے اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے ایک ہی قانون کے ماتحت آگئے۔ اور حقیقی جمہوریت کی داغ بیل ڈال دی گئی اور اس طرح مرکزی حکومت کی بنیاد پڑی جس کے صدر خدا کے سچے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے جو کل خدا کی راہ میں اپنا وطن۔ گھر بار سب قربان کرکے چل پڑے تھے۔ کل کے مہاجر آج کے صدر تھے۔ حاکم تھے اور مقتدرِ اعلیٰ تھے اور یہ خدا کا خاص فضل تھا کہ اس نے اپنی غلبہ کی پیشگوئی پوری کی اور امداد کی راہیں کھول دیں ؛

اجازت جہاد بالسیف

سنہ ۶۲۳ء بعمر ۵۳ سال ۱۱ ماہ سنہ ۱ ہجری

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ تشریف لائے ہوئے تقریباً ایک سال ہی ہوا تھا کہ ۱۲ صفر سنہ ۲ ہجری مطابق ۱۵ اگست سنہ ۶۲۳ء خدا تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپؐ کو جہاد بالسیف کی اجازت عطاء فرمائی۔ شروع میں بعثت کے بعد مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں خود تکلیفیں اٹھائیں اور مظالم برداشت کئے۔ بلکہ صحابہ کرامؓ کو بھی برضائے الٰہی صبر برداشت کرنے کی نصیحت فرمائی۔ اور لڑائی کی طرح نہ ڈالی۔ قریش مکہ نے خدائے واحد کی عبادت اور توحید کے اعلان سے جبراً روکا۔ مارا۔ پیٹا یہانتک کہ تین سال تک سوشل بائیکاٹ کرکے زندگیاں ان پر تنگ کردیں۔ آخر دارالندوہ کی مجلسِ شوریٰ اس نتیجہ پہ پہنچی کہ محمدؐ کو قتل کردیا جائے۔ کہیں وہ بچ کر شہر نہ چھوڑ جائے وہ یہانتک خوفزدہ تھے۔ کہ کہیں اسلام جڑھ نہ پکڑ جائے۔ وہ یہانتک خوفزدہ تھے کہ ولید بن مغیرہ خالد بن ولید کا باپ جب مرنے لگا تو وہ رونے چیخنے لگا۔ لوگوں نے اس بزدلی کی وجہ پوچھی تو کہنے لگا کہ موت کے خوف سے نہیں رو رہا۔ اسلئے روتا ہوں کہ میرے بعد محمدؐ کا دین نہ پھیل جائے۔ رؤساء قریش نے کہا۔ "تم فکر نہ کرو ہم اس کے ضامن ہیں کہ اس کے دین کو نہ پھیلنے دیں گے"۔ گویا موت تو ان کے لئے آسان تھی توحید کی جڑھیں پھیلنے کا خیال انہیں موت سے زیادہ قبیح معلوم ہوتا تھا۔ وہ کئی بار حبشہ میں قسمت آزمانے آئے تھے۔ نجاشی کے دربار میں ہزاروں تحائف پیش کرکے ان کے معاوضہ

میں اسلام کے ماننے والوں کو واپس لے جانا چاہتے تھے۔ تاکہ پابہ زنجیر انہیں رکھا جائے۔ لیکن جب حقیقی شکار ہاتھ سے نکل کر بعافیت اپنی منزل پہ پہنچ بھی جائے تو وہ قرار دادیں پیش کرنے والے سر پیٹ کر خاموش بیٹھ نہیں جائیں گے۔ بلکہ تڑپتی ہوئی تلواریں میانوں سے نکال لیں گے۔ رسولِ خداؐ کے سر کی قیمت مقرر کرنا ہی اعلانِ جنگ تھا۔ کہ جو شخص محمدؐ کو زندہ یا مُردہ پکڑ کر لائے گا اسے ایک سَو اونٹ انعام دیا جائے گا۔ تعاقب کرنے والوں نے دیوانوں کی طرح وادی وادی چپہ چپہ چھان مارا حتیٰ کہ سراقہ بن مالک نے آپؐ کو پا جانے میں کامیابی حاصل کر لی۔ لیکن پکڑنے کی بجائے وہ امن و معافی کا خواستگار رہوا۔ اور ایک دن توحید کا پرچم لہرانے والوں میں جا شامل ہؤا۔

الغرض ہر تدبیر کی نامرادی و ناکامی نے قریش مکّہ کو مخالفت میں اور بھی اندھا کر دیا (بڑھا دیا)، اور انہوں نے مدینہ کے ایک رئیس عبداللہ بن ابی ابن سلول اور اس کے ساتھیوں کو ایک تہدیدی خط ارسال کیا جس میں مسلمانوں کے خلاف خطرناک منصوبہ تھا۔ اور انصار کو بہت تشویش تھی۔ یہاں تک کہ خوف سے راتوں کو بھی ہتھیار لگا لگا کر سوتے تھے۔ اور دن کو بھی ہتھیار لگا کر پھرتے تھے کہ کہیں اچانک حملہ نہ ہو جائے۔

رسولؐ پاک کا تو یہ حال تھا کہ آپؐ حملہ کے خوف سے راتوں کو جاگا کرتے تھے۔ پس یہ وقت اسلام پر بہت نازک تھا اور ایسے وقت میں خاموش نظارہ کرنا خودکشی سے کم نہ تھا۔ بس ان اضطراری حالات کا تقاضا تھا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نازل ہو جس سے مدافعت کے سامان مکمل ہو سکیں چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ۔ یعنے آج تمہیں جنگ کرنے کی اجازت دی جاتی ہے اور اللہ تعالےٰ یقیناً مدد پر قادر ہے۔ پس کفار جب بزور شمشیر اسلام سے منحرف کرنے کے لئے آگے بڑھے تو خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ تلوار کا مقابلہ تلوار سے کرو۔ اور اگرچہ دفاعی جنگ

کی طرف اشارہ ہجرت کے اذن میں بھی تھا۔ تاہم یہ کھلی اجازت نبوت کے پندرہویں سال ملی۔ پندرہ سال آپؐ مصائب و صعوبتیں برداشت کر کے اتمامِ حجت کرتے رہے اب حکم ملا "کہ اے مسلمانوں! لڑو اُن سے جو تم سے لڑتے ہیں۔ مگر دیکھنا زیادتی نہ کرنا"۔ اس حکم کے باوجود حضورؐ امن و عافیت کے خواہاں تھے۔ آپؐ فرماتے "اے مسلمانوں تمہیں چاہیئے کہ دشمن کے مقابلہ کی خواہش نہ کرو اور خُدا تعالیٰ سے امن کے خواہاں رہو۔ اگر تمہاری خواہش کے بغیر حالات کی مجبوری سے کسی دشمن کے ساتھ تمہارا مقابلہ ہو جائے تو پھر ثابت قدمی دکھاؤ"۔[1] پس ہر حکم سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ رسولؐ خدا جنگ کے حالات سے ہی پناہ مانگتے تھے۔ اور امن و امان کی زندگی کو ترجیح دیتے تھے۔ کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی فوجی دستہ روانہ فرماتے تھے تو اس کے امیر کو یہ نصیحت کرتے تھے کہ جب تم دشمن کے سامنے ہو۔ جن میں تمہاری لڑائی چھڑی ہے۔ تو لڑائی شروع ہونے سے پہلے انہیں تین باتوں کی دعوت دیا کرو۔ اگر ان تینوں میں سے ایک بھی وہ مان لیں تو پھر اُن سے مت لڑو۔

(۱) سب سے پہلے انہیں اسلام کی دعوت دو۔ اگر وہ مان لیں تو ان کا اسلام لانا قبول کرو۔ اور ان سے ہاتھ کھینچ لو۔

(۲) پھر اس کے بعد انہیں مدینہ کی طرف ہجرت کی تحریک کرو۔ اگر وہ ہجرت کریں گے تو مہاجرین کے حقوق دیئے جائیں گے۔ اور اگر اسلام کی دعوت کو ہی رد کر دیں تو

(۳) پھر اُن سے کہو کہ ٹیکس دینا شروع کریں اور اسلامی حکومت کے ماتحت آجائیں۔ اور اگر وہ تیسری صورت مان لیں تو بھی اُن سے نہ لڑو۔ لیکن اگر انکار کر دیں تو پھر خدا کا نام لے کر اُن سے لڑو۔[2]

اجازت جہاد کے لئے ایک یہ نقطہ ہی قابل غور ہے کہ جہاد کرنے والے

[1] :- بخاری و مسلم ابوداؤد۔

کی نیت قطعی طور پر حفاظتِ دین ہونی چاہیئے۔ اگر اس کے علاوہ کوئی اور خیال
اُس کے دل میں پیدا ہوا تو وہ ثواب سے محروم ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ روائت
ہے کہ رسُولِ خدا نے فرمایا کہ جو مجاہدین خدا کی راہ میں نکلتے ہیں اور ان کو لڑائی
میں مالِ غنیمت ہاتھ لگ جاتا ہے تو ان کا ۲/۳ حصّہ ثواب آخرت کا کم ہو جاتا ہے۔
اور اگر مال غنیمت ہاتھ نہ آئے تو پورا پورا ثواب ملے گا [1]

پس حرفِ آخر یہی ہے کہ لڑائی محض خدا تعالیٰ کی خاطر کرنی چاہیئے۔ جس
میں نفس کا غصہ یا انتقام شامل نہ ہو۔ ملک کو فتح کرنے یا اپنے رسوخ کو بڑھانے
کے لئے تلوار اُٹھانا بھی جائز نہیں۔ جو پہلے حملہ کرے اس کی بھی تحقیق کر لینی
چاہیئے۔ کہ کسی خوف کے ماتحت تو جنگ شروع نہیں کی۔ اور اگر دشمن کسی وقت
بھی صلح کے لئے جھکے تو خدا تعالیٰ پر توکل کر کے صلح کے لئے ہاتھ بڑھانا چاہیئے۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ [2]

[1]:- مسلم و نسائی۔ [2]:- سورۃ انفال ع ۸

رُخ کعبہ کی پہلی نماز

سنہ ۶۲۳ء بعمر ۵۴ سال ۵ ماہ ۷ دن

نماز فرض ہو جانے کے بعد محمد رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکّہ میں
بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے اور جب ہجرت کر کے مدینہ
تشریف لائے تو بھی بیت المقدس کی طرف ہی رُخ کر کے نماز باجماعت التزام
کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ لیکن سب سے پہلی نماز جو آپؐ نے کعبہ کی طرف رُخ
کر کے ادا فرمائی وہ ظہر کی نماز تھی [1]۔ سولہ سترہ مہینے تک ہجرت کے بعد مسلمانوں
کے لئے قبلہ کا رُخ وہی تھا۔ جو پہلے نبی کا تھا یعنی بیت المقدس کی طرف ہی تھا لیکن
آپؐ کو پسند یہی تھا کہ قبلہ کا رُخ کعبہ کی طرف ہی ہو۔ آپؐ خدا تعالیٰ سے توجہ
کرتے تھے کہ کب کعبہ کی طرف مُنہ کرنے کا حکم ملتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ
"ہم ضرور تجھے اس قبلہ کی طرف پھیرا دیں گے جسے تو پسند کرتا ہے" پس آپؐ
منتظر ضرور تھے۔ لیکن دعائیں تحویل قبلہ کے لئے آپؐ نے کبھی نہیں کیں۔ آخر
آپؐ کی اس توجہ روحانی کی برکت سے تبدیلی قبلہ کا حکم نازل ہو ہی گیا۔ اور
خدا تعالیٰ نے حکم دے دیا کہ

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ
فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ [2]

پس اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لو اور جہاں کہیں بھی تم ہو اپنے چہروں کو اس

[1]:- ابن کثیر [2]:- سورۃ بقرہ ع ۱۷

کی طرف پھیرا کرو۔

حضرت ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ میں اور میرے ساتھی پہلے لوگ ہیں جنہوں نے ظہر کی نماز بیت اللہ شریف کی طرف منہ کرکے پڑھی تھی اور یہ حکم مسجد بنی سلمہ میں نازل ہوا تھا۔ اسی لئے صحابہ کرامؓ اس مسجد کو مسجد القبلتین کہتے ہیں[1]۔ اسی طرح نویلہؓ بنت مسلم سے روایت ہے کہ وہ ظہر کی نماز پڑھ رہی تھیں کہ یہ خبر آئی کہ بیت اللہ قبلہ ہو گیا ہے۔ تحویل قبلہ کے حکم پر چونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رخ بدلنا پڑا اسلئے مردوں اور عورتوں کی ترتیب بھی بدل گئی۔ یعنی مرد عورتوں کی جگہ اور عورتیں مردوں کی جگہ کھڑے ہو گئے۔ کیونکہ اسلام میں حکم ہے کہ امام کے پیچھے پہلے مرد اور پھر عورتیں ہوتی ہیں۔ پس یہ حکم ظہر کی نماز میں رجب کے مہینہ میں ۲ سنہ ہجری کو نازل ہوا تھا[2]۔

معترضین اعتراض کرتے ہیں۔ کہ یہودیوں کو محض خوش کرنے کے لئے آپؐ نے مدینہ میں آکر بیت المقدس کی طرف منہ کیا تھا اور جب یہ مقصد حل نہ ہوا۔ تو پھر مکہ کی طرف منہ پھیر لیا۔ وہیری کا یہ اعتراض سخت بے بنیاد ہے کیونکہ صحفِ سابقہ میں یہ پیشگوئیاں ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک وقت قبلہ بدلا جائیگا جیسے کہ انجیل میں قبلہ بدلنے کی پیشگوئی ہے۔ "ہمارے باپ دادوں نے اس پہاڑ پر پرستش کی اور تم کہتے ہو کہ وہ جگہ جہاں پر پرستش کرنی چاہیئے یروشلم میں ہے۔ یسوع نے اس سے کہا" "کہ اے عورت! میری بات کا یقین رکھ کہ وہ گھڑی آتی ہے کہ جس میں تم نہ تو اس پہاڑ پر اور نہ ہی یروشلم میں باپ کی پرستش کرو گے"۔ تو اس سے واضح ہے کہ ایک زمانہ آئے گا جب نہ تو پہاڑ قبلہ رہے گا نہ یروشلم بلکہ ایک اور ہی مقام قبلہ مقرر کیا جائے گا۔

پس وہ مقام مکہ میں قرار پایا۔ کیونکہ مکہ قابل احترام جگہ ہے۔ نہ صرف قریش کے لئے بلکہ ہر اس شخص کیلئے جو مکہ کا رہنے والا تھا۔ کیونکہ مکہ کے رہنے والے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو

[1]: تفسیر ابن کثیر صفحہ ۲۳۰

[2]: بیہقی کتاب دلائل النبوۃ

اپنے شہر کا بانی خیال کرتے تھے۔ فتح مکہ تک حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بت بھی وہاں پلائے جاتے تھے۔ پھر وہ چشمہ جو خدا تعالیٰ نے اسمٰعیل علیہ السلام کے لئے نکالا وہ بھی مکہ میں ہی تھا۔ اس لئے مکہ کو ہر لحاظ سے تقدیس حاصل ہے کہ وہاں امتِ محمدیہ بیت اللہ کی طرف منہ کرکے نماز ادا کریں۔ سو یہ فریضۂ نماز تا قیامت بیت اللہ شریف کی طرف منہ کرکے ادا کیا جاتا رہے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

❋

پہلا حکم ـــــ روزہ

سنہ ۶۲۳ء بعمر ۵۴ سال ۵ ماہ، دن سنہ ۲ ہجری

اہل عرب عموماً ترتیب زمانی قائم کرنے کے لئے مہینوں کا نام موسموں پر رکھا کرتے تھے۔ اس طرح جب اللہ تعالیٰ نے رمضان کا حکم نازل فرمایا تو شدید گرمی تھی۔ رمض عربی میں شدید گرمی کو کہتے ہیں۔ اس لئے گرمی میں آنے والے حکم کی نسبت سے یہ روزوں کا مہینہ کہلایا۔

ہجرت کے عین اٹھارہ ماہ بعد ماہ شعبان میں تحویل کعبہ کا حکم نازل ہوا۔ اُس کے بعد رمضان کے روزوں کی فرضیت کی گئی۔ خدا تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا کہ:-

يَاَ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ ...... [1]

یعنی اے مسلمانو! "تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں"۔ آج تک تو ارکان اسلام میں پہلا رکن کلمہ طیبہ تھا۔ دوسرا رکن نماز تھی۔ اور تیسرا رکن زکوٰۃ اور آج چوتھا رکن بھی شامل ہو گیا یعنی روزہ۔ پس خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو عبادت و ریاضت میں ایک دوسرے سے بازی لگاتے تھے۔ سبقت کی کوشش میں پیش پیش تھے ان میں ایمان والوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ آج سے تمہارے ذمے تمہارے نفس کو صاف و پاک کرنے کے لئے ایک اور ذمہ داری عائد کی جاتی ہے اور وہ ہے رمضان شریف کے روزے رکھنا۔ جو مقیم اور تندرست ہیں رکھنے لازمی ہیں۔ لیکن مریض اور مسافر کو اجازت دی کہ وہ روزہ نہ رکھے اور اسی طرح بوڑھے اور ضعیف شخص کو بھی جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔

---

[1] :- سورۃ بقرہ ۱۸۴)

اس کے عوض فقراء و مساکین کو کھانا کھلانے کا حکم دے دیا۔ سبحان اللہ! کتنی لچک ہے ارکان اسلام میں کہ ہر حکم سوائے کلمہ طیبہ کے ہمت و استطاعت کو مدِنظر رکھ کر ادا کرنے کی اجازت بھی دی گئی۔ اور روزہ تو سب احکامات سے سہل اور لچکدار نقطہ لئے ہوئے ہے۔

جاہلیت کے زمانہ میں یہود عام طور پر عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے اور ان کی وجہ تسمیہ وہ یہ بیان کرتے تھے کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا فیصلہ ہوا تھا۔ اس دن دس محرم کو خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو دریائے نیل میں غرق ہونے سے بچا لیا تھا۔ جبکہ حکم ربی سے فرعون اور اس کی قوم اسی دریا میں۔ اسی پاٹ پر اور انہی لمحات میں لہروں کے سپرد ہو کر غرق ہو گئی تھی۔ سو یہ دن یوم نجات قرار پایا اور یہودیوں نے شکرانے کے طور پر اس دن روزہ رکھنا شروع کر دیا۔ حضرت رسولِ خدا ﷺ نے بھی اس شکر گزاری اور خدا کے احسان کو مانتے ہوئے عاشورہ کا روزہ رکھا لیکن اس نفلی روزہ کے لئے صحابہ کرام کو کبھی نہیں کہا۔ جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے۔ اور عاشورہ کا روزہ رکھا تو صحابہ کرام کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ لیکن جب رمضان شریف کے روزے نازل ہو گئے تو عاشورہ کی پابندی آپ نے ترک فرما دی۔ اور ذاتی خوشی کے لئے جس نے چاہا نفلی روزہ رکھ لیا۔

عاشورہ کے روزہ کے لئے سرور کائنات نے فرمایا کہ "اے یہود ہم تمہارے مقابلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نجات کا یادگاری روزہ رکھنے کے زیادہ حقدار ہیں"۔

الغرض روزہ کی فرضیت، نماز کی فرضیت اور زکوٰۃ کی فرضیت اور آخری رکن حج کی فرضیت سے اللہ تعالیٰ نے بتدریج مسلمانوں کے لئے روحانی ترقی کے دروازے کھول دیئے۔ جب تمام قومیں دنیا کی روح میں مر چکی تھیں

اور فساد روحانی سے بحر و بر کو ہلاک کر دیا تھا۔ تب رسُول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر نئے سرے سے دنیا کو زندہ کیا۔ اور زمین پر توحید کا دریا جاری کر دیا تو ایسے وقت میں وحشیانہ حالتوں سے اٹھا کر اعلیٰ درجہ کی انسانیت تک پہنچنے کیلئے مالی، جانی، جسمانی قربانی ضروری تھی۔ سو وہ خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو روحانی بلندی عطا کرنے کے لئے اُن پر مختلف ذمہ داریاں ڈال کر انہیں توفیق دی کہ وہ یہ قربانیاں کریں۔ انہوں نے اپنی جانیں فدا کیں۔ عزیز و اقارب چھوڑے۔ اپنے مال۔ اپنی عزتیں اور آرام تلف کر کے جانفشانی اور صدق کے نمونے پیش کئے اور موت کے گڑھے سے نکل کر حیات کے بلند مینار پر کھڑے ہو گئے۔ اور یہ صرف اُن ذمہ داریوں اور فریضوں کی ادائیگی کے طفیل ایسا وجود میں آیا۔

وہ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ کہیں تو نماز میں سبقت لینے کے لئے گھٹنوں کے بل چل کر مسجد پہنچے اور کہیں روزہ کی ادائیگی کے لئے سال بھر کے ۵۰ فیصد دن روزے رکھے اور کہیں مالی۔ قربانی کے لئے اپنے مال و متاع رحمۃ للعالمین کے سامنے ڈھیر کر دیئے اور خدا اور اُس کے رسُولؐ کا نام گھر میں باقی رہنے دیا۔ تو یہ جذبۂ عمل ارکانِ اسلام کا پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں فرما دیا:-

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔

یعنی (اے مسلمان مرد و زن) اگر تو اس مہینے کو پائے تو مہینہ بھر روزے رکھ"۔ تاکہ تو جان لے کہ تو اپنی خواہشات پر قابو رکھ سکتا ہے اور جذبات طلاطم خیزیوں سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے۔

پس خدا تعالیٰ نے خود ہی فرما دیا کہ بندوں کی افادیت و اہمیت کیا ہے فرمایا:-

وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

پہلی دفاعی جنگ ــــــ جنگ بدر

سنہ ۶۲۴ء جنوری بعمر ۵۴ سال ۶ ماہ، ۱۷ رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری

حقیقت یہ ہے کہ مکہ والوں میں یہ قوت ہی نہ تھی کہ اکتساب نور کر سکتے۔ چنانچہ برسوں کی مستقل کوششوں کے بعد خدا کا رسُولؐ بانیٔ اسلام وہاں سے رات کی تاریکی میں ان کے لئے مکمل تاریکیاں چھوڑ کر مدینہ تشریف لے آیا۔ اور مدینہ والوں میں نور کو سمیٹنے کی بہت قوت تھی اسی لئے اسلام کے قدم یہاں بڑی سرعت کے ساتھ اُٹھنے لگے اور کلمہ طیبہ کے نکتے نے پھیل کر ایک نئی قوم کو جنم دیا۔ ایک ایسی قوم کو جو نہ تو علاقہ کی طلبگار تھی اور نہ کسی حکومت کی خواہاں۔ صرف اللہ اور اس کے رسُولؐ کے اتباع میں زندگی بسر کرنا چاہتی تھی۔ دوسری طرف دشمن بھی کسی علاقہ کا طلبگار نہ تھا۔ کسی حکومت کا خواہاں نہ تھا۔ کسی شہرت کا بھوکا نہ تھا۔ اور کسی ظالم کو سزا دینا نہیں چاہتا تھا۔ بلکہ مظلوم کے بچ نکلنے کا انتقام چاہتا تھا۔ صرف اور صرف اسلام کے نام لیواؤں کو بزور شمشیر ختم کرنا چاہتا تھا۔ آج وہ بھیڑیئے کے اصلی روپ میں سامنے آگیا تھا۔ اُدھر عمرو بن حضرمی کے قتل کا واقعہ پیش آگیا جو جلتی پر تیل کا کام کر گیا۔ اس لئے ہر مذہب و ملت کے لوگوں کے دلوں میں بغاوت کی آگ جل رہی تھی ادھر رسولِ خدا کو علم ہو چکا تھا کہ ابوسفیان قافلہ لے کر مدینہ کے پاس سے گزر رہا ہے۔ اور قافلہ میں تقریباً ستر آدمی ہیں۱۔ آپؐ نے یہ خبر پا کر دو مہاجر صحابی حضرت طلحہؓ بن عتبہ اور سعیدؓ بن زید کو خبر رسانی کے لئے روانہ فرمایا۔ اور دوسری طرف احتیاطی تدابیر کے طور پر صحابہؓ کو اطلاع دے دی کہ اس قافلہ کی روک تھام کے لئے نکلنے کو

۱:- ابن ہشام و زرقانی ؒ

تیار ہوجائیں۔ اُدہر ابوسفیان کو کچھ علم ہوگیا۔ تو وہ کسی خدشہ کے ماتحت اصل راستہ کو چھوڑ کر سمندر کے کنارے کی طرف ہٹ گیا۔ لیکن ایک سوار ضمغم نامی کو مکّہ کی طرف

بھگا دیا کہ جاکر قریش کا لشکر قافلہ کی حفاظت کے لئے اور دوسرے مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے نکال لائے۔" لیکن ضمغم نے مکّہ میں جاکر نہایت ہنگامی صورت حال پیدا کر کے پیش کی اور واویلا شروع کر دیا کہ محمد (صلعم) اور اُس کے اصحابؓ قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے نکلے ہیں۔" چلو اور اسے بچالو"۔ کفار مکّہ چونکہ پہلے ہی مسلمانوں کی تباہی کے درپے تھے۔ عام اعلان کر دیا کہ ایک بڑا لشکر تیار کرو۔ اور اس مہم میں ہر وہ شخص شامل ہوجائے جو لڑنے کے قابل ہو۔ اور جو کوئی کسی مجبوری کے تحت شامل نہ ہو سکے وہ کسی دوسرے کو بھیجنے کا انتظام کرے۔ جیسے کہ ابولہب اپنی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے خواب سے ڈر کر شامل نہیں ہوا تھا بلکہ اپنی جگہ العاص بن ہشام کو بعوض چار ہزار درہم روانہ کر دیا تھا۔ چنانچہ تین دن کی تیاری میں مکّہ والوں نے ایک ہزار کا لشکر تیار کر لیا۔ اور چلنے سے پہلے کعبہ میں جاکر دُعا کی کہ " اے خُدا ہم دونوں فریقوں میں سے جو گروہ حق پر ہے اور تیری نظروں میں جو زیادہ شریف ہے اور زیادہ افضل ہے تو اُس کی نُصرت فرما۔ اور دوسرے کو ذلیل کر۔ کفّار کا لشکر بڑے جاہ و جلال سے مکّہ سے نکل کر بدر کی طرف بڑھا لیکن جب جحفہ میں پہنچا تو ابوسفیان کے قاصد نے اطلاع دی کہ میرا قافلہ بچ کر نکل آیا ہے اور خطرہ کا مقام چھوڑ آیا ہوں۔ یہ پیغام سُن کر کچھ لوگ تو واپس چلے گئے اور کچھ نے مسلمانوں پر رعب ڈالنے کے لئے تین دن جشن منانے کا فیصلہ کر لیا۔ اور بدر کی وادی کے کنارے ڈیرے ڈال دیئے۔ ادہر رسُولِ خدا کو جب علم ہوا کہ مکّہ والے اس خیال سے کہ قافلہ پر مدینہ والے حملہ نہ کر دیں۔ لشکر لے کر نکلے ہیں۔ تو آپؐ نے اپنے دوستوں سے مشورہ کیا کہ اگر ہم مدینہ میں بیٹھے رہے تو دشمن دلیر ہوجائے گا۔ ہمیں آگے چلنا چاہیئے آپ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت لے کر مدینہ سے باہر تشریف لے آئے۔ مدینہ سے

آپؐ نے بہت کم لوگ اپنے ساتھ لئے۔ کیونکہ آپؐ اسے جرأت کے اظہار کا ایک موقع خیال کرتے تھے۔ اگرچہ الٰہی ارشادات سے آپؐ کو معلوم ہو چکا تھا کہ مکّہ سے ایک لشکر آرہا ہے۔ لیکن آپؐ کو یہ اجازت نہ تھی کہ آپؐ اس خبر کو ظاہر کریں۔ بدر کے

مقام کے قریب جاکر آپؐ نے یہ بات ظاہر کر دی۔ کہ مجھے خداتعالیٰ نے اطلاع دی ہے کہ دشمن کا لشکر قریب آگیا ہے۔ اور قافلہ کی بجائے شاید لشکر سے لڑائی ہوجائے۔ تمہاری کیا رائے ہے؟ مہاجرین یکے بعد دیگرے کھڑے ہوئے اور کہا:۔

"یارسُول اللہ! ہم آپؐ کے آگے لڑیں گے۔ پیچھے لڑیں گے۔ دائیں بھی لڑیں گے بائیں بھی لڑیں گے اور حضرت موسیٰؑ کی قوم کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ جا! تو اور تیرا رب جاکر جنگ کریں۔ ہم بیشک یہاں بیٹھنے والے ہیں۔ بلکہ ہم یہ کہیں گے"۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر ہمیں برک الغماد تک بھی لے چلیں تو آپؐ کا ساتھ دیں گے۔"[1]

رسُولِ خُدا نے ان کی تعریف کی اور انصار سے مشورہ فرمایا۔ سعد بن معاذ رئیس قبیلہ اوس نے انصار کی طرف سے عرض کیا۔ آپؐ کو سچا سمجھ کر آپؐ پر ایمان لائے ہیں۔ خدا کی قسم اگر آپؐ ہمیں سمندر میں کود جانے کو کہیں تو ہم کود جائیں گے۔ اور ہم میں سے ایک فرد بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ اور ہم کو لڑائی میں صابر پائیں گے اور ہم سے وہ بات دیکھیں گے جو آپؐ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرے گی[2] تو یہ سن کر آپؐ بہت خوش ہوئے۔ فرمایا۔ تو پھر اللہ تعالےٰ کا نام لے کر بڑھو اور خوش ہوجاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ کفار کے ان دو[2] گروہوں میں سے کسی ایک گروہ پر وہ ہمیں غالب کرے گا۔ اور خدا کی قسم میں وہ جگہیں دیکھ رہا ہوں جہاں دشمن کے آدمی قتل ہو کر گریں گے[3]۔ چنانچہ آپؐ ۱۲ ررمضان بروز اتوار

---

[1] ابن ہشام، بخاری کتاب المغازی [2] ابن ہشام ص ۲۶۶ باب ۹۶ [3] ابن ہشام و ابن سعد

مدینہ سے انصارؓ و مہاجرینؓ کی ایک مختصر سی جمعیت لے کر خُدا کی راہ میں جہاد کے لئے چل پڑے۔ چلتے وقت آپؐ نے عمروؓ بن ام مکتومؓ کو نماز پڑھانے پر مقرر فرمایا۔ اور ابولبابہؓ کو مدینہ کا عامل بنایا۔ تھوڑی دور نکل کر ڈیرہ ڈالنے کا حکم دیا اور فوج کا جائزہ لیا۔ کم عمر بچوں کو واپس لوٹا دیا۔ لیکن دو بچوں کو ان کے ازحد اصرار پر انتہائی شوق کی بناء پر اجازت مل گئی۔ ان میں سے ایک سعدؓ بن ابی وقاص کے چھوٹے بھائی موحض / عمیرؓ تھے[۱]۔ اسلامی لشکر کی تعداد اب تین سو دس (۳۱۰) کے لگ بھگ تھی۔ مہاجرینؓ ساٹھ تھے باقی تمام انصار تھے۔[۲]

اسلامی فوج بہت نامکمل سامانِ حرب کے ساتھ تھی۔ کل ستر اونٹ تھے جن پر باری باری صحابہ کرامؓ بیٹھتے تھے۔ رسُولؐ خدا کے ساتھ حضرت علیؓ اور مرثدؓ بن مرثدؓ ایک اونٹ پر اور حمزہؓ، زیدؓ بن حارثہ اور ابوکبشہ ایک اونٹ پر اور اسی طرح حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف ایک اونٹ پر بیٹھے تھے۔ زرہ پوش صرف چھ سات تھے۔ اس بے سرو سامانی کی حالت میں بدر کے مقام سے ایک منزل دُور ہی تھے کہ آپؐ کو اطلاع مل گئی کہ قریش کا ایک جرار لشکر مکہ سے آ رہا ہے۔ لشکر میں تقریباً سات سو اونٹ ایک سو گھوڑے تقریباً تمام زرہ پوش تیر و نیزہ سے مکمل تھے۔ آپؐ نے اس نازک وقت میں صحابہ کرامؓ سے حضرت علیؓ حضرت زبیر بن العوام اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو ایک جماعت کے ساتھ کچھ خبریں لینے کے لئے بھیجا ہوا تھا۔ وہ مفید خبریں لے کر پہنچ چکے تھے۔ اس لئے آپؐ نے حبابؓ بن منذر کے مشورہ سے ایک اچھے میٹھے پانی کے چشمہ پر ڈیرے ڈال دیئے تھے۔ اگرچہ قرآن مجید میں اشارہ ہے کہ اُس وقت اس چشمہ میں پانی نہ تھا۔ اور مسلمانوں کو پانی کی قلت محسوس ہوئی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق "غمامہ" کے ساتھ استقبال کیا اور

[۱]:۔ اصابہ ذکر عمیر وقاص ؛ [۲]:۔ بخاری حالات غزوہ بدر ؛

بارش برسا کر رسُول خدا کو فائدہ پہنچایا کہ زمین کے اجزاء ایک دوسرے سے متصل ہو گئے۔ اور اس طرح مسلمانوں کو چلنے پھرنے میں سہولت ہو گئی۔ لیکن قریش کا نچلا میدان پھسلن زمین بن گیا۔ اور ان کے چلنے پھرنے میں بہت دقت ہوئی[۱]۔ چنانچہ سترہ رمضان ۲ہجری بروز جمعہ فجر کی نماز میں آپؐ خدا تعالیٰ کے حضور سربسجود رہے اور آپؐ نے فراغت کے بعد صفیں درست فرمائیں۔ ایک مختصر سا خطبہ جہاد دیا۔ آپؐ نے قریش کو اپنے سامنے آتے دیکھ کر فرمایا۔ "لو مکہ نے تمہارے سامنے اپنے جگر گوشے نکال کر ڈال دیئے ہیں[۲]۔ پھر دُعا فرمائی! یا اللہ یہ قریش ہیں۔ یہ اپنے فخر و غرور کے ساتھ آ گئے ہیں۔ تیری مخالفت کرتے ہیں۔ تیرے رسُول کو جھٹلاتے ہیں۔ یا اللہ میں تیری مدد کا طالب ہوں جس کا تُو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ یا اللہ آج صبح انہیں ہلاک کر دے[۳]۔ قریش کے لشکر میں حرکت پیدا ہوئی اور دونوں ایک دوسرے کے سامنے آ گئے۔ لیکن خدا تعالیٰ کی قدرت تنظیم میں بھی عیاں تھی۔ کہ مسلمان اپنی اصلی تعداد سے زیادہ بلکہ دو گنے نظر آ رہے تھے۔ قریش نے ایک مخبر عمیر بن وہب کو بھیجا کہ اسلامی لشکر کے گرد گھوڑا دوڑا کے دیکھے کہ لشکر کہیں مخفی کمک تو نہیں رکھتا۔ عمیر نے چکر کاٹ کر دیکھا تو اُسے جنات کا سا جلال نظر آیا۔ اور وہ ہیبت زدہ ہو کر واپس آ گیا اور اُس نے کہا کہ مجھے اونٹوں کے کجاووں پر آدمی نہیں بلکہ موتیں نظر آتی ہیں اور یثرب کی سانڈنیوں پر گویا ہلاکتیں سوار ہیں[۴]۔

یہ خبر کافی انتشار کا موجب ہوئی وہ سب عتبہ۔ شیبہ۔ حکیم بن حزام تمام ابوجہل کے پاس مشورہ کرنے کیلئے گئے اور تجویز پیش کی کہ ہم آپس میں رشتہ دار ہیں۔ بھائی بھائی پر تلوار اٹھائے اور بیٹا باپ پر زیب نہیں دیتا۔ لیکن ابوجہل نے بزدلی کا طعنہ دیا اور انتقامی

[۱]:۔ ابن ہشام ؛ [۲]:۔ ابن ہشام باب ۵۵ ص ۶۲۵ ؛
[۳]:۔ ابن ہشام ص ۶۲۵ ؛ [۴]:۔ ابن سعد ؛

حملوں سے دوبارہ ان کے سینوں کو عداوت سے بھر دیا۔ اگرچہ خوف وہراس عمیر بن وہب کی روایت سے ان پر طاری تھا۔ لیکن یہ خوف لڑائی کو نہ تھام سکا۔ اور لڑائی شروع ہوگئی۔ رسولؐ خدا نے مصعبؓ بن عمیر کو سفید رنگ کا پرچم دیا۔ اور حضرت علیؓ کو سیاہ اور اسی طرح حضرت سعدؓ بن معاذ کو بھی سیاہ پرچم عنایت فرمایا[۱]۔ عتبہ، شیبہ اور ولید آگے بڑھے ان کے مد مقابل پر حضرت حمزہؓ۔ حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہؓ میدان میں نکلے[۲]۔ حضرت حمزہؓ اور علیؓ نے تو ایک دو واروں میں ہی عتبہ۔ شیبہ کا کام تمام کر کے خاک میں ملا دیا۔ لیکن حضرت عبیدہؓ اور ولید میں کچھ جھڑپیں ہوئیں۔ جو کاری زخم کا موجب ہوئیں۔ اور جب ولید گرا تو حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر اس کا خاتمہ کر دیا۔ لیکن حضرت عبیدہ سلامت رہے۔ اگرچہ ان کی ضربیں اتنی کاری تھیں کہ وہ بدر سے واپسی پر راستہ میں ہی انتقال فرما گئے۔ انفرادی جنگ کے بعد عام لڑائی شروع ہوگئی ؎

۱؎:۔ ابن ہشام صفحہ ۶۶۲ باب ۴۸ ۔ ۲؎:۔ ابو داؤد ۔

یہودیوں میں پہلا مسلمان

عبداللہ بن سلام الحصین

۱۷ رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری

نبوت کے تیرہ ۱۳ برس بعد جب خدا تعالیٰ کے حکم سے رسُول صلّی اللہ علیہ وسلم روحانی نو آبادی قائم کرنے کے لئے مدینہ تشریف لے گئے تو مسلمان چند سینکڑوں سے زیادہ نہ تھے۔ اور یہ الٰہی غلبہ کی ابتداء تھی۔ کہ خدا تعالیٰ نے ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ ہجرت کے معاً بعد مسلمان دن بدن بڑھتے چلے گئے اور بُت پرست و مشرک مسیحی تمام یکے بعد دیگرے اسلام میں شامل ہوتے گئے۔ لیکن یہودیوں میں سے بہت تھوڑے لوگوں نے آپؐ کی زندگی میں موسوی دین کو خیر باد کہا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے عرب کے خطہ میں رسُولؐ خدا کو منتخب فرما کر جو خصوصیت مکہ کو دی تھی اس سے یہودی شدید غم و غصہ کا اظہار کیا کرتے تھے۔ حالانکہ یہودی وہ لوگ ہیں جو پہلے کسی نبی کا شدت سے انتظار کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ ابھی چند روز میں ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ جس کا زمانہ قریب آچکا ہے ہم اُس کی پیروی کریں گے ہم اس کے ساتھ رہ کر دوسروں کو عاد ارم کی طرح قتل کریں[۱] گے۔" لیکن ہوا یہ کہ مدینہ کے کئی لوگ ان کی کیفیات ہی دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔ جیسے کہ بیعتِ عقبیٰ اولیٰ میں انصار کے چند خوش قسمت آدمی سبقت لے گئے۔ کیونکہ ان کا یقین

۱؎:۔ سیرۃ النبی کامل صفحہ ۴۴۳ باب ۶۶ ۔

تھا کہ یہی وہ نبی ہے جس کا یہود اکثر و بیشتر ذکر کیا کرتے ہیں۔ یہودی خود مخالفت کی آگ میں جلتے رہ گئے۔ یہاں تک کہ مخالفت ان کا نصب العین ہوگئی اور مدینہ میں رسولؐ خدا کو پریشان کرنے والا گروہ یہودی برسرِ پیکار رہا۔ مثلاً رسولؐ خدا کو جھٹلاتے۔ سوالات کرتے۔ طرح طرح کے شبہات سامنے لاتے اور حق کو باطل سے مشتبہ کرنے کی سعی کرتے۔ لیکن ان میں بعض ایسے نفوس تھے جو اسلام کے سچے عاشق تھے۔ مثلاً عبداللہؓ بن سلام اور مخریق وغیرہ۔

مدینے میں عبداللہؓ بن سلام جن کا سابقہ نام حصین بن سلام تھا سب سے پہلے یہودی ہیں جو مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضورؐ نے ان کا نام بدل کر عبداللہؓ رکھ دیا۔ کیونکہ رسولِ خدا جب کوئی مسلمان ہوتا تو اس کا نام وہی رہنے دیتے تھے ہاں اگر مشرکانہ نہ ہو۔ لیکن عبداللہؓ بن سلام کا نام اس لئے بدل دیا کہ یہ یہودیوں سے پہلے مسلم تھے اور ان کو خصوصی طور پر اسلامی رنگ دینا ضروری تھا۔ وہ ایک یہودی عالم تھے اور اپنے علم و فضل کی وجہ سے بہت معروف جید عالم تھے ان کے دل میں رسولِ خدا کی آمد کی خبر سن کر ہی یہ یقین ہوگیا تھا کہ وہ موعود نبی آگیا ہے جس کا صدیوں سے انتظار تھا۔ یعنی یہ کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہو چکے تھے لیکن اپنی حالت کا اظہار کسی پر نہیں کیا تھا۔ عبداللہؓ بن سلام نے اپنی زبانی کچھ واقعات بیان کئے ہیں۔ جنہیں ابن اسحٰقؒ نے درج کیا ہے۔ عبداللہؓ بن سلام کہتے ہیں کہ جب مَیں نے رسولؐ خدا کے متعلق سُنا۔ آپؐ کی صفت آپؐ کا نام اور آپؐ کا وہ زمانہ جس کے لئے ہم منتظر تھے۔ مجھے معلوم ہوگیا لیکن مَیں نے اس معاملہ کو راز میں رکھا۔ یہاں تک کہ خدا کا رسولؐ مدینہ میں تشریف لے آیا[1]

اس وقت (رسولؐ خدا کی آمد پر) عبداللہ بن سلام ایک کھجور کے درخت پر چڑھ کر کچھ کام کر رہے تھے۔ اور ان کی پھوپھی خالدہ بنت حارث اس درخت کے نیچے

بیٹھی ہوئی تھی۔ اتنے میں کوئی شخص آیا اور اس نے اطلاع دی کہ محمدؐ رسولِ خدا مدینہ میں تشریف لے آئے ہیں۔ انہوں نے یہ خبر سُنکر مارے خوشی کے جذبات پر قابو نہ رکھتے ہوئے تکبیر پڑھنی شروع کر دی۔ جب ان کی پھوپھی نے بآواز بلند تکبیر سُنی تو کہنے لگی اے عبداللہ تجھے کیا ہوا؟! اللہ تمہیں ناکام کرے۔ واللہ اگر تم موسیٰؑ بن عمران کی تشریف آوری کی خبر سنتے تو اس سے کچھ زیادہ نہ کرتے۔ عبداللہ بن سلام نیچے اُتر آئے اور اپنی پھوپھی سے کہا۔ پھوپھی جان! اللہ کی قسم وہ موسیٰؑ بن عمران کا بھائی ہے۔ اُنہی کے دین پر ہے اور اسی کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ خالدہ بنت حارث خوش ہوگئیں۔ اور کہنے لگیں کہ "کیا یہ وہی نبی ہے جس کی خبر ہمیں دی جاتی رہی ہے کہ عین قیامت کے قریب بھیجا جائے گا[1]" پھر عبداللہ بن سلام رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام اختیار کر لیا اور بعدہٗ اس کے گھر والے بھی اسلام میں داخل ہوگئے۔ شروع شروع میں تو انہوں نے کچھ عرصہ اپنا اسلام پوشیدہ رکھا لیکن انہیں شوق ہوا کہ اس کی قوم کے لوگ بھی اس نور کی روشنی سے محروم نہ رہیں چنانچہ انہوں نے درخواست کی کہ آپؐ یہودیوں کے سربرآوردہ لوگوں کو اپنے پاس بلائیں۔ کیونکہ یہودی لوگ جھوٹی باتیں بنانے میں ماہر ہیں۔ اسلئے میرے متعلق بے بنیاد باتیں بنائیں گے۔ آپؐ کسی حجرے میں اُن لوگوں کی نظروں سے چھپا کر میرے متعلق رائے دریافت فرمائیں۔ تاکہ اگر وہ میرے متعلق اچھی رائے کا اظہار کریں تو میرے اسلام لانے کی خبر ہی ان کی ہدایت کا موجب ہو جائے گی۔ چنانچہ آپؐ نے یہودی عمائد کو بلا کر رائے دریافت فرمائی کہ "الحصین بن سلام تم میں کیسا شخص ہے؟" انہوں نے کہا۔ وہ ہمارا سردار ہے اور سردار کا بیٹا ہے۔ ہم میں تورات کا ماہر اور عالم ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو پھر تم بھی مسلمان ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ گے؟ انہوں نے کہا ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ اتنے میں حجرے

میں سے حضرت عبداللہ بن سلام باہر آگئے اور اُن سے کہا اے گروہ یہود!
اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ جو چیز لے کر آپؐ آگئے ہیں اسے قبول کرو۔ واللہ تم لوگ خوب
جانتے ہو کہ آپؐ اللہ کے ایسے رسول ہیں کہ تورات میں آپؐ کا ذکر آیا ہے۔ آپؐ
کا نام مبارک اور صفات بھی لکھی ہوئی ہیں۔ مَیں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے
رسولؐ ہیں۔ اور آپؐ پر ایمان لاتا ہوں۔ بس کیا تھا۔ یہودی لوگ ان کی عیب جوئی
کرنے لگے اور گالیاں دینی شروع کر دیں[1] طعن و تحقیر کے الفاظ استعمال کئے۔
اور عبداللہ بن سلام اور اسلام سے بیزاری کا اظہار کرنے لگے ؏

[1]: ابن ہشام صفحہ ۵۳۵ باب ۷۹ ؏
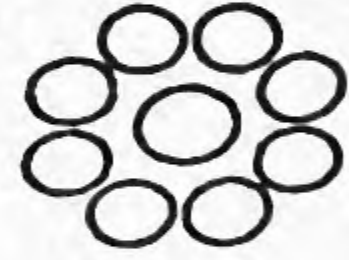
پہلا واقفِ زندگی شہید

حضرت خبیبؓ بن عدی

صفر سنہ ۴ ہجری

حضرت خبیبؓ بن عدی وہ پہلے شہید ہیں جنہوں نے اپنی شہادت سے پہلے
دو۲ رکعت نماز ادا کرنے کا طریقہ ایجاد کیا تھا۔

خبیبؓ اعلیٰ مرتبت کے آدمی تھے اُن کی شہادت اس طرح واقع ہوئی کہ جنگِ
اُحد کے بعد مسلمانوں کی وقتی ہزیمت نے قریش کو اور بھی دلیر کر دیا تھا۔ ہر لحظہ
مختلف قسم کے فتنے اور اشتعال انگیزیاں شروع ہو گئی تھیں۔ کبھی چھاپے مارے
جاتے اور کبھی سفیان بن خالد جیسے سازشی سامنے آ کر خدا کے غضب کو للکارنے
کے لئے نئی سے نئی اسکیم تیار کرتے۔ لہٰذا مسلمانوں کے لئے یہ دن بہت خطرناک
تھے۔ انہی ایام میں صفر کے مہینے سنہ ۴ ہجری کو واقع رجیع پیش آیا۔ قبیلہ عضل اور
قارہ کے لوگ ایک دن رسول کریمؐ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ!
ہم میں اسلام موجود ہے لیکن مزید راہبری اور تربیت کی ضرورت ہے۔ لہٰذا
آپؐ اپنے رفقاء میں سے کچھ آدمیوں کو ہمارے ساتھ روانہ کیجئے تاکہ وہ ہم میں
دین کی سوجھ بوجھ پیدا کریں۔ قرآن پڑھائیں اور شریعت اسلامیہ کی تعلیم دیں۔[1]
رسول خداؐ نے صحابہ کرام میں سے چھ۶ اشخاص کی پارٹی ان کے ساتھ روانہ
فرما دی۔ جن کے نام یہ ہیں :-

[1]: ابن ہشام صفحہ ۱۴۲ باب ۱۲۳ ؏

(۱) مرثدؓ بن ابو مرثد جو کہ حضرت حمزہؓ کے حلیف تھے۔ (۲) خالدؓ بن بکیر۔ (۳) عاصمؓ بن ثابت بن ابوالاقلح جن کی موافاۃ بنو عمرو بن عوف بن مالک کے ساتھ تھی۔ (۴) خبیبؓ بن عدی۔ (۵) زیدؓ بن دثنیہ۔ (۶) عبداللہؓ بن طارق۔

عاصمؓ بن ثابت کو اس پارٹی کا امیر کر کے روانہ فرمایا لیکن بدقسمتی سے ایک جال تھا جو لحیان کی انگیخت پر بُنا گیا تھا۔ اور قبیلہ عضل اور قارہ کے لوگوں نے بہت سے اونٹ انعام کے طور پر بنو لحیان سے مقرر کر لئے تھے[۱]

اس لئے خفیہ اطلاع انہوں نے انہیں پہنچا دی کہ مسلمان ہمارے ساتھ آ رہے ہیں۔ جب یہ لوگ رجیع پہنچے تو عضل اور قارہ نے غداری کی اور قبیلہ کو مدد کے لئے پکارنے لگے۔ گو کہ یہ صورتِ حال کافی پریشان کن تھی۔ لیکن صحابہ کرامؓ کی طبائع میں گھبراہٹ پیدا نہ ہوئی۔ اور وہ بدستور اپنی سواریوں پر سوار رہے اور جن کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں وہ اُتر گئے اور کفار کے مقابلہ پر آ گئے۔ چونکہ کفار کے دو سَو نوجوان مقابلے پر تھے۔ سَو تو تیر انداز ہی تھے پھر بھلا صحابہ کرامؓ کے پاس کیا چارہ تھا۔ سوائے اس کے کہ اُونچی چٹان پر چڑھ کر دفاع کی بھرپور کوشش کرتے۔ کفار نے آواز دی کہ تم پہاڑی سے نیچے آ جاؤ ہم تمہاری حفاظت کے بکلی ذمہ دار ہیں اور اس طرح دھوکہ دہی سے نیچے اترنے پر آمادہ کر لیا۔ لیکن کفار نے یہ ایک جال بُنا تھا۔ لہٰذا بدعہدی کی اور تین کو شہید کر دیا اور تین کو گرفتار کر لیا۔ گرفتار شدگان میں زیدؓ بن دثنیہ، خبیبؓ بن عدی اور عبداللہ بن طارق تھے۔ اگرچہ عبداللہ بن طارق کو تو راستے میں ہی شہید کر دیا۔ لیکن خبیبؓ بن عدی کو جحیر بن ابواہاب نے خرید لیا۔ کیونکہ وہ اپنے باپ کا قصاص لینا چاہتا تھا۔ جو کہ جنگ بدر میں حضرت خبیبؓ بن عدی کے ہاتھوں ہلاک ہوا تھا۔ چنانچہ خبیبؓ بن عدی جو کہ بہت سخی اور خالص نسب تھے کھوٹ اور آمیزش

[۱] واقدی حلات واقع رجیع ؛

جن میں نام کو نہ تھی۔ بنی نوفل کی حراست میں اشہر حرم تک رہے[۱] اور اُن پر اپنے حسن اخلاق اور مومنانہ رویے سے بہت اثرات پیدا کرتے رہے۔ یہانتک کہ

جحیر بن اہاب کی باندی ماریہؓ ان کے اخلاق سے اتنی متاثر ہوئی کہ بعد میں ہمیشہ یہی کہا کرتی تھی کہ "مَیں نے خبیبؓ سا اچھا قیدی کوئی نہیں دیکھا۔ وہ یہ بھی کہتی تھی کہ مَیں نے دورانِ حراست خبیبؓ بن عدی کے ہاتھ میں ایک انگور کا خوشہ دیکھا تھا جو دنیا کے عام انگوروں سے مشابہ نہ تھا۔ ماریہ اسلام لا چکی تھیں۔ وہ روائیت کرتی ہیں کہ مَیں نے اندر جھانک کر دیکھا کہ آدمی کے سر کے برابر انگوروں کا ایک گچھا حضرت خبیبؓ کے ہاتھ میں تھا۔ اور وہ انگور توڑ توڑ کر کھا رہے تھے۔ مَیں نے دنیا میں ایسے انگور کبھی نہیں دیکھے[۲] کیونکہ یہ خدائی رزق تھا۔

ابن اسحاق سے روائیت ہے کہ پھر حضرت خبیبؓ کو جیسے کہ جحیر بن ابواہاب کی نیت تھی۔ قتل کرنے کے لئے مقام تنعیم پر لایا گیا کہ پھانسی پہ لٹکا دیں لیکن پھانسی سے قبل انہوں نے ایک خواہش کا اظہار کیا کہ "مرنے سے پہلے مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو۔"

قریش نے جو شاید قتل کے جشن میں نماز کا نظارہ بھی کرنا چاہتے تھے تفریحاً یہ اجازت دے دی کہ نماز ادا کر لی جائے۔

چنانچہ حضرت خبیبؓ نے بہت توجہ اور خشوع و خضوع کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کی۔ اور پھر کفار کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے۔ "میرا دل تو چاہتا ہے کہ نماز لمبی ادا کروں اور اپنے پیارے خدا کے ساتھ آخری ملاقات طویل کر دوں۔ لیکن خدا کی قسم اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ تم یہ گمان کرو گے کہ مَیں نے نماز میں طوالت محض خوف و ہراس کی وجہ سے اختیار کی ہے۔ تو مَیں اور بھی نماز پڑھتا۔" پھر

[۱]:۔ ابن ہشام وسیرۃ النبیؐ کامل ؛ [۲]:۔ ابن ہشام ص۱۷۸ باب ۱۲۳ ؛

[۳]:۔ بخاری کتاب الجہاد ؛

حضرت خبیبؓ مندرجہ ذیل اشعار پڑھتے پڑھتے آگے جھک گئے اور خود شہادت کے لئے پیش کر دیا۔ ؎

وَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا ❊ عَلٰی اَیِّ شِقٍّ کَانَ لِلّٰہِ مَصْرَعِیْ

وَذَالِکَ فِیْ ذَاتِ الْاِلٰہِ وَاِنْ یَّشَاءُ ❊ یُبَارِکْ عَلٰی اَوْصَالِ شِلْوٍ مُّمَزَّعٖ

یعنی جبکہ میں اسلام کی راہ میں اور مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیا جا رہا ہوں۔ تو مجھے یہ پرواہ نہیں کہ میں کس پہلو پر قتل ہو کر گروں۔ یہ سب کچھ خدا کے لئے ہے اور اگر میرا خدا چاہے گا تو میرے جسم کے پارہ پارہ ٹکڑوں پر برکات نازل فرمائے گا۔ انشاء اللہ۔

ان آخری الفاظ پر دشمنِ خدا نے آگے بڑھ کر وار کیا اور یہ عاشقِ رسولؐ خاک پر تھا[1] ان کی آخری دعا یہ تھی جس کا کفار پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ ایک مدت تک خوف زدہ رہے انہوں نے کہا: "اے اللہ! ان کفار کو ایک جگہ اکٹھا کر اور انہیں الگ الگ قتل کر کے ایک کو بھی نہ چھوڑ۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ معاویہ بن ابوسفیان کہا کرتے تھے کہ خبیبؓ کی بد دعا کا خوف میرے باپ پر اتنا تھا کہ وہ زمین کی طرف جھکا رہتا تھا۔

[1]۔ بخاری کتاب المغازی والجہاد۔

جنت البقیع کا پہلا مدفون

حضرت عثمان بن مظعون

۶۲۴ء — ۲ ہجری

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ ۔

عرب کے شاعر لبید کا یہ شعر سن کر با آواز بلند "درست قطعی درست" کہنے والا شخص حضرت عثمانؓ بن مظعون تھا۔ جن کا شمار سابقین میں ہوتا ہے وہ آسمانِ اسلام کے روشن ستاروں میں سے ایک تھے۔ اور ان لوگوں میں سے تھے جو چھوٹی عمر میں اسلام میں شامل ہو گئے تھے۔ بہت نیک عابد اور صوفی منش آدمی تھے۔ انہیں خدا تعالیٰ نے بہت فوقیت عطا فرمائی تھی۔ اوّل تو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے گیارہ مردوں میں سے ایک تھے۔ دوسرے حضورؐ پرنور نے انہیں یہ اعزاز دیا کہ وہ جنگِ بدر کے موقعہ پر جب پہلی بار جنگ نہیں ہوئی تھی۔

ربیع الاوّل کے مہینے میں عامل مدینہ منتخب فرما گئے تھے۔ پھر انہیں یہ بھی فوقیت حاصل ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جو پہلے اسلامی قبرستان میں دفن کئے گئے تھے اور یہ ان کی ذاتی قربانیوں کا دنیوی اجر تھا۔ وہ تاریخ کے اوراق میں زندہ رہیں گے کیونکہ وہ اسلام کے لئے زندہ رہے اور اسلام کے لئے ہی مر گئے۔ ان کی قربانیوں کا ذکر مؤرخین نے بہت عمدہ الفاظ میں کیا ہے: مثلاً

ایک دفعہ جب مکہ سے ہجرت کا ارادہ کر کے وہ جانے لگے تو ایک رئیس مکہ نے انہیں پناہ دی۔ کیونکہ وہ حضرت عثمانؓ کے باپ کا دوست تھا۔ اس نے کہا کہ میں اپنی دوستی کی بناء پر تمہیں اپنی پناہ میں لیتا ہوں آج سے تمہیں اہل مکہ اور رؤسائے قریش کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔ چنانچہ اس نے اعلان کر دیا کہ میں نے عثمانؓ بن مظعون کو پناہ دی ہے۔ اس طرح وہ عرب کے دستور کے مطابق جابر و ظالم لوگوں کے ہاتھوں سے محفوظ ہو گئے اور وہ آزادانہ طور پر ادھر اُدھر گھوم رہے تھے۔ لیکن بعد میں جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے مسلمان بھائی بہن نشانۂ ستم بنے ہوئے ہیں تو ان کی غیرت نے یہ برداشت نہ کیا کہ وہ آرام سے پھرتے رہیں۔ اور ان کے بھائی اسلام کی وجہ سے تپتی سلوں پر تختۂ مشق بنیں۔

چنانچہ وہ اس رئیس کے پاس گئے اور صاف کہدیا کہ "میں وہی موت مروں گا جو میرے بھائی سینہ سے لگائے پھرتے ہیں۔ تمہاری پناہ میں واپس کرتا ہوں۔ رئیس نے اعلان کر دیا کہ آج سے پناہ ختم ہو گئی۔

اتفاق سے ایک دن عکاظ کے میلے پر وہ لبیدؔ شاعر کے قصیدے سُن رہے تھے کہ رؤساء علماء اور فضلاء داد دے رہے تھے کہ لبیدؔ نے یہ شعر پڑھا کہ "ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے خدا تعالیٰ کے"۔ حضرت عثمانؓ نے پیشتر اسکے کہ کوئی عالم و فاضل داد دیتا ہے بے ساختہ آواز سے پکارا۔ بالکل درست قطعی درست۔ بے شک خدا تعالیٰ کے سوا ہر چیز فانی ہے۔ چونکہ حضرت عثمانؓ چھوٹی عمر کے تھے اور ادیب شاعر بھی نہیں تھے۔ اُدھر لبیدؔ ایک کہنہ مشق شاعر اور اسّی سالہ بڈھا تھا۔ سٹ پٹا اُٹھا اور عمائدین شہر سے مخاطب ہوا کہ ادب تم سے اُٹھ گیا ہے۔ جو آج ایک اٹھارہ سالہ کچا ذہن اُٹھ کر داد دے رہا ہے یہ سوئے ادبی سب کو ناگوار گزری۔ اور حضرت عثمانؓ کو انہوں نے ڈانٹا۔ پھر دوسرا شعر لبیدؔ کے مُنہ سے نکلا۔ تو وہ شعر پہلے شعر سے بڑھ کر تھا ؎

وَكُلُّ نَعِيْمٍ لَا مُحَالَةَ زَائِلُ

یعنے ہر نعمت ایک دن زائل ہونے والی ہے۔ مگر عاشق رسولؐ خاموش نہ رہ سکا اور جھٹ بولا۔ "یہ بالکل غلط ہے جنّت کی نعمتیں کبھی زائل نہیں ہوں گی"۔

اب وہ شخص جس نے حضرت عثمانؓ کے داد دینے پر بُرا منایا تھا مذمت پر کیسے صبر کر سکتا تھا۔ وہ اٹھا اور مجلس برخاست کر دی۔ ایک جوشیلے نے اٹھ کر انتہائی جوش و غصّہ سے حضرت عثمانؓ بن مظعون کو ایسا گھونسا مارا کہ ان کی ایک آنکھ وہیں بے نور ہو گئی اور ڈیلا باہر آگیا۔ اس پر اس رئیس کو جس نے پناہ واپس لی تھی دُکھ ہوا۔ لیکن باقی رؤسائے شہر کو اپنی مخالفت پر آمادہ کرنا بُرا تھا۔ اس لئے وہ حمایت نہ کر سکا۔ البتہ اتنا کہہ گیا۔ کہ "میں نہیں کہتا تھا کہ میری پناہ سے نہ نکلو"۔ "اب دیکھا پناہ میں سے نکلنے کا مزہ"۔

مگر اسلام کا بہادر سپاہی بولا۔ کہ اگر ایک آنکھ نکل گئی تو کیا ہوا۔ خدا کی قسم میری دوسری آنکھ بھی اس بات کا انتظار کر رہی ہے کہ اسے خدا کی راہ میں نکلنے کا کب موقعہ ملتا ہے؟ یہ جاں نثاری تھی رسول خُدا کے عاشقوں کی کہ وہ خدا کی راہ میں جان دینے کو ترستے تھے اور جان دے کر زندہ ہوتے تھے۔

سنہ ۲ ہجری کے اواخر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کے لئے مدینہ میں مقبرہ تجویز کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ موت و حیات انسان کے ساتھ ہے اور جہاں آپؐ نے ہجرت کے بعد سب سے پہلا خدا کا گھر بنایا تھا وہاں فانی انسانوں کے لئے بھی آخری آرامگاہ بنانے کا ارادہ کیا۔ اور اس کا نام "جنت البقیع" رکھا۔ چنانچہ اس دار فانی میں سب سے پہلا شخص جو اس دار فانی سے رخصت ہو کر اپنے خالق حقیقی سے ملنے کے لئے جنت البقیع کی لحد میں اتارا گیا۔ وہ عثمان بن مظعون تھا۔ جو بہت چھوٹی عمر میں وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ؎[1]

[1] :- محمد مارگولیس ص۳۸

آپ بہت متقی اور پرہیزگار تھے۔ ایک دفعہ رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ حضور! میری خواہش ہے کہ تارک الدنیا ہو جاؤں اور تمام زندگی اسلام کے لئے وقف کر دوں۔ اور بیوی بچوں سے علیحدہ زندگی اختیار کر کے اپنی زندگی عبادت میں ہی گزار دوں۔ مگر آپؐ نے اس کی اجازت قطعی نہ دی۔ کیونکہ آپؐ اعتدال پسند تھے اور ایسی عبادت کو پسند فرماتے جو استقلال سے کی جائے اور اس میں حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد بھی شامل ہوں۔ آپؐ نے فرمایا:۔

"تمہیں چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کا حق خدا تعالیٰ کو دو۔ بیوی بچوں کا حق بیوی بچوں کو دو۔ مہمان کا حق مہمان کو دو اور اپنے نفس کا حق نفس کو دو۔ یہ سب حقوق خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ ہیں۔ اور انکی ادائیگی عبادت میں شامل ہے۔"[1]

حضرت رسولؐ خدا کو ان کی وفات کا بہت صدمہ ہوا۔ آپؐ نے ان کی قبر کے سرہانے ایک پتھر بطور علامت کے نصب کروا دیا۔ اور پھر آپؐ کبھی کبھی جنت البقیع میں جا کر دعا فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عثمان بن مظعون کی قبر رسولِ خدا کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کے پہلو میں ہے۔[2]

۱۔ بخاری کتاب الصوم ÷ ۲۔ شبلی ÷

غلاموں کی آزادی کا پہلا حکم

۶۲۴ء — ۲ ہجری

غلامی ہمیشہ جنگ کے نتیجہ میں ہی پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ جب دو ملکوں یا قبیلوں میں جنگ ہوتی ہے تو مفتوح قوم کے بیشتر لوگ مارے جاتے ہیں اور کچھ بچے ہوئے لوگوں میں سے فاتح قوم قید کر لیتی ہے۔ وہ بچے یا عورتیں یا سپاہی جو قیدی بنائے جاتے ہیں۔ بحیثیت غلام کے فاتح کی ملکیت ہو جاتے ہیں اور عرب میں بھی تقریباً یہی دستور رائج تھا کہ مفتوح کو قتل کی بجائے غلام بنا لیا جاتا۔ پھر جو چاہے مالک سلوک کرے۔ سزا دے یا فروخت کر دے یہ قیدی غلام کا مقدر تھا۔ غرض عرب میں غلام اور عورت دونوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ہزارہا غلام پائے جاتے تھے۔ بلکہ امیر کی پہچان ہی غلاموں کی کثرت پر موقوف تھی۔ مگر رسولِ خدا نے غلاموں کے ساتھ نرمی اور شفقت کے سلوک کی سختی سے پابندی کی نبوت سے پہلے ہی خدیجۃ الکبریٰؓ نے آپؐ کے پاس زید بن حارث کو بطور تحفہ پیش کیا تو آپؐ نے اسے ازراہِ شفقت آزاد کر دیا تھا۔ اس سے محنت و مشقت کیا لینی تھی۔ بلکہ پدرانہ محبت تھی اور یہاں تک کہ اسے متبنیٰ بنا لیا۔ اور یہ بہت بڑی عظیم مثال تھی کہ اپنے غلاموں کو مالک بیٹے کا سا درجہ دے۔ گو بعد میں بذریعہ وحی متبنیٰ کا حکم منسوخ ہو گیا تھا۔ تاہم جو ایثار و قربانی آپؐ نے غلاموں کے لئے دکھائی ہے۔ تاریخ اس کی مثال نہیں دے سکتی۔ اور یہی وجہ ہے کہ شروع میں اسلام زیادہ سے زیادہ غلاموں میں ہی پھیلا اور اسلام میں

ان کی پوزیشن مضبوط تر ہو گئی۔

سب سے پہلا حکم سورۃ بلد رکوع ۱ میں خدا تعالیٰ نے جو فرمایا یہ تھا کہ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الۡعَقَبَةُ ؕ فَكُّ رَقَبَةٍ [1] اور تجھے کس نے بتایا کہ چوٹی کیا ہے (غلام کی) گردن چھڑانا ہے۔ اس مخصوص قرآنی حکم کے نتیجہ میں غلاموں کو بے انتہا خوشی ہوئی۔ یہانتک کہ انہوں نے اسلام کا ایک گہرا اثر دل پر بٹھا لیا۔ بیشک آپؐ عورتوں اور غلاموں کے لئے رحمۃ للعالمین تھے۔ ان کے نجات دہندہ تھے۔ ان کے محسن حقیقی ثابت ہوئے کیونکہ ایک تو انہیں آزادی حاصل ہوئی۔ دوسرے مسلمانوں کو ایک قدم اور آگے بڑھ کر آپؐ نے باہم شادی بیاہ کا حکم دیدیا۔ اور اس طرح مساوات کے دروازے ان پر کھول دیئے۔ آپؐ نے قرآن کا یہ حکم سُنا کر کہ "اے مسلمانو! نہ شادی کرو تم مشرک عورتوں سے حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں۔ اور یہ جان لو کہ ایک مسلمان لونڈی ایک مشرک آزاد عورت سے بہتر ہے۔ اور ایک مومن غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے"[2] غلاموں کی پوزیشن مستحکم تر کر دی۔ آزاد مسلمان اور مومنہ لونڈی کی شادی نے ان کی عزت و توقیر اسلامی سوسائٹی میں بڑھا دی۔ انہی الٰہی احکامات کا نتیجہ تھا کہ اُسامہؓ بن زیدؓ کو لشکر اسلامی نے اپنے لئے کمانڈر انچیف قبول کر لیا تھا۔ بڑے بڑے امراء و معمر صحابہؓ کو ایک غلام زادے کے ماتحت کام کرنے میں کوئی عار نہ تھا۔ یہ آپؐ کی دُور بین نگاہ تھی کہ آپؐ نے کئی بار اپنے آزاد کردہ غلام زادے اُسامہؓ بن زیدؓ کو جنگی مہموں پر امیر مقرر کر کے جلیل القدر ہستیاں بنا دیا۔ تاکہ آئندہ نسلیں ان کے نمونے سے روشنی حاصل کریں۔ بعض ناسمجھ لوگوں نے ان کی امارت پر اعتراض کیا۔ لیکن آپؐ نے فرمایا۔ "تم لوگوں نے اُسامہؓ کے امیر بنائے جانے پر اعتراض کیا ہے۔ اور اس سے پہلے تم اس کے باپ زیدؓ کی امارت پر طعن کرتے تھے۔ مگر خدا کی قسم! جس طرح زیدؓ امارت کا حقدار اور

[1] :۔ البلد: ۱۴۔۱۳ ؂
[2] :۔ سورۃ بقرہ ع ۲۷ ؂

اہل تھا اور میرے محبوب ترین لوگوں میں سے تھا۔ اسی طرح اُسامہؓ بھی امارت کا اہل ہے اور میرے محبوب ترین لوگوں میں ہے"[1]

حضرت اُسامہؓ ابھی بچہ تھے کہ ان کی ناک بہہ رہی تھی۔ آپؐ نے اُسے صاف کرنا چاہا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسُولؐ اللہ میں صاف کر دیتی ہوں۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ عائشہؓ! تو اُسامہؓ سے محبت کر میں بھی اس سے محبت کرتا ہوں[2]

ابو امیر سے روایت ہے کہ رسُولِ خُدا فرمایا کرتے تھے۔ "میں اس بات کو بہت پسند کرتا ہوں کہ دنیا کے اموال میں سے اپنے غلام کو برابر کا حصہ دوں بہ نسبت اس کے کہ قیامت کے دن میرے ثواب میں کمی آجائے"[3]

پس وحی الٰہی کے مطابق غلاموں کو آزاد کر کے نہ صرف آپؐ نے غلاموں پر احسانات کئے بلکہ ان کی گردن سے مظالم کا جُوا اتار پھینکا۔ بلکہ آقاؤں پر بھی برابر کے انعامات کئے کہ انکی طبائع میں وہ فخر و غرور جو ملازموں اور غلاموں کی فہرست کی لمبائی سے ہوتا تھا۔ وہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ اور آقا اور غلام کی ذہنیت کو درست کر دیا۔ تکبر اور بڑائی آقا سے گئی۔ خودداری اور عزت نفس غلام میں پیدا ہوئی۔

ابو مسعودؓ بدری روایت کرتے ہیں کہ "ایک دفعہ رسولِ خدا تشریف لائے تو میں اپنے کسی غلام کو مار رہا تھا۔ غصہ کی حالت میں میں نے رسُولِ پاک کی آواز بھی نہ پہچانی اور مارتا گیا۔ جب پیچھے مڑ کر دیکھا تو اپنے آقاؐ کو پاکر سخت شرمندہ ہُوا اور اس غلام کو آزاد کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا اگر تم ایسا نہ کرتے تو جہنم کی آگ تمہارے منہ کو جھلستی"[4]

خاوند کے حقوق کے بارہ میں آپؐ نے فرمایا کہ "طلاق کا حق صرف خاوند کو ہے"۔ ایک دفعہ ایک غلام رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کی یا رسُولؐ اللہ!

[1] :۔ بخاری کتاب فضائل اصحاب۔ [2] :۔ ترمذی۔ [3] :۔ مسلم کتاب الایمان ؂

میرے آقا نے اپنی لونڈی کے ساتھ شادی کر دی تھی۔ مگر وہ اب چاہتا ہے کہ نکاح کو فسخ کر کے ہمیں ایک دوسرے سے جدا کر دے۔ آپؐ یہ بات سن کر سخت غصہ کی حالت میں ممبر پر چڑھ گئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا "اے مسلمانو! یہ کیا بات ہے کہ تم لوگ اپنے غلاموں اور لونڈی کی شادی کرتے ہو اور خود بخود پھر اپنی مرضی سے ان میں علیحدگی کرنا چاہتے ہو۔ سُن لو! کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ طلاق دینے کا حق صرف خاوند کو ہے۔ تم اپنے غلاموں کو مجبور نہیں کر سکتے [۱]۔"

پس مختصر یہ کہ غلامی کا طوق کروڑوں کی گردنوں سے اتار پھینکنے والا محبوب انسان جب اپنے رفیق اعلیٰ سے ملنے کے لئے جا رہا تھا تو آخری لمحات میں جبکہ موت کا غرغرہ طاری تھا۔ آپؐ نے اپنی بیٹی کو وصیت نہیں کی۔ اپنی بیوی کو نصیحت نہیں کی۔ عزیزوں کے لئے پیغام نہیں چھوڑا۔ بلکہ جس محبوب شخص کا ذکر آپؐ کے ہونٹوں پر تھا وہ تھا غلام۔ اور نماز جن کے لئے آخری لمحات میں فرمایا:-

اَلصَّلٰوۃَ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ [۲]

اے مسلمانو! نماز اور غلام کے متعلق میری تعلیم کو نہ بھولنا۔ سبحان اللہ کیسی جامع نصیحت فرمائی کہ دو لفظوں میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کو یکجا کر دیا اور مسلمانوں کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے۔

حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو حکم دیتے تھے کہ سورج گرہن کے وقت غلام آزاد کیا کرو [۳]۔ دراصل یہ سب کچھ غلامی مفقود کرنے کا طریقہ تھا۔ جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء مبارک صرف غلامی کی جڑھ پر تبر رکھنا ہی تھا۔ تاکہ آئندہ غلامی کا وجود ختم ہو جائے۔

حضورؐ نے خود تریسٹھ غلام آزاد فرمائے تھے جبکہ حضرت عائشہؓ نے ستاسٹھ غلام آزاد کر دیئے تھے۔

۱۔ ابن ماجہ کتاب الطلاق۔ ۲۔ ابن ماجہ ابواب الوصیت۔
۳۔ بخاری کتاب العتیق۔

ہجرت کے بعد پہلا بچہ

حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ

سنہ ۶۲۴ء بمطابق سنہ ۲ ہجری

مہاجرین کے لئے عبداللہ ابن زبیرؓ کی پیدائش کا دن اجتماعی خوشی کا دن تھا کیونکہ مدینہ میں مشرکوں نے ایک پریشان کن خبر مشہور کر دی ہوئی تھی۔ کہ ہم نے جادو کر دیا ہے کہ مسلمانوں کے گھروں میں کوئی نرینہ اولاد نہ پیدا ہو۔ لیکن خدا تعالیٰ نے دشمنوں کو ہر جگہ ناکام کرنے کے لئے ان کی ہر تدبیر خاک میں ملا دی۔ اور پہلے ہی سال حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت اسماءؓ بنت حضرت ابو بکر صدیقؓ کو خدا تعالیٰ نے پہلا بیٹا عطاء فرمایا۔ اس بچہ کی پیدائش پر مسلمانوں نے نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے۔ اور حضرت زبیرؓ بچہ کو اٹھا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے تو آپؐ نے کھجور کو اپنے منہ سے نرم کر کے اس کا لعاب بچہ کے منہ میں ڈالا۔ اور اس کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ اور یہی لعاب مبارک بچے کی پہلی خوراک تھی۔ جو اس نے آتے ہی دنیا میں حاصل کی تھی۔

حضرت زبیرؓ بن العوام ایک متقی اور جاں نثار کبار صحابہؓ میں سے تھے۔ وہ ایک بہادر و شجاع مسلمان تھے۔ جنگ یرموک میں جب رومی لشکر پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر لوہے کی صفیں بن گئے تھے تو یہ حضرت زبیرؓ ہی تھے جو کفار کی آہنی صفیں چیر کر ان کے عقب میں نکل جاتے اور پھر حملہ کرتے اور کشتوں کے پشتے

لگاتے ہوئے واپس پلٹتے تھے۔ اس دن اپنے بیٹے عبداللہؓ کو بھی ساتھ لے گئے تھے۔ حالانکہ اس وقت حضرت عبداللہؓ کی عمر بمشکل دس برس تھی۔ انہیں گھوڑے پر سوار کرکے ایک آدمی کو دے دیا تھا۔ تا آنکہ بچہ جاں نثاری اور شجاعت کے مناظر دیکھے۔ اور کل ایسی شجاعت کا مظاہرہ خود کر سکے۔ سو حقیقت میں اس

دس سالہ بچہ نے جو جاں بازی کے مناظر دیکھے تھے اپنے دل و دماغ پر ایسے ثبت کر لئے کہ مستقبل میں اُسکی جانبازی اور بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ عقل حیران رہتی ہے۔ تاریخ عبداللہؓ بن زبیرؓ کو ایک مقام پر جزوی خلیفہ دکھاتی ہے۔ یزیدؓ بن معاویہ جب فوت ہؤا تو اہلِ حجاز یمن۔ عراق اور خراسان کے مسلمانوں نے انکی خلافت کی بیعت کر لی تھی۔ کیونکہ حضرت عبداللہؓ نے بنوامیہ کے قابل اعتراض مسلک کو دیکھ کر اپنی علیحدہ حکومت قائم کر لی تھی۔

حضرت عبداللہؓ کی والدہ محترمہ حضرت اسماءؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بڑی بہن تھیں۔ وہ خود ایثار و قربانی کا مجسمہ تھیں۔ ہجرت کے واقعات میں ہم انہیں بعض اہم مقامات پر ملتے ہیں۔ مثلاً ہجرت کے موقعہ پر زاد راہ باندھنے کے لئے انہوں نے اپنی کمر بند کے دو ٹکڑے کرکے ایک ٹکڑا میں زاد راہ رسولؐ خدا کو باندھ کر دیا تھا۔ اور ایک خود استعمال کیا تھا۔ اس لئے حضورؐ نے حضرت اسماءؓ کو والدہ محترمہ حضرت عبداللہؓ کو ذات النطاقین کے خطاب سے نوازا تھا۔ آپؓ ذات النطاقین دو کمر بندوں والی عورت کہلاتی تھیں۔ حضرت زبیرؓ کی طبیعت کچھ سخت تھی تاہم وہ اسماءؓ کے کردار کی دل و جان سے قدر کرتے تھے۔ لیکن غصّہ کے معاملہ میں اپنے مزاج سے مجبور تھے۔ آپؓ وفاکیش صحابیہ تھیں۔ جب زبیرؓ بن العوام کو جنگ جمل کے بعد ایک غدّار نے سجدہ کی حالت میں ہی شہید کر دیا تھا۔ تو اسماء رضی اللہ عنہا کی رُوح تڑپ اُٹھی۔ لیکن وہ اس دلفگار سانحہ کو بھی صبر و رضا سے برداشت کر گئیں۔ اور اپنے آخری سہارے حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ کے ساتھ رہنے لگیں۔

حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ ایک عابد و خاشعار شجاع نوجوان تھے۔ وہ اتنی لمبی نماز حرم شریف میں ادا کرتے کہ حرم کے کبوتر ان کے کندھوں پر آ بیٹھتے تھے۔ دین اسلام سے انہیں اتنا لگاؤ تھا کہ جب انہوں نے دیکھا کہ حجّاج کی فوجیں مکّہ کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔ اور اُن کی وجہ سے خانہ کعبہ کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ تو انہوں نے جاں جانِ آفریں کے سپرد کر دینے کا عزم کر لیا۔ حجّاج بن یوسف نے مصالحت کا پیغام بھیجا۔ تو

حضرت عبداللہؓ نے اپنی عظیم ماں سے مشورہ مانگا۔ تو ماں نے مشورہ دیا: "کہ حق پر ہو تو اپنے اصولوں کو قربان نہ کرو۔ دُنیا کے مقابلہ میں دین کا خیال رکھو۔" انہیں معلوم تھا کہ اُن کا بیٹا قتل کر دیا جائے گا اور شہادت ہی انجام ہو گا۔ پھر بھی اپنے بیٹے پر نازاں تھیں وہ بیمار تھیں۔ عرض کیا موت میں ہی راحت ہے ماں نے کہا بیٹا سن لو۔ میں اس وقت سے پہلے مرنا نہیں چاہتی۔ جب تک دو خبروں میں سے ایک نہ سن لوں۔ یا تو شہید ہو جائے اور میں اسے عاقبت کے لئے سعادت خیال کروں یا تو کامیاب ہو جائے اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔"

حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ ماں کی دعاؤں کے ساتھ باہر جانے ہی والے تھے نابینا ماں نے اپنے بیٹے کو آخری بار چھاتی سے لگانے کے لئے ہاتھ آگے بڑھائے تو انہیں اپنی زرہ کا احساس ہؤا۔ اور ماں کو آہنی زرہ پر اعتراض ہؤا۔ کہنے لگیں۔ جہاد پر جا رہے ہو تو حفاظت کی کیا ضرورت ہے؟ ماں کی غیرت ایمانی کا یہ مجاہدانہ جلال دیکھ کر بیٹے نے فی الفور زرہ اتار دی اور نفرت سے زمین پر پھینک دی۔ اور برہنہ سینہ لے کر میدان میں اُتر گئے۔ اور ماں کے آخری الفاظ سارا وقت کانوں میں گونجتے رہے کہ بیٹا موت سے ڈر کر کوئی ایسی بات قبول نہ کرنا جس میں ذلت ہو۔ بخدا! عزت کی تلوار ذلت کے کوڑے کی مار سے بہتر ہے۔" شہادت کے دھنی نے شہادت پائی۔ اور شہید کی آرزو رکھنے والی ماں شہید کی ماں بن گئی۔ شہادت کی خبر پاتے ہی وہ خدا تعالیٰ کے حضور میں سجدہ ریز ہو گئی۔

وہ عظیم ماں صدمات سے چُور چُور جب شہادت کے بعد اپنے بیٹے کو سولی پر چڑھا ہؤا پاکر پاس سے گزری تو مُسکرا کر صبر سے کہنے لگیں کہ "بیٹا میرا شہسوار بیٹا تو کب تک سواری پر رہے گا۔ جب قاتل حجاج سے مڈھ بھیڑ ہوئی تو بولیں۔ اے حجاج تو ظالم ہے۔ حجاج نے کہا عبداللہؓ بن زبیرؓ منافق تھا۔ جواب دیا۔ "خُدا کی قسم وہ منافق نہ تھا۔ وہ عابد۔ نماز روزے کا پابند اور خدا تعالیٰ کا مقرب تھا۔ حجاج نے کہا تم سٹھیا چکی ہو۔ حضرت اسماءؓ نے کہا "مَیں نے رسُولِ خدا صلعم سے سُنا تھا کہ آپؐ نے فرمایا کہ ثقیف سے ایک کاذب اور ہلاکت بکھیرنے والا آئے گا۔ کذّاب تو دیکھ چکی ہُوں یعنے مختار بن ابی عبید اور ہلاکت بکھیرنے والے تم ہو۔

شہادت کے روز حضرت عبداللہؓ اپنی ماں کے پاس دعائیں لینے کے لئے حاضر ہوئے تو عرض کی اماں دشمن کا ارادہ ہے کہ شہادت کے بعد میری کھال الٹی کھینچ لی جائے۔ فرمایا! بیٹا جب بکرا ذبح ہو جائے تو اُسے کیا کہ اس کی کھال سیدھی کھینچی جائے یا اُلٹی۔ چنانچہ دلیر و شجاع بیٹا میدانِ شہادت میں جا پہنچا۔ مسجد سے باہر نِکلے اور شامیوں کے لشکر پر حملہ آور ہو گئے جس طرف مُنہ کرتے دشمن کی صف پلٹ دیتے۔ وہ لڑ رہے تھے کہ کوہ صفا کی جانب سے ایک پتھر اُن کے سر پر آ لگا۔ سر جُھک گیا۔ اور آپؓ نے یہ شعر پڑھا ؎

وَلَسْنَا عَلَى الْاَعْقَابِ تَدْمٰى كُلُوْمُنَا
وَلٰكِنْ عَلٰى اَقْدَامِنَا يَقْطُرُ الدَّمُ

یعنے زخموں سے ہمارا خون ایڑیوں پر نہیں رستا بلکہ سامنے اس کے قطرے گرتے ہیں۔ اسکے بعد دشمن نے ان کا محاصرہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔ ان کی شہادت پر شامیوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا تو عبداللہؓ بن عمرؓ نے فرمایا۔ اس کی ولادت پر نعرۂ تکبیر بلند کرنے والے اس کی وفات پر نعرۂ تکبیر کہنے والوں سے بہتر تھے۔

الغرض یہ وہی عبداللہؓ ہجرت کے بعد پیدا ہونے والا پہلا بچہ تھا۔ جسے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب رفیقۂ حیات حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنا بیٹا بنایا ہُوا تھا۔ اسی لئے وہ اُمِّ عبداللہؓ کی کنیت سے مشہُور تھیں۔ انہیں ان سے بے حد پیار تھا۔ اور اخلاق حسنہ میں بھی حضرت عائشہؓ کی تربیت کی جھلک نمایاں تھی۔ حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ کو حضرت عائشہؓ کو قبر میں اتارنے کی سعادت بھی حاصل ہے[1]

ل۔ شبلی حِصّہ دوم

پہلا مقتول ——— ابی بن خلف کا قتل

۶۲۴ء بمطابق ۳ ہجری

قَتَلَنِی وَاللّٰہِ مُحَمَّدٌ

جنگ اُحد میں شدید زخموں کی وجہ سے آپؐ میں اتنی نقاہت و کمزوری تھی کہ آپؐ کو گھاٹی پر چڑھنے کے لئے کسی کی مدد کی ضرورت پیش آتی تھی۔ آپؐ چٹان پر خود نہ چڑھ سکتے تھے۔ طلحہؓ بن عبداللہ جن کے لئے ایک دفعہ رسولِ خدا نے فرمایا تھا کہ کوئی شخص زمین پر چلتا ہوُا شہید دیکھنا چاہے تو طلحہؓ بن عبداللہ کو دیکھ لے[1] نیچے آکر بیٹھ گئے اور آپؐ نے ان کی مدد سے چٹان پر چڑھ کر اپنے آپؐ کو سنبھالا لیکن جونہی آپؐ گھاٹی پر چڑھ کر بیٹھے ہی تھے تو ابی بن خلف پتہ لگاتا لگاتا وہاں پہنچ گیا۔ ایک دفعہ آپؐ سے وہ مکّہ میں ملا تھا۔ اور اس نے آپؐ کو مخاطب کرکے کہا تھا کہ میرے پاس ایک جائے پناہ ہے اور وہ جائے پناہ وہ گھوڑا ہے جسے مَیں نے ایک فرق (پیمانہ) دانہ روزانہ کھلا کر پرورش کیا ہے۔ یعنی اُسے ہر لحاظ سے عمدہ اور اعلیٰ غذا دیکر تنومند بنایا ہے تاکہ مَیں اس پر سوار ہوکر تمہیں نعوذ باللہ قتل کر سکوں لیکن خُدا کے پیارے رسولؐ نے فرمایا کہ "انشاءاللہ مَیں ہی تمہیں قتل کردوں گا"۔ چنانچہ اُحد کے دن جب جیتی ہوئی جنگ مسلمان ہار گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید زخم بھی آئے تو یہ موذی کافر پھر تلاش میں نکلا کہ اپنا منصب پُورا کرے اور دوزخ کا ایندھن

[1] ۔ ابنِ ہشام حصّہ دوم ص۴۰

بنے۔ وہ اس مقام پر جا پہنچا جہاں آپؐ خُدا کی راہ میں گئے ہوُئے تھے اور زخموں پر دو انگار ہے تھے۔ اور بے سکت تھے۔ اس نے للکارا اور گستاخی سے یوں مخاطب ہوُا۔ "اے محمدؐ اگر تم بچ گئے تو اللہ مجھے زندہ نہ رکھے"۔ گویا کہ وہ پھر چیلنج کرنے آیا تھا اور اس دن کا وعدہ یاد دلا رہا تھا۔ جو مکّہ میں گھوڑے کی بڑائی بیان کرتے ہوُئے اُس نے کیا تھا۔ صحابہ کرامؓ اسے پاکر بہت رنجیدہ اور خفا ہوئے۔ آپؐ کے ساتھ

اس وقت حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت طلحہؓ۔ حضرت زبیرؓ اور حضرت حارثؓ رضی اللہ عنہم تھے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ اے خُدا کے سچّے رسُولؐ! کیا ہم اس کی طرف رُخ کریں۔ آپؐ نے فرمایا دَعْہُ (اسے چھوڑ دو) کیونکہ اُس نے چیلنج رسولِؐ پاک کو کیا تھا۔ اس لئے صحابہ کرامؓ کو اجازت طلب کرنا ضروری تھا۔ ایک دفعہ پہلے آج ہی کے دن میدانِ جنگ میں ابن قیمہ بدبخت نے خُدا کے رسُولؐ پر وار کرکے خوشی کا نعرہ لگایا تھا۔ کہ مَیں نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو مار لیا۔ حالانکہ یہ اس کا زعم تھا۔ خُدا کا رسولؐ اپنے فدائیان کے درمیان صحیح وسلامت تھا۔ ہر وار جو ابن قیمہ کرتا تھا۔ خُدا کے فرستادہ نبیؐ کی حفاظت کے لئے اس کے فرشتے آگے آجاتے تھے۔ آنحضرتؐ کو بچانے کے لئے آپؐ کے جاں نثار حضرت طلحہؓ ہر وار اپنے اُوپر لیتے تھے یہانتک کہ ان کا ہاتھ شل ہوگیا اور ہمیشہ کے لئے بے کار ہوگیا۔ اور اسی طرح یہ دن ابن قیمہ کی خوشیوں کو پامال کرنے کا دن تھا۔ دوسری بار بدبخت ابن خلف آگے بڑھا اور قریب تھا کہ خُدا کے شیر پر حملہ کر دیتا۔ پیشتر اس کے کہ وہ وار کرتا جب وہ ذرا قریب پہنچا تو رسُولِؐ خدا نے حارثؓ بن حسمہ سے نیزہ لے لیا۔ اور ایسا زور سے گھما کر مارا کہ وہ چکر کھا کر زمین پر جا گرا اور پھر اُٹھ کر چیختا چلاتا واپس بھاگ گیا۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے روایت ہے کہ نیزہ رسُول اللہ نے لیا تو آپؐ نے اسے ایسی حرکت دی کہ ہم سب لوگ اس طرح اُڑ کر بھاگے جیسے کاٹنے والی مکھی اُونٹ کی پیٹھ سے اس وقت بھاگتی ہے جب اُونٹ اسے اپنی حرکت سے اڑاتا ہے۔ پھر آپؐ ابی خلف کی طرف بڑھے اور اس کی گردن پر ایسا نیزہ مارا کہ وہ

گھوڑے پر سے لڑکھڑا گیا۔ لیکن جو بھاگا تو پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا وہ بچ کر اہل مکہ کے پاس تو پہنچ گیا۔ لیکن اس کے جسم پر جو زخم رسول خُدا کے وار سے آیا تھا۔ وہ مہلک تو ضرور تھا۔ لیکن کاری نہیں تھا۔ اگرچہ اس کی گردن میں بڑی خراش آئی تھی اور صرف خون رگوں میں رُک کر جمع ہو گیا تھا۔ پھر بھی اس نے کہا "قَتَلَنِیْ وَاللهِ مُحَمَّدٌ" یعنی خُدا کی قسم مجھے محمدؐ (صلعم) نے مار ڈالا ہے۔ وہ زندہ بھی یہ تاثر لے چکا تھا کہ ہلاکت اس کا پیچھا کر چکی ہے۔ قریش نے کہا واللہ تو دل چھوڑ بیٹھا ہے۔ ابھی تیرے اندر کافی قوت

ہے۔ لیکن اُس نے کہا محمد (صلعم) نے مکہ میں ہی مجھے کہا تھا کہ میں تمہیں قتل کروں گا۔ خُدا کی قسم اگر آج مجھ پر تھوک بھی دیتے تو میں مرجاتا۔ پس خُدا کی مشیت اسی میں تھی کہ وہ جا کر قریش کو اپنی شکست کا اعتراف اپنی زبان سے کر کے اپنی ہار اور رسولؐ خُدا کی جیت پر مُہر لگا کر موت کو گلے سے لگاتا۔ چنانچہ جب قریش مکہ کے قریب جا رہے تھے تو سرف کے مقام پر اُس نے دم توڑ دیا۔ اور پیوندِ خاک ہو گیا۔ [۲]

یوں خُدا کے شیر کا وار خالی نہ گیا۔ بلکہ مہلک ثابت ہوا۔ اسے اپنے اہل و عیال تک جانا نصیب نہ ہوا۔ حسانؓ بن ثابت اپنے اشعار میں ابی بن خلف کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:۔

"اے ابی بن خلف اپنی بوسیدہ ہڈیاں اٹھائے ہوئے تو رسولِ خُدا کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تو اُن کی حقیقت سے ناواقف تھا۔ اور دھمکیاں دے رہا تھا"

اِس طرح آج اُس کی جائے پناہ جائے ہلاکت بن گئی۔

[۱]۔ ابنِ ہشام حصہ دوم باب ۱۱۲ ص ۸۰۔

[۲]۔ ابنِ سعد۔

زکوٰۃ

۶۲۴ء مطابق ۳ ہجری

زکوٰۃ ذکی سے نکلا ہے جس کے معنے پاکیزگی کے ہیں۔ اور یہ عمل بھی پاکیزگی اعمال و مال پر دلالت کرتا ہے۔ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے یہ تیسرا رکن ہے جو ہجرت کے دوسرے سال نازل ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ فرما کر مسلمانوں کو پھر بیدار کیا کہ۔ اے خُدا اور اُس کے رسولؐ کو ماننے والو تجھ پر ایک اور ذمہ داری نازل ہوتی ہے تاکہ تمہیں غافل نہ ہونے دے اور پاکیزہ کرے۔ اصل میں مسلمانوں کے لئے شروع کے تیرہ سال سخت مشکلات و پریشانیوں

کے تھے۔ مصائب نے ہر طرف سے گھیرا کیا ہوا تھا۔ کیونکہ یہی آزمائش کے سال تھے اس لئے خدا تعالیٰ اپنے صابر و شاکر بندوں کے ذمے زیادہ بوجھ ڈالنا پسند نہیں فرماتا تھا۔ لیکن جب غلبہ اسلام کی گھڑی شروع ہوئی تو ذمہ داریاں اور شرعی احکامات بتدریج نازل ہونے شروع ہوئے اور ایک بنیادی رکن زکوٰۃ تزکیہ مال کے لئے نازل فرما دیا۔ فرمایا:۔

وَفِیْ اَمْوَالِہِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔

"یعنی اہل ثروت کے اموال میں سوال کرنے والے اور سوال نہ کرنے والے سب کا حق ہے"

سُبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کا پردہ کس عمدگی سے ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔

فرماتا ہے کہ سائل تو سر بازار آہی گیا اور بھیک مانگنے لگ گیا لیکن ایک طبقہ ایسا بھی
ہے جو پیٹ سے خالی ہے لیکن زبان پہ مُہر ثبت ہے اور حیا و شرم آڑے آئی ہوئی
ہے۔ ایسے محروم طبقے کے لئے اہل ثروت کا حق ہے کہ اپنے مال کا حصہ کاٹ کر
زکوٰۃ جمع کریں تاکہ اُن نادار لوگوں کی جو معاشرہ کا سامنا نہیں کر رہے مدد کی جا سکے
یہ خاموش مدد صرف اور صرف انتظام سے ہی ہو سکتی ہے۔ دوسرے زکوٰۃ کی
فرضیت و ادائیگی انسان کے دل سے دنیوی محبت کے مرض کا ازالہ کرنے والی
ہے۔ اور دولت منعل کو نافرمانی سے روکنے والی حقیقت ہے۔ حق تعالیٰ کا
ارشاد ہے کہ:

"بے شک کبھی انسان حد آدمیت سے نکل جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے
آپ کو ہم جنسوں سے مستغنی پاتا ہے۔"

ایسے انسان کے لئے زکوٰۃ کی حد مقرر فرما کر اعتدال پر لانے کی ایک حکمت بیان
فرما دی جس طرح روزہ بھوکے اور غریب کی ناداری کا احساس دلاتا ہے۔ زکوٰۃ
کی ادائیگی دولتمندوں کے قلوب میں فقراء اور مساکین کی محبت پیدا کرتی ہے۔
جس کی بناء پر ان کے دلوں سے حسد اور کینہ۔ غیظ اور غضب کی کیفیت زائل
ہو جاتی ہے۔ پھر اگر انسان فاضل دولت کو روک رکھے تو انسان معطل و بیکار
ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لئے یہ لازم ہے کہ اُس کا کچھ حصہ فقراء پر صرف کرے تاکہ
اس کا مال درست ہو اور یہ عمل انسان کے محاسن اور نعمتوں میں سے ہے۔
اس کے برخلاف دولت مند اگر زکوٰۃ ادا نہ کریں تو فقراء میں معاشی تنگی
اگر بے چینی و اضطراب کا موجب ہو جائے۔ اور ایک وقت ایسا آ جائے کہ
فقراء کی نگاہیں حقارت سے انھیں اور امراء کا جینا محال کر دیں۔ کبھی چوری
کر کے اور کبھی ڈاکہ ڈال کر اور حد تو یہ کہ کبھی قتل تک کی نوبت آ جائے گی اور
یہ ردِ عمل ہوگا اُس مال کو روک رکھنے کا جو غرباء کا حصہ تھا۔ سو بہتری اسی میں

تھی کہ زکوٰۃ کی فرضیت پر اور ادائیگی پر بہت زور دیا جاتا۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ
علیہ وسلم کی زندگی کے بعد بھی خلفاء راشدین میں سے ہر خلیفہ اس شرعی رکن پر
زور دیتا رہا۔ لیکن حضرت خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکرؓ نے تو جنگ تک روا کر دی
لیکن زکوٰۃ کے حکم کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں ہونے دی۔ اس کی اہمیت اس
جملے سے واضح ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:

"کہ خدا کی قسم زکوٰۃ کی وصولی کے لئے اگر جنگ بھی کرنی پڑی تو دریغ
نہیں کروں گا"

اصل میں مخالفین زکوٰۃ نے اس بناء پر زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ ان کے نزدیک
آیت قرآنی "خذ من اموالھم صدقۃ" اے رسُول تو ان کے اموال
میں سے ایک حصہ بطور زکوٰۃ وصول کر کا مخاطب صرف خدا کا رسُول تھا۔ جو
وفات پا چکے ہیں۔ اب کوئی دوسرا شخص زکوٰۃ لینے کا حقدار نہیں ہے۔ حضرت
ابوبکر صدیقؓ نے مخالفین زکوٰۃ کے اس استدلال کو سختی سے ردّ فرمایا اور نہایت
دلیری اور عزم سے ان مشوروں کو بھی رد کر دیا جو مخالفین زکوٰۃ سے نرمی برتنے کے
متعلق تھے۔ چنانچہ آپ کے فولادی عزم کے باعث ارکان اسلام میں سے زکوٰۃ
جیسا اہم رکن کمزور نہ ہوا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

الغرض جس رکن کا مرکزی مقصد ہی اُس کے الفاظ میں پنہاں ہو تو اس کی
ادائیگی سے انسان یقیناً روحانی۔ قلبی اور اخلاقی برائیوں سے پاک و صاف ہو
جاتا ہے۔ ویسے زکوٰۃ کا اہم ترین فائدہ نظام جماعت کے لئے مال سرمایہ بہم
پہنچانا ہے۔ زکوٰۃ مال۔ مال کی مرض اور بخل کو ختم کرتی ہے۔ دوسروں کیساتھ
ہمدردی کرنا اور شخصی اغراض کی جگہ جماعتی اغراض کے لئے اپنے اوپر ایثار کرنا۔
زکوٰۃ کے اعلیٰ مقاصد میں سے ہے قرآن مجید نے زکوٰۃ کی تقسیم کے لئے ذیل
کی آٹھ مدات بیان فرمائی ہیں:-

۱ - فقیروں کے لئے ۔
۲ - مسکینوں کے لئے ۔
۳ - زکوٰۃ جمع کرنے والوں کی تنخواہوں کے لئے ۔
۴ - نومسلموں کے لئے ۔
۵ - غلاموں کی آزادی کے لئے ۔
۶ - ایسے قرضداروں کے لئے جو قرضہ ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں ۔
۷ - اللہ کے راستے نیک کاموں میں ۔ اور
۸ - مسافروں کے لئے ۔

المختصر فاضل دولت اور معاشی بدحالی کو ساتھ ساتھ ختم کرنے کا صرف زکوٰۃ ہی تیر بہدف علاج ہے جو اسلام کا ایک اہم رکن ہے اور بُنیادی ستون ہے ۔

پہلی بار نوحہ کی ممانعت

سنہ ۶۲۵ء بعمر ۵۵ سال سنہ ۳ ہجری

جنگ اُحد میں بظاہر فتح کے بعد شکست کا ایک پہلو پیدا ہو گیا تھا۔ اس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر بہت اثر تھا۔ آپؐ خود بھی زخمی ہو گئے تھے۔ اور صحابہ کرامؓ بھی شہید ہوئے تھے۔ خصوصاً ان شہداء کی جو اسلام کے لئے ریڑھ کی ہڈی کا کام کرتے تھے۔ شہادت کا رنج آپؐ کی طبیعت پر زیادہ تھا۔ وہ لمحہ آپؐ کے لئے رُوح فرسا تھا۔ جب آپؐ نے اختتام جنگ پر اپنی جمعیت کے زخمیوں اور شہداء کو جمع کیا خاص طور پر آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کی نعش کا بُرا حشر تھا۔ اُن کی لاش کی بے حرمتی کرتے ہوئے عرب کی رسم کے مطابق مثلہ کیا گیا تھا۔ یہ مہیب نظارہ آپؐ پر بہت گراں گزرا۔ چونکہ آپؐ صبر و استقلال کی تصویر تھے۔ فرمایا:-

"مجھے آج تک ایسی مصیبت نہیں پہنچی۔ میں اس سے زیادہ غضبناک مقام پر کبھی کھڑا نہیں ہوا۔ لیکن ساتھ ہی خُدا کے پیارے رسولؐ کو تسلّی و تشفی ہوئی اور مزید فرمایا کہ جبرائیل علیہ السّلام نے مجھے بتایا ہے حمزہؓ کا نام اہلِ سماء میں لکھا گیا ہے اور حضرت حمزہؓ اللہ اور اس کے رسولؐ کا شیر ہے" [۱]

شہداء کے کفن دفن کے لئے آپؐ نے فرمایا کہ شہداء کے بدن پر جو کپڑے ہیں۔ وہ بدن پر ہی رہنے دیئے جائیں۔ اور شہداء کو غسل بھی نہ دیا جائے۔ نماز جنازہ

[۱]:- سیرۃ ابنِ ہشام

بھی اس وقت ادا نہ کی جاسکی تھی۔ بغیر غسل اور بغیر نماز جنازہ ایک ہی کفن میں شہداء احد کو دفنا دیا گیا۔ البتہ بموجب ارشادِ نبویؐ لحد میں اتارتے وقت ان کی بزرگی و برتری کو ملحوظ رکھا گیا۔ وہ شہید جو قرآن مجید زیادہ جانتے تھے انہیں لحد میں پہلے اتارا گیا[1]۔ اگرچہ بعد میں چند دنوں کے وقفے سے نماز جنازہ غیب ادا کی گئی۔ اور بڑے

درد و اضطراب سے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی۔

میدان احد سے جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو اونٹنی کی نکیل سعدؓ بن معاذ نے تھامی ہوئی تھی۔ اور لوگ اپنے نبیؐ کو دیکھنے کے لئے جوق در جوق آ رہے تھے۔ آپؐ جب داخل ہوئے تو انصار کے گھروں میں آپؐ کو رونے چیخنے کی آواز سنائی دی۔ آپؐ نے جب یہ چیخ و پکار سُنی تو اور زیادہ تکلیف ہوئی۔ آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ اور آپؐ نے فرمایا " لٰكِنْ حَمْزَةُ فَلَا بَكَاكِيَ لَهُ۔ یعنے ہمارے رضائی بھائی حمزہؓ کے لئے کسی اور عورت نے اس طرح ماتم نہیں کیا"۔ رؤساء انصار نے خیال کیا کہ شاید حضورؐ نے ان کی توجہ نوحہ خوانی کی طرف مبذول کرائی ہے اور اس حسرت کا اظہار فرمایا ہے کہ غریب الوطن حمزہؓ کی نوحہ خوانی کا بھی خیال کیا جائے۔ وہ اپنی عورتوں کے پاس گئے اور انہیں حضرت حمزہؓ کے ماتم کے لئے متوجہ کیا۔ اور کہا " جہاں تم اپنے پیاروں کے غم میں آنسو بہا رہی ہو اور عزیزوں کے بچھڑنے پر سر دھن رہی ہو خدا کے رسولؐ کے چچا کے شہید ہونے پر نوحہ کرو۔ کیونکہ بحیثیت مہاجر ہونے کے ان کا نوحہ کرنے والا کوئی نہیں۔ چنانچہ عورتیں بوجھل قدم اور غم سے نڈھال دل و دماغ کے ساتھ حضورؐ نبی پاک کے مکان پر پہنچ گئیں اور ماتم کرنا شروع کر دیا۔

آپؐ کو اچانک اپنے گھر سے رونے چیخنے کی آواز سُن کر بے تابی ہوئی تو آپؐ نے پوچھا یہ شور کیسا ہے؟ عرض کیا گیا کہ انصار کی عورتیں حضرت حمزہؓ کا نوحہ کرتی ہیں۔ تو آپؐ نے ان کی محبت کی قدر کی اور فرمایا۔ خُدا تعالیٰ ان کے غموں کو کم کرے

[1] - بخاری حالات اُحد ؛

اور انہیں اجر عظیم دے۔ لیکن اسلام میں اس طرح نوحہ کرنا جائز نہیں[1]۔ اس دن سے بال نوچنا چیخ چیخ کر رونا پیٹنا لمبے لمبے بَین ڈالنا ممنوع قرار دیدیا گیا ہے[2]۔ یہ ممانعت جنگِ اُحد کے بعد پہلی بار سختی سے کر دی گئی اور صبر کی تلقین لازمی امر قرار دیا گیا۔ یُوں تو آنکھوں میں آنسوؤں کا آجانا فطری امر ہے۔ غم سے جذبات مغلوب ہونا بھی طبعی امر ہے لیکن خدا کے پیارے رسُولؐ نے خُدا کی رضاء پر راضی رہنے کا حکم فرمایا۔ حضرت سعدؓ بن معاذ کی وفات پر آپؐ نے فرمایا۔ " ہر نوحہ کرنیوالی جھوٹ بولتی ہے۔ ہاں سعدؓ کی نوحہ کرنے والی ماں مستثنیٰ ہے[3]۔ اس چھوٹے سے جملے میں آپؐ نے خبردار کیا کہ نوحہ کرنے والی عورت ایک تو عورت ہوتی ہے دوسرے وہ مبالغہ آرائی کرتے کرتے جھوٹ بھی بولتی چلی جاتی ہے۔ حتّٰی کہ اپنا مقام دوزخ بنا لیتی ہے۔ تیسرے نوحہ کرنے اور چیخنے اور شور کرنے سے مرنے والے کو سکون نہیں پہنچتا۔ بلکہ وہ مرنے والے کے لئے بے تابی اور بے چینی کا سامان مہیا کرتی ہے۔ کیونکہ میّت اپنے گرد و پیش سے تین دن تک واقف رہتی ہے۔ صرف بول نہیں سکتی۔ شور شرابا سُن کر بے چین ہوتی ہے اور یہ شور اس کی بے بسی کو بڑھا دیتا ہے۔

حضورؐ نے حضرت حمزہؓ کی بہن حضرت صفیہؓ کو ان کی نعش دیکھنے کی اجازت نہ دی تھی۔ مگر جب حضرت صفیہؓ نے اصرار کیا کہ مجھے معلوم ہے کہ میرے بھائی کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں۔ مگر خُدا کی راہ میں ایسا ہوا ہے۔ اس کی رضاء پر ہم راضی ہیں میں نہ تو روؤں گی نہ بَین کروں گی۔ بلکہ صبر کروں گی۔ تب رسُولِ خدا نے اپنی پھوپھی کو حضرت حمزہؓ کی نعش دیکھنے کی اجازت مرحمت فرما دی[4]۔

گریہ و زاری کے لئے خدا تعالیٰ کا دربار سب سے بہتر مقام ہے۔ جہاں انسان اپنے خُدا کے سامنے سجدہ ریز ہو کر اپنے غم کا اظہار کرتا ہے۔ چونکہ حضورؐ کا اسوہ حسنہ ہمارے

[1] :- تاریخ الخمیس ؛ [2] :- ابن سعد ؛
[3] :- ابنِ ہشام جلد دوم باب ۱۳۱ صفحہ ۲۶ ؛ [4] :- ابنِ ہشام جلد ۳ صفحہ ۱۰۳ ؛

لئے مشعلِ راہ ہے ہم دیکھتے ہیں کہ عام الحزن میں کس طرح آپؐ نے پے در پے صدمات برداشت کئے۔ مگر خاموشی و صبر کے ساتھ خدا کی رضاء پر راضی رہے۔ اپنے جگر گوشہ حضرت قاسمؓ اور حضرت ابراہیمؑ کو اپنے حقیقی مولیٰ سے ملتے دیکھا۔ اور راضی برضاء رہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ ؕ

✷

پہلا حکم بندشِ شراب

سنہ ۶۲۶ء لعمر ۵۶ سال ۸ ماہ بمطابق ۴ ہجری

عرب کا خطہ بہت آزاد اور غیر مہذب ہونے کے علاوہ تمدنی اور اخلاقی بیماریوں کا مرجع بھی تھا۔ اور بُت پرستی۔ شراب نوشی اور قتل و غارت میں تو خاصہ امتیاز حاصل تھا۔ اگرچہ اسلام کی آمد کے ساتھ ہی کئی بیماریوں کا قلع قمع ہو گیا تھا۔ کیونکہ یہی کلمۂ توحید کا نصب العین تھا۔ جو بہت حد تک پُورا ہو گیا۔ لیکن شراب نوشی کی جڑھیں بدستور اپنا مقام بنائے ہوئے تھیں۔ اور یہ جڑھیں اس کثرت سے پھیلی ہوئی تھیں کہ کردار کو نگل گئی تھیں۔ اور قومی اخلاق کا ایک حصّہ بن چکی تھیں۔ یہاں تک کہ ہر شہر، ہر مقام اور ہر سوسائٹی اس وقت مکمل کہلاتی تھی۔ جب شراب نوشی کا خاص اہتمام ہو۔ اب انتہاء یہاں تک ہو چکی تھی کہ خاص فیشن کے لوگوں میں شراب نوشی کے لئے خاص اوقات مقرر تھے۔ "جب وہ مجلسیں جما جما کر بدمستیاں کرتے تھے"۱ لیکن خدا کی ہزار ہزار رحمتیں نازل ہوں اس وجود پر جس نے نبوت سے قبل بھی اپنی چالیس سالہ زندگی میں شراب جیسی پلید چیز کو مَس تک نہ کیا۔ اور اس بدعادت سے ہمیشہ مجتنب رہے آپؐ کی فطرتِ صحیحہ ہی اس طرف سے قطعی متنفر تھی۔ گو بعض صحابہؓ بھی ابتداء سے ہی تارکِ شراب تھے۔ جیسے حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت عثمانؓ بن مظعونؓ۔ تاہم باقی صحابہ کرامؓ اسے استعمال کرتے تھے۔ کیونکہ مذہبی طور پر شراب حرام نہ تھی۔ حالانکہ شراب نوشی

۱۔ ابنِ ہشام

کے بدنتائج بھی کئی دفعہ سامنے آئے تھے۔ جیسے ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت حمزہؓ نے شراب کے نشہ میں حضرت علیؓ کے اونٹ ذبح کر دیئے تھے اور جب حالت کو بگڑتے دیکھ کر رسولِ خداؐ سمجھانے کے لئے گئے۔ تو حضرت حمزہؓ نے اپنے نشے میں اپنے محبوب نبیؐ کو پہچانا تک نہیں تھا[1] ایسے ہی کئی قباحتیں پیدا ہو گئی تھیں۔ کیونکہ شراب تو برائیوں کو جنم دیتی ہے۔ صحابہ کرامؓ عموماً پریشان ہوتے کہ یہ بد اخلاقی حد سے تجاوز کرتی جا رہی ہے۔ لیکن شرعی رنگ میں کسی کو بھی روکا نہیں جا سکتا تھا۔ وہ حکم امتناعی کے منتظر تھے۔ جیسے حضرت عمرؓ اور معاذؓ بن جبل خصوصاً ان بدعادات کی وجہ سے پیچ و تاب کھاتے رہتے تھے۔ مگر کوئی قطعی فیصلہ ذاتی طور پر نہیں کر سکتے تھے ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدائی احکام کے منتظر تھے۔ کیونکہ آپؐ کو بھی اس مکروہ اور ضرر رساں عادت کے متعلق تشویش ضرور تھی۔ لیکن چونکہ اسلام کے احکام بتدریج آتے تھے۔ اس لئے شراب بھی بتدریج حرام کی جانی تھی اور یہی منشاء الٰہی تھا۔

چنانچہ غزوہ اُحد کے بعد ۳ھ ہجری کو خدائی احکامات نازل ہو گئے جن کی رُو سے اسلام میں شراب قطعی حرام کر دی گئی۔ لیکن خرید و فروخت جاری رہی۔ جو کہ ۸ھ ہجری میں قطعی طور پر ممنوع قرار دی گئی۔ اور اس سال فتح مکہ کے زمانہ میں آپؐ نے علی الاعلان ان چیزوں کی ممانعت فرما دی۔ یعنی اوامر و نواہی کے اعتبار سے قطعی حکم سورۂ مائدہ میں آتا۔ نیز آپؐ نے بھی فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ حَرَّمَ بَیْعَ الْخَمْرِ وَالْمَیْتَةِ وَالْخِنْزِیْرِ وَالْاَصْنَامِ۔

یعنے خدا اور اس کے رسولؐ نے شراب۔ مُردہ۔ سؤر اور بتوں کی خرید و فروخت حرام کر دی ہے[2]

۱۔ بخاری باب غزوۂ بدر
۲۔ شبلی ص ۱۳۹

اگرچہ سورۃ بقرہ میں خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ بیشک شراب میں بعض فوائد ہیں۔ لیکن اس کے نقصانات فوائد پر غالب ہیں اور پھر دوسری بار سورہ نساء میں فرمایا تھا کہ اے مومنو! جب تم نشہ کی حالت میں ہو نماز میں شامل نہ ہوا کرو لیکن حتمی طور پر ارشاد باری اس وقت ملا جب حضرت عمرؓ نے زیادہ دعائیں کیں۔ خداوند عالم نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمادیا[1] اے مسلمانو! شراب اور جوا ناپاک اور ضرر رساں افعال ہیں جن سے شیطان تمہارے اندر عداوت اور دشمنی پیدا کرتا ہے اور ان کے ذریعہ تمہیں خدا کے ذکر اور نماز سے غافل کرتا ہے۔ پس تم ان چیزوں سے دُور رہو[2] اس قطعی حکم کے بعد پھر کیا تھا۔ صحابہ کرامؓ نے نہایت جوش اور رضامندی کے ساتھ اس انسانی عقل کو سلب کرنے والی عادت سے ایسا اجتناب کیا کہ تاریخ اس کی مثال نہیں پیش کر سکتی۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن ہم ایک مکان میں جو ابو طلحہؓ انصاری کا تھا بعض دوسرے صحابہؓ کے ساتھ شراب پینے میں محو تھے کہ منادی کی آواز آئی کہ "شراب قطعاً حرام کر دی گئی ہے" تو ابو طلحہؓ نے کہا۔ اٹھو اور شراب کے مٹکے زمین پر بہا دو[3] حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اس دن شراب گلیوں میں بہتی نظر آتی تھی۔ کسی شخص نے تحقیق نہیں کی بلکہ فوراً شراب نوشی ترک کر کے اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا پر عمل کیا۔ آج ہر شخص سبقت لے جانے کے لئے تیار ہے۔ اور صحابہؓ اتنا انتظار بھی نہیں کرتے کہ کون سچ کہتا ہے اور کون جھوٹ بلکہ یہ سوچ کر کہ شراب پھر خریدی جا سکتی ہے۔ اگر منادی غلطی پر مبنی ہے۔ لیکن اگر منادی سچی ہے تو ایسا نہ ہو کہ میں رسولِ خدا کا حکم ماننے میں کسی سے پیچھے رہ جاؤں۔ گویا ہر صحابیؓ صدیق تھا۔ اور دلیل سے حکم ماننے کا منتظر نہیں تھا۔ بلکہ کلمۂ صداقت پر ایمان لے آیا تھا۔ پس آج ۸ھ ہجری کو صحابہ کرامؓ نے شراب اپنے حلق میں انڈیلنے کی بجائے پاؤں میں روند ڈالی تھی۔ اور نالوں میں بہا کر اس کی ہستی گم کر دی۔

۱:۔ سورہ مائدہ ع ۱۲
۲:۔ مسلم

پس شراب نوشی کی وہ عادت جو عرب کی گھٹی میں تھی اور وہ طفیلی جڑھیں جو اخلاق کو چاٹ رہی تھیں۔ ایک قرآنی آیت سے کلیتہً ترک ہوگئیں اور کٹ کر نیست و نابود ہوگئیں رسولِ خدا احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہزاروں سلام ہوں کہ آپؐ نے اس چیز کی جڑھ پر تبر رکھ دیا جو عقلمند کو وقت کا بے وقوف بنا دیتی ہے۔ آج ان ہستیوں سے جو کسوٹی پر گھس کر اور کٹھالی میں ڈال کر کندن بن چکی تھیں۔ ایسا معاشرہ تیار ہو چکا تھا جو اندرونی طور پر یکسر بدل گیا ہوا تھا۔

اس روحانی سوسائٹی کا ہر ایک شخص خدا پرست با اصول بن کر سامنے آگیا۔ تو یہ تھا رسولِ خدا کا روحانی انقلاب جس نے شراب کو طبائع سے یکسر نکال کر امت کو ایسے راستوں پر ڈال دیا جو قرآن و نماز کے نور سے منور تھے۔ اور اندر سے ان کے قلب و ذہن کو بدل کر نئے کردار پیدا کر دیئے۔ اور یہی نصب العین تھا جو رسول پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم لے کر ہمارے پاس آئے تھے۔ وہ جانے سے پہلے سرخرو تھے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰے مُحَمَّدٍ وَّعَلٰے اٰلِ مُحَمَّدٍ ہ

مدینہ کی پہلی مہاجر عورت اُمّ المومنین حضرت اُمِ سلمیٰ رضؓ

سنہ ۶۲۶ء بعمر ۵۶ سال ۸ ماہ بمطابق ۴ ہجری

مدینہ کی طرف سب سے پہلے ہجرت کرنے والی عورت حضرت امِ سلمیٰ رضؓ تھیں [۱] جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چھٹی بیوی اور ابو امیہ کی صاحبزادی تھیں۔ ان کا اپنا اصلی نام ہند اور باپ کا نام سہیل اور ماں کا نام عاتکہ تھا۔ شروع میں انہی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ وہ قریش کے ایک معزز گھرانے کے ساتھ تعلق رکھتی تھیں۔ ان کا پہلا نکاح حضورؐ کے رضاعی بھائی عبداللہ بن عبدالاسد کیساتھ ہوا تھا جو ابوسلمیٰ کی کنیت سے مشہور تھے نہایت مخلص اور پرانے صحابی تھے بہت بڑے شہسوار بھی تھے۔ حضورؐ انکی بہادری اور شجاعت کے معترف اور ان کی بہت عزت و تعریف کیا کرتے تھے۔ بنو اسد کی سرکوبی کے لئے حضورؐ نے ابو سلمیٰ رضؓ کو ۴ ہجری کو روانہ فرمایا تھا۔ مقام قطن پر جنگ تو نہ ہوئی۔ لیکن بنو اسد منتشر ہو گئے۔ لیکن ابو سلمیٰ رضؓ واپسی پر غیر معمولی مشقت کی وجہ سے بیمار ہو گئے اور وہ زخم جو جنگِ اُحد میں اُن کو پہنچا تھا خراب ہو گیا۔ اور وہ اسی طرح وفات پا گئے [۲] حضورؐ نے نماز جنازہ پڑھائی اور نو تکبیریں کہیں۔ نماز جنازہ کے بعد صحابہ کرامؓ نے پوچھا "یا رسولِ خدا! سہو تو نہیں ہوا؟" آپ نے فرمایا۔ یہ تو ہزار تکبیر کے مستحق تھے [۳]

حضرت امِ سلمیٰ رضؓ اس وقت حاملہ تھیں۔ وہ آغازِ نبوت میں ہی اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئی تھیں۔ جب کفّار کی ایذا رسانی حد سے بڑھ گئی اور

---

[۱]: شبلی حصہ دوم ص۱۸ ۔ [۲]: صحابہ حالات امِ سلمیٰ ۔ [۳]: شبلی حصہ دوم ۔

ان کا اپنا ہی وطن ان پر تنگ ہو گیا - تو ایسی بہادر خاتون خدا تعالیٰ کی خاطر اپنا وطن چھوڑ کر بے یارو مددگار سوزرت میں حبشہ نکل گئی تھیں - وہاں سے انہوں نے دوسری ہجرت کی اور حبشہ سے مدینہ کی طرف تشریف لے آئیں - مدینہ میں آنے والی مہاجر خواتین میں سے وہ پہلی خاتون تھیں -

ام سلمیٰ کی عدت کے بعد حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر فرمائی - جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ اپنی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے ایک شارع نبی کی بیوی بننے کی اہل تھیں - اور دوسرے یہ کہ وہ ایک قدیم صحابیؓ کی بیوہ تھیں - اور پھر صاحب اولاد بھی تھیں - اس لئے حضورؐ کو ان کے پسماندگان کا خاص خیال تھا - لیکن حضرت ام سلمیٰ نے فرمایا - مجھے چند عذر ہیں - مَیں سخت غیور ہوں - صاحب عیال ہوں - میرا سن بھی زیادہ ہے - مَیں اولاد کے قابل نہیں رہی [۱] لیکن چونکہ رسول خُدا کی غرض ہی اور تھی اسلئے آپؐ نے ان زحمتوں کو گوارا فرمایا اور وہ بھی رضامند ہو گئیں - چنانچہ ان کے لڑکے سلمیٰ رضؓ نے ماں کا ولی بن کر اُن کو نبی پاکؐ کی زوجیت میں دے دیا - چنانچہ یہ تقریب ۴ ہجری شوال کی آخری تاریخوں میں انجام پذیر ہوئی - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چکی، گھڑے اور چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی عنایت فرمائے - اور یہی سامان آپؐ نے باقی بیویوں کو عنایت فرمایا تھا [۲]

حضرت ام سلمیٰ رضؓ بہت غیور اور باحیا اور علم و دانش میں بھی ایک ممتاز مقام کی مالکہ تھیں - صلح حدیبیہ میں حضورؐ کے ساتھ تھیں - صلح کے بعد آپؐ نے حکم فرمایا کہ لوگ حدیبیہ میں قربانی کریں - لیکن صحابہؓ اس قدر شکستہ دل تھے کہ ایک شخص بھی نہ اُٹھا - یہاں تک کہ دہرانے پر بھی کوئی آمادہ نہ ہوا - کیونکہ معاہدہ کی شرطیں بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں - اس لئے تمام لوگ قدرتی طور پر رنجیدہ تھے - حضرت ام سلمیٰ رضؓ نے حضورؐ سے عرض کی "یا رسول اللہ! آپؐ کسی سے کچھ نہ کہیں بلکہ

[۱] :- ابن سعد جلد ۸ حالات ام سلمیٰ رضؓ
[۲] :- سنن نسائی

باہر نکل کر خود قربانی کریں اور احرام اتارنے کے لئے سر کے بال منڈوالیں" جب صحابہ کرامؓ نے یہ دیکھا کہ آپؐ نے احرام توڑ دیا ہے - اور اب فیصلے میں تبدیلی کے تمام امکانات ختم ہو گئے ہیں - تو صحابہ کرامؓ کا یہ عالم تھا - کہ ہر شخص خود ہی اپنی حجامت بنوانے کی خدمت سرانجام دے رہا تھا - حضرت ام سلمیٰ رضؓ کا یہ خیال علم النفس کے ایک بڑے مسئلے کو حل کر گیا اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور کی فطرت شناسی میں انہیں کمال حاصل تھا - بیشک انہوں نے ثابت کر دیا کہ وہ عورت ہیں لیکن حضور نبی کریمؐ کا ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کا جو مدعا تھا وہ انہوں نے نمونہ اور حسنِ سلوک سے پُورا کر دکھایا - آپؐ کو ہر مکتبۂ فکر کے لوگوں کو عملی تعلیم دینی تھی - تاکہ شاہ و گدا، امیر و غریب، ادنیٰ و اعلیٰ ہر حیثیت کے لوگ آپؐ سے فیضیاب ہوں - اور ہم نے دیکھا کہ کاشانۂ نبوت میں بیک وقت مختلف الخیال - مختلف المزاج و حیثیت کی چند بیویاں تھیں - کچھ تو رؤسائے عرب کی چشم و چراغ تھیں اور کچھ غریب نادار تھیں - صاحب جمال تھیں اور صاحب کمال بھی تھیں - تیز مزاج بھی تھیں اور حلیم الطبع بھی تھیں - گویا آپؐ نے تمام تر پہلو مکمل کر کے اپنی اُمت کے لئے کامل نمونہ رکھ دیا - اور اسی طرح اُمت کی تعلیم و تربیت کا کام اور بھی آسان ہو گیا -

حضرت اُم سلمیٰ رضؓ سے کتب احادیث میں بہت سی روایات مروی ہیں اور انکا درجہ بھی ازواج نبی کریمؐ میں دوسرے نمبر پر ہے اور کل صحابہ کرامؓ میں بارھویں نمبر پر ہے - وہ لکھنا پڑھنا بھی جانتی تھیں - اور فہم و ذکا میں اپنی مثال آپ تھیں - انہوں نے بہت لمبی عمر پائی - تقریباً چوراسی سال کی ہو کر سب ازواج کے اخیر میں فوت ہوئیں - باسٹھ ہجری میں آپؓ کا وصال ہوا [۱] حضرت ابوہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں مدفون ہیں [۲] حبشہ اور نجاشی کے بیشتر واقعات ہمارے پاس ام سلمیٰ رضؓ سے ہی مروی ہیں - عمرو بن سعد کی ناداری اور حضرت جعفر رضؓ کی پُر مغز گفتگو کا نقشہ ام سلمیٰ رضؓ نے بہت اعلیٰ رنگ میں ہمارے سامنے پیش کیا ہے -

[۱] :- ابن سعد - [۲] :- شبلی حصہ دوئم صفحہ ۲۱۲

پہلا امین الامّت

حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح

۶۲۶ سنۂ بعمر ۵۶ سال ۸ ماہ مطابق ۴ ہجری

اِنَّ لِکُلِّ اُمَّۃٍ اَمِیْنًا وَاِنَّ اَمِیْنَنَا اَیَّتُھَا الْاُمَّۃِ اَبُوْعُبَیْدَۃُ الْجَرَّاحِ۔

حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ایک امّت کا ایک امین ہوتا ہے اور اے امّت ہمارا امین ابو عبیدہؓ بن جراح ہیں۔ یہ وہ خطاب ہے جو سرورِ کائناتؐ کی طرف سے (حضرت ابو عبیدہؓ) ایک ایسے صحابی کو دیا گیا جس کا اسلام لانیوالوں میں آٹھواں نمبر تھا۔ ان کا اصل نام عامرؓ تھا اور باپ کا نام عبد اللہ تھا۔ لیکن دادا کی طرف منسوب ہوتے تھے۔ نام سے زیادہ کنیت مشہور تھی۔ اور سلسلۂ نسب رسُولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچویں پشت سے جا ملتا تھا۔ بعثت نبوی سے پہلے اُن کا شمار اُن چیدہ لوگوں میں کیا جاتا ہے۔ جو شراب و جُوا سے پرہیز کرتے تھے اور بُت پرستی سے بیزار تھے۔ شعر و شاعری اور فضول گوئی سے اجتناب کرتے تھے۔ زیرک اور صاحبِ رائے تھے۔ لوگ عموماً ان کو اپنے معاملات میں مشیر مانتے تھے۔ اسلام کا پیغام سن کر ایک دن کی مہلت مانگی اور دل و عقل دونوں سے بخوبی جائزہ لیکر اسلام کی صف میں شامل ہو گئے۔ اور حضورؐ نے عشرہ مبشرہ کی خوشخبری عطاء فرمائی۔

حضرت ابو عبیدہؓ کو خدا تعالیٰ نے تقریباً تمام غزوات میں شمولیت کا شرف بخشا۔

جنگ بدر جو کہ حق و باطل کا پہلا معرکہ تھا۔ وہ اس میں بھی شامل تھے۔ اس وقت ان کی عمر انتالیس سال تھی۔ یہ جوشیلہ نوجوان مجاہد خُدا کی راہ میں نکلا ہوُا انسان خُدا اور رسُول کے دشمنوں سے دوستی پر کیسے رضامند ہو سکتا ہے۔ جب میدان کارزار میں باپ بیٹے کے سامنے ہوُا تو حق و باطل کی جھڑپ شروع ہوُئی۔ باپ کفر و الحاد کی زنجیروں میں جکڑا ہوُا تھا۔ اور بیٹا نخل اسلام کا پاسبان تھا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ تلوار کی پیاس بجھانے کے لئے بے تاب تھے۔ باپ جو کفر کی طرف سے قِسمت آزمائی کرنے آیا تھا۔ بیٹے پر جھپٹا مگر بیٹا ہر بار طرح دے جاتا رہا لیکن عبد اللہؓ تھے کہ نہ ٹلتے تھے۔ آخر فتح حق کی ہوتی ہے۔ بُتوں کا شیدا باپ توحید کے دلدادہ بیٹے کے ہاتھوں دنیا سے رخصت ہوُا۔ اور خدا تعالٰے نے اس موقعہ پر یہ آیت نازل فرمائی:۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (مجادلہ ع ۳)

کہ مومن خُدا اور اسکے رسُول کے دشمنوں سے دوستی نہیں کرتے خواہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی ہی کیوں نہ ہوں یہی جنت کے مستحق ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جن سے خدا تعالیٰ راضی ہو گیا اور وہ خدا سے راضی ہو گئے۔ پس ابو عبیدہؓ وہ شخص ہیں جن سے خدا تعالیٰ ان کی زندگی میں ہی راضی ہو گیا تھا۔ اور انہیں یہ خوشخبری مل گئی تھی۔

اسی طرح جنگِ اُحد میں بھی اُنہوں نے حصّہ لیا اور بعد شوق لیا۔ شروع شروع میں میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ لیکن چند نفوس کی غلطی اسے جیتی ہوُئی جنگ ہار میں تبدیل ہو گئی۔ یہانتک کہ حضورؐ تک زخمی ہو گئے۔ خود کے دندانے رخسار میں پیوست ہو گئے۔ اور دو۲ دانت بھی شہید ہو گئے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے خود کے ٹکڑے نکالنے کی اجازت چاہی جو ملنے پر انہوں نے اپنے دانت سے ایک ٹکڑے کو کھینچا خود کا ٹکڑا تو باہر آگیا۔ لیکن ان کا اپنا دانت اکھڑ گیا۔

اور وہ پشت کے بل جا گرے۔ پھر دوسری بار دوسرا ٹکڑا اسی طرح نکالا پھر ان کا دوسرا دانت بھی اکھڑ گیا۔ چنانچہ عشرہ مبشرہ میں سے یہ سعادت بھی حضرت ابو عبیدہؓ کو ہی نصیب ہوئی کہ ان کے ہونٹوں نے زندگی میں رسولِ خداؐ کے رخسار مبارک کو دو دفعہ مس کیا۔ اسی طرح صلح حدیبیہ میں بھی ان کے دستخط تھے۔ فتح مکہ کے موقعہ پر بھی قلب لشکر کے قائد حضرت ابو عبیدہؓ ہی تھے۔ حضورؐ نے ان کو اپنے ہاتھوں سے جھنڈا عطاء فرمایا تھا۔ انہیں خدا تعالیٰ نے ایثار و فدائیت کے جذبہ سے نوازا تھا۔ ہمیشہ ان کی خدمات حضورؐ کی خوشنودی کا موجب ہوئیں اگر

آپؐ نے انعام کے طور پر انہیں امین الامۃ کا لقب عطاء فرمایا ہے تو بیشک آپؓ نے یہ حق ہر لحاظ سے ادا کر دیا۔ خدا تعالیٰ کے اس برگزیدہ امین کو خدا نے اتنا نوازا کہ ایک دفعہ انہیں غزوۂ ثلاثل میں حضورؐ نے ایسے دستے کا امیر بنا دیا جس میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی شریک تھے۔ گویا کہ وہ دونوں رفیق النبیؐ ابو عبیدہؓ کی نگرانی و معاونت میں جہاد کر رہے تھے۔

سنہ ہجری میں نجران سے مسیحیوں کا ایک وفد آیا جو ساٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ حضور نبی کریمؐ سے مسیحؑ کی الوہیت اور صداقت کی گفتگو ہوتی رہی۔ واپسی پر انہوں نے درخواست کی کہ کوئی "امین" ان کے ساتھ بھجوا دیں۔ جس پر نبی کریمؐ نے جواب دیا کہ "ہاں میں تمہارے ساتھ حقیقی امین بھیجوں گا۔" آپؐ نے یہ تین بار فرمایا۔ صحابہ کرامؓ منتظر تھے کہ قرعہ فال کس کے نام پر پڑتا ہے۔ حضورؐ نے آپؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ "ابو عبیدہؓ اٹھو اور ان کو اہلِ نجران کے ساتھ روانہ فرما دیا۔

حضرت ابو عبیدہؓ سب سے پہلے وزیر خزانہ مقرر ہوئے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں ناظم بیت المال کا تمام کام انہوں نے سنبھالا تھا۔ حضور نبی کریمؐ کی وفات پر حضرت ابوبکرؓ نے دو صحابہ کرامؓ کو خلافت کے لئے انصار و مہاجرین کے سامنے پیش کیا تھا۔ ایک ان میں سے

حضرت عمرؓ تھے اور دوسرے حضرت ابو عبیدہؓ تھے۔ اگرچہ دونوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ آپؓ مہاجرین میں سے سب پر فضیلت رکھتے ہیں اور رسول اللہؐ کے سب سے زیادہ مقرب ہیں۔ ایسا کونسا شخص ہے جو آپؓ سے زیادہ اس منصب کے لئے موزوں ہو۔ یہ کہکر ان دونوں نے سب سے پہلے آپؓ کی بیعت کر لی۔ گویا کہ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکرؓ کی پہلی بیعت کا شرف بھی انہیں نصیب ہو گیا۔ حضرت عمرؓ جب زخمی ہوئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا "آج ابو عبیدہؓ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ نامزد کرتا۔ اگر خدا مجھ سے پوچھتا تو میں عرض کرتا کہ میں نے تیرے نبیؐ کی زبان مبارک سے سنا تھا کہ یہ اس امت کا امین ہے[1]

حضرت ابو عبیدہؓ وہ پہلا شخص تھا جس نے راشن بندی کا اجراء کیا[2]۔ وگرنہ اس سے پہلے راشن بندی کا سلسلہ اسلام میں نہیں تھا۔ غزوہ سیف البحر میں جب مجاہدین کے پاس راشن ختم ہونے لگا تو حضرت ابو عبیدہؓ نے سب سے کھجوریں اکٹھی کر کے راشن بندی کر دی۔ ایک ایک مٹھی کھجور ایک صحابیؓ کو روزانہ ملتی تھی۔ حتیٰ کہ وہ بھی ختم ہو گئیں۔ تب صحابہ کرامؓ گٹھلیاں چوس چوس کر پانی سے پیٹ بھرتے تھے۔ یا کیکر کے پتے جھاڑ کر کھا لیتے تھے۔ اسی لئے اس لشکر کا نام جیش الخبط پڑ گیا تھا۔

وہ فاتح شام بھی تھے۔ قیصر و کسریٰ کے غرور کو خاک میں ملا کر غزوۂ احزاب والی پیشگوئی پوری کرنے کی سعادت بھی انہیں نصیب ہوئی۔ اور اس موقعہ پر لوگوں نے انہیں اَلْقَائِدُ الْمَیْمُوْنُ الطَّائِرُ کا خطاب دیا۔ فاتح شام اور خوش نصیب قائد نے سرزمین شام میں شہادت پائی اور وادئ بیان میں سپرد خاک کر دیئے گئے[3]۔ وفات سے پہلے انہوں نے وصیت کی کہ "اے مجاہدین اسلام! میں تمہیں ایک وصیت کرتا ہوں کہ اگر اسے قبول کرو گے تو ہمیشہ بہتری میں رہو گے۔ نماز با جماعت

---

[1]:۔ طبقات جلد ۳؎ [2]:۔ بخاری کتاب المغازی؎

[3]:۔ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۸۶؎

اور سنوار کر ادا کرنا۔ زکوٰۃ دینا۔ رمضان کے روزے رکھنا۔ صدقہ دینا۔ حج اور عمرہ کرنا۔ عاجزی اور انکساری اختیار کرنا۔ اپنے امراء کی بھی خیر خواہی کرنا۔ ان سے خیانت نہ کرنا۔ عورتیں تمہیں غافل نہ کریں۔ اور یاد رکھو اگر ہزار سال بھی کسی شخص کو عمر نصیب ہو تو پھر بھی اُس کی وہی حالت ہوگی جو اس وقت میری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنو آدم کے لئے موت مقدر کر چھوڑی ہے۔ زیرک وہ ہے جو اُس کا اطاعت گزار ہے اور اس دن کے لئے تیاری کرتا ہے۔ پھر فرمایا۔ امیر المؤمنین کو میرا اسلام کہنا۔ اور عرض کرنا کہ میرے ذمہ کوئی امانت باقی نہیں۔ یہ کہ مَیں نے اس کی نگہداشت کی ہے۔ اور ادا کر دی ہے[1] اُن کی وفات پر معاذ بن جبل نے کہا تھا۔ اے لوگو! "آج وہ شخص دنیا سے رخصت ہوگیا جس سے زیادہ پاک و صاف دل اور کینہ سے مبرّا اور باحیا خیر خواہ مَیں نے کوئی نہیں دیکھا۔"[2]

---

[1] ۱۔ الوعبیدہ ۲/ ص ۱۹۳-۱۹۴ ؛ [2] ۲۔ مسند احمد جلد ۱ ص ۱۹۶ ؛

پہلی صلوٰۃ الخوف

جنگِ ذات الرقاع

۶۲۶ء لعمر ۵۶ سال ۸ ماہ بمطابق ۴ ہجری

شبِ معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب نبیوں کی امامت عطاء ہوئی۔ اس برکت والی رات سے لے کر آخری سانسوں تک آپؐ نے نماز کو اپنی محبوب ترین چیز کی طرح سینے سے لگائے رکھا اور اتنا سنوار کر ادا فرمایا کہ ہر سجدہ میں آپؐ نے خدا کو دیکھ لیا۔ اور یہ حقیقی عبادت اپنے رفیق اعلیٰ سے ملنے کے دن تک آپؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور روح کی غذا رہی۔ سفر و حضر۔ رنج و خوشی اور جنگ و امن ہر ساعت و لمحہ آپؐ نے نماز کو جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ ہی فرمایا۔

ذات الرقاع پہلی جنگ ہے جس میں رسولِ خُدا نے پہلی بار صلوٰۃ الخوف ادا کی تھی[1] غزوہ بنو نضیر کے بعد رسول کریمؐ چند ایام مدینہ میں ٹھہرے اور پھر قبیلہ بنو محارب، بنو ثعلبہ اور بنو غطفان کے ساتھ جنگ کے ارادے سے نجد کا رُخ کیا۔ ابو ذر غفاریؓ کو مدینہ کا عامل مقرر فرمایا۔ مقام نخل میں آپؐ نے ڈیرے ڈال دیئے اور جنگ ذات الرقاع کی ابتداء ہوئی۔ اسے ذات الرقاع اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں جھنڈوں کو پیوند لگے ہوئے تھے۔ یہاں حضورؐ کو بہت سے قبیلوں کا سامنا تھا جن کی

---

[1] : ۔ صلوٰۃ الخوف از طبری ؛

جمیعت بڑی تھی۔ اگرچہ جنگ کی نوبت نہیں آئی پھر بھی ایک دوسرے سے خوف اور اندلیشہ اس حد تک تھا کہ رسولِ پاکؐ نے صلوٰۃ الخوف ادا فرمائی۔ صحابہ کرامؓ نے بھی آپؐ کے پیچھے نماز ادا کی جس کا طریق کار یہ تھا کہ "جابرؓ عبد اللہ سے روایت ہے۔ کہ رسولِ خدا نے ایک گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں اور سلام پھیر دیا۔ اس وقت دوسرا گروہ آیا اور آخری دو رکعتیں پڑھائیں اور سلام پھیر دیا[1]

مؤرخین نے اپنے اقوال کا الگ الگ ذکر کیا ہے مگر قرینِ قیاس یہی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نمازِ خوف میں امام کھڑا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ایک گروہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ دوسرا گروہ دشمن کے مقابلہ پر متعین رہتا ہے۔ امام پہلے گروہ کو رکوع و سجدہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھا دیتا ہے پھر یہ گروہ پیچھے ہٹ کر دشمن کے لئے صف آراء ہو جاتا ہے اور دوسرا گروہ خدا کے لئے صف بنا لیتا ہے۔ اور دوسری رکعت مکمل کرتا ہے۔ اس طرح ہر گروہ ایک ایک رکعت اپنے طور پر پڑھ کر نماز پوری کر لیتا ہے اور ایسے دو رکعت قصر نماز یعنی صلوٰۃ الخوف تمام فوج ادا کر لیتی ہے اور اگر لڑائی پورے زور و شور پر ہو تو ہر سپاہی کو اپنی اپنی جگہ اشارات سے نماز ادا کرنے کا حکم ہے۔ گھوڑے کی پیٹھ پر۔ پیدل۔ لیٹے ہوئے۔ بیٹھے ہوئے، شست باندھے ہوئے۔ ہر حال میں نماز کی ادائیگی واجب اور فرض ہے۔

چونکہ جنگوں میں عموماً فوجیں توپ، تلوار۔ تیر و سنان سے ہر طرف طوفان برپا کر رہی ہوتی ہیں۔ اس لئے ایسے میں نماز کا سوچنا مجاہد کی شان کی عظمت و بلندی کا مظاہرہ ہے۔ اسلام کی جنگوں میں سپاہی تو شجاعت و غرور سے پیشانیوں پر بل ڈالے ہوئے دشمنوں کے مقابلہ میں ہوتے ہیں۔ لیکن خود سپہ سالار کی پیشانی زمینِ نیاز پر ہوتی ہے اور نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ دعا و زاری اور ذکرِ الٰہی میں مصروف ہوتا ہے۔ عموماً جنگوں میں سپہ سالاروں کو سپاہیوں

[1]:- ابن ہشام جلد دوئم؛

کی قوت و بازو پر ناز ہوتا ہے۔ مگر اسلام کے قائدِ اعظمؐ کو صرف اور صرف خدائے ذوالجلال کی قوت پر ناز تھا۔ عالمِ اسباب کے لحاظ سے آپؐ نے اصولِ جنگ کے مطابق ہر میدان میں فوجیں مرتب کیں۔ لیکن اصلی توکل اور اعتماد خدائے ذوالجلال پر ہی تھا۔

سورۃ نسآء میں اللہ تعالیٰ نے ذات الرقاع جسے غزوہ نجد بھی کہتے ہیں ۵ھ ہجری کو یہ حکم نازل فرمایا:-

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ...... وَلْيَاْخُذُوْٓا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ[1]

[1]:- سورۃ نساء ع ۱۵؛

پہلی نقل مکانی

۶۲۶ء بعمر ۵۶ سال ۸ ماہ بمطابق ۴ ہجری

مِنْ دِیَارِھِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا۔

(سورۃ حشر)

سورہ حشر پوری کی پوری بنو نضیر کے بارے میں ہی اتری تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سازشوں اور خفیہ سکیموں کا بہترین انتقام لیا۔ اور وہ لوگ جو رسولِ خدا کو ہر ممکن نقصان دینے پر آمادہ تھے۔ اور شرارت میں دلیر ہو گئے تھے۔ خدا تعالےٰ نے انہیں مغلوب کیا اور اپنے پیارے نبیؐ کو غلبہ عطا فرما کر ثابت کر دیا کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہا کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ایسی جگہ سے ان کے پاس پہنچا جہاں کا انہیں خیال ہی نہیں تھا۔ اور ان کے دلوں میں مرعوبیت پیدا کر دی۔ مسلمان اپنے آبائی ملک مکّہ سے تو باہر آئے ہی تھے۔ یہاں بھی یہودی قبیلوں اور منافقین نے امن کی زندگی بسر کرنے نہ دی۔ اندر ہی اندر قریش سے مل کر فتنے کھڑے کرتے تھے۔ حتّٰی کہ ایک دفعہ رسولِ خداؐ اپنے چند صحابیوں کو ساتھ لے کر بنو نضیر کی آبادی میں تشریف لے گئے۔ آپؐ ایک مکان کے سایہ میں دیوار کے ساتھ لگے بیٹھے تھے کہ بنو نضیر کے باہم مشورہ سے ایک شخص عمرو بن حجاش یہودی ایک بہت بھاری پتھر لے کر مکان کے اُوپر چڑھ گیا۔ قریب تھا کہ وہ پتھر اُوپر سے لڑھکا کر آپؐ کو نقصان پہنچاتا۔ کہ خدا تعالےٰ نے بذریعہ وحی یہود کے اس بدارادہ سے مطلع فرما دیا۔ اور آپؐ جلدی سے وہاں سے اُٹھ آئے اور سیدھے

مدینہ میں تشریف لے آئے۔ یہ خفیہ سازش اللہ تعالیٰ نے ناکام کر دی۔ وگرنہ بنو نضیر واقعہ رجیع اور بئر معونہ کی طرح دردناک داستان ایک دفعہ پھر دُہرانے لگے تھے آپؐ اس وقت حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔ اس وقت رسولِ خدا نے قبیلہ اوس کے ایک رئیس محمد بن مسلمہ کو بلا کر فرمایا کہ تم بنو نضیر سے کہو کہ وہ اپنی شرارتوں میں بڑھ گئے ہیں۔ اور ان کی غداری انتہا کو پہنچ گئی ہے۔ اب ان کا مدینہ میں رہنا ٹھیک نہیں۔ بہتر ہے کہ وہ مدینہ چھوڑ دیں اور آپؐ نے ان کو دس دن کی میعاد بھی دی۔ لیکن جب صحابہ کرام پر اس سازش کا انکشاف ہوا۔ تو وہ متفکر ہوئے۔ محمد بن مسلمہ کے جانے پر ان لوگوں نے کہلایا۔ کہ محمدؐ جو چاہتا ہے کرے۔ ہم مدینہ سے نکلنے کے لئے تیار نہیں۔ آپؐ نے بے ساختہ کہا اللہ اکبر یہود تو جنگ کے لئے تیار بیٹھے ہیں[1] اور رسولِ خدا نے یہودیوں کیلئے تیاری کر لینے اور ان کی طرف چلنے کا حکم دیا۔ اور مدینہ پر ابن امِّ مکتوم کو عامل مقرر فرمایا۔ اور آپؐ بنو نضیر کے مقابلہ کے لئے پہنچ گئے۔ اور پڑاؤ ڈال دیا۔ آپؐ نے اُن کا چھ رات تک محاصرہ جاری رکھا۔ اور ان کے رؤساء کو کہلا بھیجا کہ تمہاری روز روز کی غداریوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ تم امن کی زندگی بسر کرنے نہ دو گے اور نہ خود امن سے رہو گے۔ لہٰذا ازسرِ نو معاہدہ کر کے مجھے یقین دلاؤ کہ آئندہ تم بدعہدی اور غداری نہیں کرو گے لیکن بنو نضیر نے صاف انکار کر دیا۔ کیونکہ ان کے دلوں میں کعب بن اشرف کے قتل کی وجہ سے بھی ایک آگ سی لگی ہوئی تھی۔ آخر یہودی قلعہ بند ہو گئے اور مسلمانوں کے خلاف میدان جنگ میں اترنے کا حوصلہ نہ کیا۔ گو کہ عبداللہ بن ابی سلول نے بنو نضیر کے رؤساء کو کہلا بھیجا کہ "تم جمے رہو اور ڈٹے رہو۔ ہم تمہیں بے مدد نہیں چھوڑیں گے۔ اور اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل چلیں گے[2] جب محاصرہ

---

[1]:۔ ابنِ ہشام ؁ [2]:۔ ابنِ ہشام صفحہ ۱۹۹ باب ۱۲۶ ؁

نے طول کھینچا تو سرورِ کائنات نے ارشاد فرمایا کہ وہ درخت جو جنگلی کھجوروں کے ہیں کاٹ دیئے جائیں تاکہ ان درختوں کو کٹتا دیکھ کر بنو نضیر مرعوب ہو جائیں۔ اور اپنے قلعوں کے دروازے کھول دیں۔ تاکہ چند معمولی قسم کے درختوں کے نقصان سے جانی نقصان نہ ہو اور فتنہ و فساد کی نوبت نہ آئے۔ چنانچہ یہ تدبیر کارگر ہوئی۔ جب صحابہ کرامؓ نے حضورؐ کے منشاء کے مطابق سفید قسم کی کھجور کے درخت کاٹے تو انہوں نے آہ و بکا شروع کر دی۔ ابن اسحاق سے روایت ہے

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درخت کاٹے اور ان میں آگ لگانے کا حکم دیا تو اسیر یہودیوں نے پکارنا شروع کیا "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم تو فساد سے منع کرتے تھے۔ اور جو فساد کرے اُس کی مذمت کرتے تھے۔ اب یہ درختوں کا کاٹنا اور ان میں آگ لگانا یہ کیا ہے؟"[1] لیکن جیسے قرآن مجید میں تشریح کی گئی ہے۔ کہ صرف بعض درخت اور وہ بھی سفید قسم کے درخت کاٹنے کی اجازت تھی۔ اور باقی درختوں کو محفوظ رکھنے کا حکم تھا۔[2] یہود نے پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد قلعے کے دروازے کھول دیئے اور درخواست کی کہ ہمیں اپنا ساز و سامان لے کر امن و امان کے ساتھ چلے جانے دیا جائے۔[3] انہوں نے کہا "کہ خون نہ بہایا جائے۔ شرط یہ ہو کہ وہ اسلحہ زرہ وغیرہ کے سوا اپنے اونٹوں پر جو مال و متاع لاد کر لے جا سکتے ہیں لے جائیں۔ چنانچہ رسُولِ خدا نے یہ بات منظور فرمالی۔ اور یہود کی حالت یہ تھی کہ مکان گرا کر دروازوں کی چوکھٹوں تک اونٹوں پر لاد لاد کر لے جا رہے تھے۔ اپنا تمام کا تمام سامان اپنے ساتھ کر لیا۔ اور بخیر و عافیت بال بچوں کے ساتھ نقل مکانی کے لئے تیار ہو گئے۔ حالانکہ وہ پہلے کسی قیمت پر تیار نہ تھے۔ یہ صرف اور صرف خدا تعالیٰ کا رعب تھا جو ان کے دلوں پر طاری ہوا۔ حالانکہ منافقوں کی شر انگیزی اور درپردہ امداد بہت کافی

[1] :- ابن ہشام صفحہ ۲۰۰ باب ۱۳۷ ؛ [2] :- قرآن مجید سورہ حشر ؛ [3] :- ابن ہشام صفحہ ۲۰۰ باب ۱۳۶ ؛

تھی۔ ابن اسحاق سے عبداللہ بن ابو بکرؓ نے بیان کیا کہ یہودیوں نے جب اپنا سارا مال و متاع لاد لیا تو ان کے ساتھ دفلیں اور مزامیر بھی تھے۔ ان کے غلام پیچھے پیچھے گاتے اور شور مچاتے جا رہے تھے۔ اور یہ دن جس دن کہ یہود جلا وطن ہوئے ۴ھ ہجری ماہ ربیع الاوّل تھا۔[1] غیر منقولہ جائیداد باغ اور سامانِ حرب مسلمانوں کے ہاتھ آئے جو رسُولِ خُدا نے مہاجرین میں تقسیم فرما دیئے۔ لیکن انصار میں یہ مال تقسیم نہیں کیا گیا تھا۔ البتہ سہلؓ بن حنیف ابو دجانہؓ سماک کے افلاس کو مدّنظر رکھتے ہُوئے انہیں عنایت کر دیا گیا تھا۔ یامین بن عمیرہ اور ابو سعد بن وہب نے اسلام قبول کر لیا۔ حضورؐ نے بنو نضیر کے متعلق یہ فیصلہ دیا کہ وہ شام کی طرف چلے جائیں۔ لیکن ان کے بعض سردار سلام بن ابو الحقیق اور حیی بن اخطب[2] اور کنانہ بن ربیع وغیرہ وغیرہ یہود کی بستی خیبر میں جا کر آباد ہو گئے۔ اور خیبر والوں نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی[3] اور نئے فتنے شروع کر دیئے۔

رسُولِ خُدا کو وہ منصوبہ جو پتھر پھینکنے کا بنو نضیر کے یہود نے بنایا تھا بہت گراں گزرتا تھا۔ آپؐ نے ایک دن یامین بن عمیرہ سے کہا تھا کہ "یامین تمہارے چچیرے بھائی عمرو بن حجاش نے مجھ سے کیسا سلوک کیا تھا۔ اور کتنا ارادہ تھا۔ (اگر خدا تعالیٰ کی مدد شاملِ حال نہ ہوتی تو بہت قبیح ارادہ تھا) وہ تمہیں معلوم ہے؟ رسُولِ خُدا کی اس بات پر یامین بن عمیرہ نے اجرت پر ایک آدمی کو تیار کر لیا کہ وہ عمرو بن حجاش کو قتل کر آئے۔ اس کی غیرت کا یہی تقاضا تھا۔ چنانچہ وہ اس آدمی کے ہاتھوں ہلاک ہُوا ؛

☆

[1] :- ایضاً ۱۹۹ باب ۲۶ [2] :- ابن ہشام صفحہ ۲ باب ۱۳۶ ، [3] :- بخاری حدیث بنی نضیر ؛

پہلا آسمانی نکاح

ام المومنین حضرت زینب رضؓ بنت جحش

۶۲۷ء بعمر ۳۷ سال ۸ ماہ شوال سنہ ۵ ہجری

فَلَمَّا قَضٰى زَيۡدٌ مِّنۡهَا وَطَرًا زَوَّجۡنٰكَهَا لِكَىۡ لَا يَكُوۡنَ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ حَرَجٌ فِىۡۤ اَزۡوَاجِ اَدۡعِيَآئِهِمۡ اِذَا قَضَوۡا مِنۡهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمۡرُ اللّٰهِ مَفۡعُوۡلًا ۝ (سورۃ احزاب ع ۵)

حقیقت میں اس نکاح کا سبب قرآنی وحی بنتی ہے جس سے رسولِ خدا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت زینب رضؓ بنت جحش رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے سورۂ احزاب میں فرمایا:۔ جب زیدؓ نے زینب رضؓ سے قطع تعلق کر لیا تو ہم نے زینب رضؓ کی شادی تیرے ساتھ کر دی۔ تاکہ مومنوں کے لئے اپنے مُنہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی کے ساتھ شادی کرنے میں کوئی روک نہ رہے۔ بعد اس کے کہ وہ مُنہ بولے بیٹے اپنی بیویوں سے قطع تعلق کر لیں۔ اور خدا تعالیٰ کا یہ حکم اس طرح ہی پورا ہونا تھا[1]۔ خدا تعالیٰ نے اپنے پیارے رسولؐ کو حضرت زینب رضؓ سے نکاح کرنے کا حکم دیکر اسوہ حسنہ کے اس پہلو کو اُجاگر کیا جس سے عرب کی ایک قدیم اور بُری رسم منسوخ ہو گئی عرب کی سرزمین میں یہ رسم راسخ تھی کہ کوئی بھی مطلقہ سے شادی نہیں کرتا تھا۔ اور خصوصاً

[1] سورہ احزاب ع ۵؛

مُنہ بولے بیٹے کی بیوی حرام خیال کی جاتی تھی۔ آپؐ نے اپنا ذاتی نمونہ پیش کر کے امّت کو بتا دیا کہ اگر مُنہ بولے بیٹے اپنی بیویوں سے قطع تعلق کریں تو ان سے شادی کرنے میں کوئی روک نہیں رہتی۔ پس اس شادی کی غرض دیگر مقاصد کے علاوہ عرب کی جاہلانہ رسم کو مٹانا بھی تھا۔

ہجرت کے پانچویں سال شعبان کے مہینے میں یہ شادی مبارک عمل میں آئی۔ حضرت زینب رضؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبد المطلب کی صاحبزادی تھیں طبیعت کے لحاظ سے بہت متقی اور پرہیزگار تھیں۔ حضرت عائشہ رضؓ کہا کرتی تھیں کہ مَیں نے زینب رضؓ سے نیک عورت نہیں دیکھی۔ وہ بہت متقی۔ بہت راست گو۔ بہت صلہ رحمی کرنے والی۔ بہت صدقہ و خیرات کرنے والی اور نیکی اور تقرب الٰہی کے اعمال میں نہایت سرگرم تھیں۔ بس اتنی بات تھی کہ ان کی طبیعت ذرا تیز تھی۔ مگر تیزی کے بعد وہ جلد ہی نادم ہو جایا کرتی تھیں[1]۔ صدقہ و خیرات میں تو ان کا مرتبہ یہ تھا کہ کوئی بیوی بھی مقابلہ نہیں کر سکی۔ اپنے جاہ و جلال اور خاندانی بلندی کی وجہ سے اپنے آپؐ کو بہت برتر خیال کرتی تھیں یعنی کسی قدر بڑائی کا احساس انہیں ضرور تھا۔ حضرت رسولؐ خدا نے ان کی شادی اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ بن حارث کے ساتھ کر دی تھی۔ گو وہ پہلے ناپسند کرتی تھیں۔ مگر بعد میں حضورؐ کی خواہش کو مدِنظر رکھتے ہوئے رضامند ہو گئیں[2]۔ لیکن شادی کے بعد بھی ان کی طبیعت میں سے احساس برتری ختم نہ ہوا۔ مگر وہ خاموش اپنے اس احساس کو دباتی رہیں۔ اور زیدؓ بن حارث ان کی اس مخفی خلش کو محسوس کرتے تھے۔ اور انہیں اپنی پوزیشن کا احساس شدت سے تھا۔ آخر ایک دفعہ انہوں نے رسولؐ کریم سے ان کی درشتیٔ مزاج کی شکایت کی اور طلاق دینے کا ارادہ ظاہر کیا[3]۔ آپؐ نے زیدؓ بن حارث کو طلاق دینے

[1] مسلم جلد ۲ فصل عائشہ رضؓ؛ [2] ابن سعد جلد ۸ حالاتِ زینب رضؓ؛

[3] فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۴۰۳؛

سے منع فرمایا۔ اور اپنی طرف سے سلجھاؤ کی ہر ممکن کوشش بھی کی۔ آپؐ نے فرمایا۔ "اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جس طرح بھی ہو سکے نبھاؤ کی کوشش کرو"۔ فرمایا:۔

اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ ۔

آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ "حلال چیزوں میں سے طلاق خدا تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے"۔ چونکہ حضرت زیدؓ اپنے آقا کی نصیحت پر جان و دل قربان کرنے کو تیار تھے۔ اس لئے اپنے تقویٰ کی بناء پر خاموش ہو گئے۔ لیکن اگر طبائع میں میلان نہ ہو تو مزاجیں کم و بیش ہی ملتی ہیں۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد حضرت زیدؓ نے طلاق دے دی۔ اس وقت حضرت زینبؓ کی عمر پینتیس سال تھی۔

آپؐ بہت حد تک غیر جانبدار اور غیر متعلق رہے۔ مگر آپؐ کو بذریعہ وحی اطلاع ہو چکی تھی۔ کہ آپؐ کے نکاح میں زینبؓ ضرور آئے گی۔ مبادا کمزور لوگوں کو اعتراض ہو کہ متبنیٰ کی مطلقہ سے شادی کر لی ہے۔ آپؐ خاموش رہے۔ لیکن آخر عدت کے ختم ہونے پر آپؐ نے انہیں زیدؓ کے ہاتھ ہی پیغام بھیجا تو ان کے بھائی احمدؓ بن جحش نے ان کی طرف سے ولی ہو کر چار سو درہم میں رسولؐ خدا کے ساتھ نکاح کر دیا۔[1]

چونکہ یہ شادی خدا تعالیٰ کے حکم سے ہوئی تھی۔ اس لئے حضرت زینبؓ اکثر فخر سے کہا کرتی تھیں۔ کہ ان کا نکاح آسمان پر خدا تعالیٰ کے خاص حکم سے ہوا تھا۔ مگر دوسری امہات المؤمنین کی شادیاں ظاہری رسوم کے مطابق ہوئی تھیں۔ یہ کسی حد تک ٹھیک ہے کہ یہ ایک ایسی شادی تھی جو ایک امتیازی رنگ رکھتی تھی یعنی اس میں منشاء الٰہی بھی شامل تھا۔ خدا تعالیٰ نے خود اپنے کلام میں اس شادی کا حکم دیا۔ اور فرمایا۔ تَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ[2]

یعنی اے نبیؐ تو لوگوں سے خائف ہوتا ہے حالانکہ صرف ہم ہی اس بات کے حقدار ہیں کہ ہم سے ڈرا جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولؐ خدا حضرت زینبؓ سے

[1] کتاب النکاح باب زوج زینب بنت جحش
[2] سورۃ احزاب

شادی کرنے سے خائف تھے۔ کہ منافقوں اور کمزور ایمان والوں کے مطاعن سے بچیں۔ اور حتی الوسع ٹالتے رہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے آپؐ کو اس طرف مائل کیا اور تاکید فرمائی کہ یہ شادی کرنے سے آپؐ اپنی امت کے لئے اسوۂ حسنہ بنیں گے تا آئندہ قیامت تک لوگ مطلقہ سے شادی کرنے سے گریزاں ہوں اور آپؐ کا یہ عمل بطور سنتِ رسول تا قیامت زندہ رہے۔ چنانچہ منافقوں نے بہت شور کیا۔ اور کمزور ایمان والے لوگوں نے جھوٹے بے بنیاد پراپیگنڈے کئے۔ مگر خدائی طاقت کے سامنے انسانی طاقت بے حقیقت چیز ہے۔ وکان امر اللہ مفعولاً۔ چونکہ اس نکاح سے عرب کی جاہلانہ رسم توڑنا مقصود تھی۔ اسلئے آپؐ نے بہت بڑے پیمانہ پر دعوتِ ولیمہ بھی کی۔

حضرت زینبؓ بہت مخیر عورت تھی۔ حضرت عائشہؓ ان کے ذاتی تقویٰ اور طہارت کی بہت مداح تھیں۔ یہ وہی خوش نصیب ام المؤمنین ہیں جن کے متعلق رسولِؐ خدا نے فرمایا تھا کہ "تم میں سے جو سب سے زیادہ لمبے ہاتھوں والی ہے وہ میری وفات کے بعد سب سے پہلے فوت ہو کر میرے پاس پہنچے گی"۔ اس پر سب بیویوں نے اپنے اپنے ہاتھ ناپنے شروع کر دیئے تھے۔ لیکن حضرت زینبؓ کی وفات پر یہ عقدہ کھلا کہ یہ ہاتھوں کے لمبا ہونے سے مراد صدقہ و خیرات کرنے والے ہاتھ ہیں ⁂

پہلی عورت کی خدائی بریّت

حضرت عائشہ صدیقہؓ

۶۲۶ء لبعمر ۱۷ سال شعبان ۵ ہجری

بنو مطلق کے محاذ پر جاتے وقت قرعہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے نام نکلا۔ حضور نبیٔ پاکؐ کی یہ عادت تھی کہ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو ازواج مطہرات کو ساتھ لے جانے کے لئے قرعہ ڈالتے۔ اس دفعہ قرعہ چونکہ حضرت عائشہؓ کے نام نکلا تھا اس لئے وہ جنگ بنو مطلق میں ساتھ تھیں۔ واپسی پر قافلہ جب مدینہ کے قریب پہنچا تو آپؐ نے منزل کی۔ اور رات کا کچھ حصہ اس منزل میں گزارا۔ بعد ازاں روانگی کا اعلان فرمایا اور لوگ روانہ ہو گئے۔ لیکن حضرت عائشہؓ رفع حاجت کے لئے نکلی ہوئی تھیں۔ واپسی پر ان کے گلے کا ہار جو کہ موتیوں کا تھا ٹوٹ گیا۔ وہ ہار کی تلاش میں واپس وہیں گئیں اور ہار مل گیا لیکن ہار پا کر جب واپس آئیں قافلہ جا چکا تھا۔ اور خادم نے یہ سوچ کر کہ آپؓ کجاوے کے اندر ہی ہودج میں تشریف فرما ہیں (کیونکہ آپؓ بہت ہلکی اور نازک تھیں) کجاوہ کسا اور اونٹ کا سر پکڑ کر کھڑا کر دیا اور چل پڑا۔ اس لئے ذرہ برابر شک نہ ہوا کہ اس میں کوئی نہیں ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:۔

"اب جو لشکر گاہ واپس آئی تو یہاں نہ کوئی بلانے والا تھا نہ جواب دینے والا۔ سب جا چکے تھے۔ میں اپنی چادر لپیٹ کر اسی جگہ لیٹ گئی۔ سوچا کہ جب میری تلاش ہو گی تو یہیں لوٹ کر آئیں گے۔ پھر خدا کی قسم میں

لیٹی ہوئی تھی کہ صفوان بن معطل سلمی کا میرے پاس سے گزر ہوا۔ وہ اپنے فرائض منصبی کی وجہ سے لشکر کے پیچھے رہتے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ یہاں کوئی چیز پڑی ہے۔ وہ آگے آئے اور میرے پاس آ کر رک گئے۔ پردہ عائد ہونے سے پیشتر انہوں نے مجھے دیکھا تھا۔ جب انہوں نے دیکھا تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھ کر کہا "اے یہ تو رسولؐ خدا کی خاتون ہیں۔ پھر میں اپنی ہی چادر میں لیٹی رہی۔ انہوں نے پوچھا "آپؓ کس وجہ سے پیچھے رہ گئیں خدا آپ پر رحم کرے"۔ مگر میں نے ان سے کوئی بات نہیں کی۔ پھر انہوں نے اپنا اونٹ مجھ سے قریب کر کے کہا: "اس پر بیٹھ جاؤ"۔ اور خود پیچھے ہٹ گئے۔ میں بیٹھ گئی انہوں نے اونٹ کا سر پکڑ کر کھڑا کیا اور جلد سے جلد چلے تاکہ لشکر کو پکڑ سکیں مگر خدا کی قسم ہم ان لوگوں کو نہ پکڑ سکے اور نہ ہی کسی نے مجھے تلاش کیا۔ اب صبح ہو گئی تھی۔ اور لوگ پہنچ کر ٹھہر چکے تھے۔ اس کے بعد صفوان مجھے لے کر پہنچے۔ پھر جو افک نے کیا وہ معلوم ہے لشکر میں کھلبلی مچ گئی۔ اور خدا کی قسم مجھے کچھ معلوم نہ تھا کہ کیا معاملہ ہے"۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ اس عرصہ میں بہت متفکر اور دلگیر رہیں۔ کیونکہ رسولِ خدا کی لطف و عنایت جو پہلے تھی اب اس حد تک نہ تھی۔ آپؐ کا رویہ کچھ بدلا ہوا پا کر حضرت عائشہؓ کا متفکر ہونا لازمی امر تھا۔ لیکن خدا کا محبوب رسولؐ خدا سے دعا گو بھی ضرور تھا۔ ان کی دعاؤں کا ماحصل یہی ہوتا کہ خدا تعالیٰ خود ہی اپنے فضل سے اصل حالات کو عیاں کر دے۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ بن طالب اور اسامہؓ بن زیدؓ کو مشورہ کے لئے بلایا۔ کیونکہ وحی کے نزول میں وقفہ پڑ گیا تھا۔ ہر دو نے یہی مشورہ دیا کہ عائشہؓ آپ کی بیوی ہیں یا رسول اللہ! یعنے جو خدا نے آپ کیلئے منتخب کی ہیں وہ یقیناً آپ کے اہل ہوں گی۔ اور ہم تو عائشہ

کے متعلق سوائے نیکی کے کچھ نہیں جانتے ۔ ملازموں نے بھی آپؐ کی بیوی حضرت
عائشہؓ کے حسن اخلاق کی تعریف کی اور کہیں بھی شک کی گنجائش ظاہر نہیں
کی ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریر فرمائی "مجھے میرے اہل کے بارے میں
بہت دکھ دیا گیا ہے ۔ کیا تم میں سے کوئی ہے جو اس کا سدباب کر سکے ۔ اور خدا
کی قسم مجھے تو اپنی بیوی کے متعلق سوائے خیر و نیکی کے کوئی اور علم نہیں ہے ۔ اور
جس شخص کے متعلق الزام لگاتے ہیں ۔ اس میں بھی میں نے خدا کی قسم ہمیشہ خیر ہی
دیکھی ہے ۔" صحابہ کرامؓ بھی اس فضول تراشی سے نالاں تھے ۔ افک کے ملزموں کی
گردنیں اڑانے پر آمادہ تھے ۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں خود اپنی نظر میں
میں سب سے زیادہ حقیر ہو گئی تھی ۔ اور اس لحاظ سے کہ میرے بارے میں کچھ
قرآن مجید میں اترے جو مسجدوں میں تلاوت کیا جائے ۔ بہت کم تر سمجھتی تھی ۔ البتہ
یہ امید ضرور تھی کہ رسول خدا کوئی چیز خواب میں ضرور دیکھیں گے جس سے اللہ تعالیٰ
میرے حق میں ان سب چیزوں کی تکذیب کر دے گا ۔"

بہت دنوں کے بعد ایک دن رسول کریمؐ ان کے پاس تشریف فرما تھے اور
ایک انصاری عورت بھی بیٹھی ہوئی بطور ہمدردی رو رہی تھی کہ حضورؐ نے کلمہ
تشہد پڑھا اور خدا کو یاد کیا ۔ پھر حضرت عائشہؓ سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے ۔
"عائشہؓ مجھے تمہارے متعلق اس قسم کی باتیں پہنچی ہیں ۔ اگر تم بے گناہ ہو تو مجھے
امید ہے کہ خدا تعالیٰ ضرور تمہاری بریت کرے گا ۔ اور اگر تم سے کوئی لغزش
ہو گئی ہے تو خدا تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو ۔ اور اس کی طرف جھکو ۔ کیونکہ جب
بندہ خدا کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہوا جھک جاتا ہے تو خدا تعالیٰ
اس کی توبہ قبول فرماتا ہے ۔ اور خدا تعالیٰ اس پر رحم کرتا ہے ۔ رسولؐ خدا کی
اس تقریر کے بعد حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "میرے آنسو بالکل خشک ہو گئے ۔"

چنانچہ خدا تعالیٰ نے آپؓ کو برأت کی بشارت عطاء فرمائی ۔ اور آپؐ پر وحی نازل
ہوئی اور باوجود سردی کے پسینہ کے قطرے آپؐ کے چہرہ پر اس طرح بہہ رہے
تھے جیسے چاندی کے ٹکڑے موتیوں کی شکل میں ہوتے ہیں ۔ آپؐ نے پیشانی
سے پسینہ صاف کیا اور فرمایا ۔ عائشہؓ ! خوشخبری سن لو خدا تعالیٰ نے تمہاری
بریت صاف ظاہر کر دی ہے ۔ حضرت عائشہؓ کی والدہ بے اختیار ہو کر بولیں ۔
عائشہؓ اٹھو ! اور رسولؐ خدا کا شکریہ ادا کرو ۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا "میں
کیوں آپ کا شکریہ ادا کروں میں تو صرف اپنے رب کی شکر گزار ہوں جس نے
میری بریت ظاہر فرمائی ہے ۔

حسانؓ بن ثابت بھی اس منافقین کے گروہ کے ایک فرد تھے اور ایسے
ہی عبد اللہ بن ابی سلول بھی شامل تھے ۔ یہ کس قدر خطرناک فتنہ تھا جو منافقین
کی طرف سے کھڑا کیا گیا ۔ اس میں صرف ایک پاکدامن اور نہایت درجہ متقی اور
پرہیزگار عورت کی عصمت پر ہی حملہ کرنا مقصود نہ تھا ۔ بلکہ زیادہ تر ان کی غرض یہی تھی کہ
بانی اسلام رسولؐ خدا کی عزت کو برباد کریں ۔ اور سوسائٹی میں ایک خطرناک ہلچل
پیدا کر دیں ۔ اور سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے پلید پراپیگنڈے سے الجھا کر ٹھوکر
کا موجب بنائیں ۔

ولیم میور دشمن اسلام بھی لکھتا ہے کہ :۔

" عائشہؓ کی قبل اور بعد کی زندگی بتاتی ہے کہ وہ اتہام سے
بری تھیں ۔"

پس خدا تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں ایک عظیم عورت کی بریت فرما کر
عورتوں کی عظمت قائم کی اور عورتوں کے مدارج بلند کر دیئے ۔ الحمد للہ
علی ذالک ۔

پہلا مُرتد

۶۲۶ئہ لعمر ۵۷ سال شعبان ۵ھ ہجری

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ
فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗٓ ۔

(سورۃ مائدہ آیت ۵۵)

تیرہ سال تک ظلم وستم کے جو پہاڑ مسلمانوں پر قریشِ مکہ نے توڑے تھے ۔ وہ چشمِ فلک نے کبھی کہیں نہیں دیکھے ہوں گے ۔ لیکن مسلمانوں کا ایمان اور عقیدہ اتنا پکا تھا کہ آروں کے نیچے بھی وہ ڈگمگائے نہیں بلکہ مصائب پر صبر او راستقامت کا وہ نمونہ دکھلاتے رہے کہ اُس کی نظیر ملنا مشکل ہے ۔ ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف جو کہ بہت ممتاز اور منفرد ہستی تھے نے رسُول پاکؐ سے عرض کیا ۔ یا رسُول اللہ جب ہم مشرک تھے تو ہم معزز تھے اور کوئی ہماری طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا ۔ لیکن اب ہم مسلمان ہیں تو کمزور وناتواں ہوگئے ہیں ۔ آپؐ ہمیں جنگ کی اجازت دیجئے ۔ لیکن آپؐ نے صبر و عفو کا حکم دیا ۔ پس خدا تعالیٰ نے آپؐ کو صحابہؓ بھی صابر و شاکر دیئے تھے ۔ کہ ان میں سے ہر ایک برچھی کے تلے بھی اَحَدٌ اَحَدٌ پکارتا تھا ۔ پس صحیح روایات سے ہمیں مصائب سے ڈر کر ارتداد کی راہ اختیار کرنے والی ایک مثال بھی نہیں ملتی ۔ ہاں البتہ چند بدنصیب شک و شبہات کا شکار ضرور ہوئے تھے اور وہ گنتی میں ایک یا دوؔ تھے ۔ پس یہ قلیل نفری بھی ڈر کر نہیں بلکہ شک کی زد میں آکر اسلام سے منحرف ہوئی ۔ اور مرتد ہو کر اپنا دین و دنیا کھو بیٹھی ۔

یوں تو ارتداد کا سلسلہ ہر نبی کے زمانہ میں واقع ہوتا ہی آیا ہے ۔ آپؐ کی مکّی زندگی میں کہیں بھی ایسی مثال نہیں ملتی کہ ارتداد نے شکل دکھائی ہو ۔ البتہ مدنی زندگی میں ایک دوؔ مسلمان اپنے قدموں پر لوٹ گئے تھے ۔ اور وہ بھی ڈر کر ہرگز نہیں ۔ کیونکہ ہر شخص اسلام میں داخل ہونے سے پہلے اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کا جو حشر ہوتا تھا ۔ وہ دیکھ کر ہمت کر کے آگے بڑھتا تھا ۔ وہ مصائب برداشت کرنے کے لئے تیار ہو کر داخلِ اسلام ہوتا تھا ۔ پس مصیبتیں کسی شخص کو اسلام سے پھیر نہ سکیں ہاں طبیعت کی کمزوری اور بعض اوقات کم ہمتی تھی جس سے ایمان کی چنگاری چمک چمک کر بجھ جاتی تھی ۔ اور بالآخر اندھیرے کو قبول کر لیتی تھی ۔ اور روشنی کی کرنوں سے دُور ہو جاتے تھے ۔ ایسا ہی ایک بدنصیب جو اسلام کے حلقہ میں شامل ہو کر بیزارِ دین ہو گیا تھا ۔ وہ تھا عبداللہ بن جحش[1]

وہ شخص شروع شروع میں بت پرستی سے بیزار تھا ۔ قریش کے ایک مخصوص دن میں اس نے بت پرستی سے تائب ہونے کا عہد بھی کیا تھا ۔ قریش ہر سال ایک ایسا دن منایا کرتے تھے جس دن وہ ایک بُت کے پاس جمع ہو کر اس کی عزت و تعظیم کیا کرتے تھے ۔ اس کے لئے قربانیاں کیا کرتے تھے ۔ یہ ان کی عید کا دن تھا ۔ ایسے ہی ایک عید کے دن پوجا پاٹ کی بجائے چار دوستوں نے خفیہ گفتگو کی تھی کہ

"آؤ ہم مل کر عہد کریں کہ ہم سچائی پر قائم رہیں گے اور علم حاصل کریں گے اور لوگوں کی بھلائی کے لئے قربانیاں دیں گے ۔"

یہ چاروں دوست زیدؓ بن عمرو ۔ ورقہؓ بن نوفل ۔ عبداللہؓ بن جحش اور عثمانؓ بن الحویرث تھے ۔ وہ اپنی اپنی جگہ علمائے دین تھے ۔

چاروں بت پرستی سے بیزار تھے ۔ اور قطعی محسوس کرتے تھے کہ ہماری قوم سچائی اور راستی پر نہیں ہے ۔ وہ جانتے تھے کہ یہ بُت بے جان لاشے دستِ انسانی کا شاہکار

[1] ابنِ ہشام حصہ اوّل باب ۳۷ صفحہ ۲۱۶

ہیں۔ نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچ گئے تھے کہ ہمیں دینِ ابراہیمی کی تلاش میں نکلنا چاہیئے۔ وہ حنفیہ طریق دین کے متلاشی تھے۔ عبداللہ بن جحش حضور نبئ پاکؐ کا پھوپھی زاد بھائی تھا۔ وہ سمیہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا تھا جو عالم دین بھی تھا۔ اس نے ساری عمر علماء سے علوم کتبہ حاصل کرنے میں صرف کر دی تھی۔ اور بہت کچھ حاصل بھی کر لیا تھا۔ لیکن شکوک کے میدان سے باہر نہ نکل سکا۔ شرح صدر اسے کہیں بھی حاصل نہ ہوا۔ حتیٰ کہ ایک ایسا وقت آگیا کہ اس کی متزلزل بصارت کو اسلام کے نور نے روشنی عطاء کی لیکن چونکہ طبیعت میں انقباض زیادہ تھا۔ وہ زیادہ دیر تک ان کرنوں سے منور نہ رہ سکا۔ بلکہ دوبارہ انہیں اندھیروں میں جا کودا جہاں سے وہ آیا تھا۔ عبداللہ بن جحش کی بیوی ام حبیبہؓ ابوسفیان کی بیٹی تھیں مسلمانوں کے ساتھ وہ ہجرت کر کے حبشہ گئے تھے۔ حبشہ جا کر عبداللہ بن جحش نے پھر نصرانیت اختیار کر لی۔ اور اسلام سے الگ ہو گیا اور یہ بدنصیب شخص اسی حالت میں مر گیا۔[۱]

وہ شخص جب کبھی رسول کریمؐ اور صحابہ کرام کے پاس سے گزرتا تو یہی کہتا ہوا گزرتا کہ ہم نے تو آنکھیں کھول دی ہیں اور تم ابھی چندھیائے ہوئے ہو۔ یعنے ہم نے تو بینائی حاصل کر لی ہے۔ اور تم ابھی ٹٹول رہے ہو۔[۲]

عبداللہ بن جحش کی وفات کے بعد رسول اکرمؐ نے اُمِ حبیبہؓ کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ اور خداتعالےٰ نے انہیں نوازتے ہوئے ام المؤمنین بنا دیا۔ رسولِ خداؐ نے اُمِ حبیبہؓ کے متعلق نجاشی والئ حبشہ کے پاس عمر بن اُمیہ ضمیری کو روانہ فرما کر پیغام روانہ کیا تھا۔ تو نجاشی نے یہ پیغام انہیں پہنچا دیا۔ جو انہوں نے قبول کر لیا۔ اور اس طرح آپؐ کا نکاح اُم حبیبہؓ کے ساتھ نجاشی نے چار سو درہم حق مہر پر پڑھایا اور خود اپنے پاس سے ادا کر دیئے۔ اُم حبیبہؓ کے وکیل خالد بن سعید تھے ؛

[۱] : - ابن ہشام ۲۲۶ [illegible]

پہلا منافق ـــــ عبداللہ بن ابی سلول

۶۲۶ء بعمر ۵۷ سال شعبان ۵ھ ہجری

عبداللہ بن ابی سلول منافقوں کا سرغنہ تھا اور ابن ہشامؒ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی سلول نہ صرف منافق تھا۔ بلکہ واقع افک کا بھی مجرم تھا۔ اور یہ الفاظ والذی تولّٰی کبیرہٗ اسی کے لئے ہیں[۱] جب رسولؐ خدا مدینہ تشریف لائے تو عبداللہ بن ابی سلول وہاں کے باشندوں کا سردار تھا۔ وہ قوم کا اعلیٰ ترین آدمی قرار دیا جاتا تھا۔ اس کی قوم کے دو آدمی بھی اس کی برتری کے متعلق اختلاف رائے رکھنے کے مجاز نہیں تھے۔ اگرچہ اوس و خزرج کے قبیلے ہمیشہ سے برسرپیکار رہے ہیں۔ لیکن صرف یہی ایک شخص تھا جو دونوں کو ہم آہنگ کر چکا تھا۔ انہیں دنوں میں خداتعالیٰ نے مدینہ میں اسلام کا ظہور کیا۔ جبکہ اس کی قوم نے ابی سلول کے لئے تاج تیار کر لیا تھا۔ تاکہ پہنا کر اسے حاکم بنائیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ کے پیغمبر حضرت رسولؐ خُدا کی آمد اور اسلام کے غلبے سے لوگوں کے دل لازماً ابی سلول سے پھر گئے تھے۔ جس کے نتیجہ میں اُس کے دل پر ایک کینہ کا جذبہ اجاگر ہونا ضروری تھا۔ وہ خیال کرنے پر مجبور ہو گیا کہ حکومت مجھ سے اسلام نے چھین لی ہے۔ لیکن جب دیکھا کہ اسلام کے سوا چارہ نہیں تو خود بھی وہ چاروناچار اسلام میں داخل ہو گیا[۲] لیکن نفاق و کینہ پر جما رہا۔ اور دل سے کافر ہی رہا۔ چند ایک منافقین جو مشہور تھے ان کا ہر میدان میں ساتھ دیتا رہا۔ اور اس طرح منافقین کی ایک مستقل جماعت قائم ہو گئی۔ مثلاً حاطب بن امیہ جس کا بیٹا

[۱] : - ابن ہشام ۲۲۶ باب ۱۳۷ ؛

[۲] : - شبلی حصہ دوئم ؛

یزید بن حاطب مسلمان ہؤا۔ مسجد ضرار کا بانی ابو حبیبہ بن الازعر۔ حتیل بن حارث اوس بن قیطی جس نے رسولِ خدا سے جنگِ خندق کے دن کہا تھا کہ ہمارے گھر (غیر محفوظ و عریاں ہیں ہمیں جنگ میں شریک نہ ہونے کی اجازت دیجئے کہ گھروں کو چلے جائیں۔ جنگِ احزاب میں اس کے متعلق قرآن میں اشارہ ہے) اِنَّ بیوتنا عورۃ۔ عبداللہ بن ابی سلول ہی وہ شخص ہے کہ جو بنی نضیر کو جھوٹے مشورے دیا کرتا تھا۔ بنو نضیر کے محاصرہ میں انہیں خفیہ خبریں دیتا۔ اور پھسلاتا کہ تم ڈٹے رہو) یہی وہ لوگ تھے جو انہیں کہتے تھے کہ اگر تم نکالے جاؤ گے تو ہم بھی تمہارے ساتھ مل کر نکل پڑیں گے۔ اگر کوئی تم سے جنگ کرے گا۔ تو ہم تمہاری ضرور مدد کریں گے۔ [1]

اُسامہؓ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسولِ خداؐ مجھے اپنے ساتھ لے کر سعدؓ بن عبادہ کی بیمار پرسی کے لئے گئے۔ راستے میں آپؐ کا گزر عبداللہ بن ابی سلول کے پاس سے ہوا۔ اس کی قوم کے کچھ لوگ اس کے پاس بیٹھے تھے۔ آپؐ نے مناسب خیال نہ فرمایا کہ یونہی بغیر ملے چلے جائیں۔ چنانچہ آپؐ اُترے اور سلام کیا۔ تھوڑی دیر بیٹھے اور قرآن مجید کی تلاوت فرمائی اللہ تعالیٰ کی جانب دعوت دی اور پرہیزگاری کی تلقین کی۔ ابی سلول چپ رہا اور کوئی بات نہ کی۔ رسولِ خداؐ نے جب تمام بات ختم کر لی تو بولا۔ جناب! آپ کی باتوں سے بہتر کوئی بات نہیں اگرچہ یہ قطعی سچی ہیں۔ لیکن اپنے گھر بیٹھئے جو شخص ان باتوں کو سننے کے لئے آئے اس سے بیان کیجئے۔ جو آپؐ کے پاس نہ آئے اسے ان باتوں سے تکلیف نہ دیجئے اور اس کی مجلس میں ایسی باتیں نہ کیجئے جسے وہ ناپسند کرتا ہو۔ رسول کریمؐ کھڑے ہو گئے اور سعد بن عبادہ کی طرف تشریف لے گئے۔ اس وقت آپؐ کے چہرہ مبارک پر پریشانی اور غم کے آثار تھے اور ان باتوں کی علامتیں موجود تھیں جو ابی سلول نے کہی تھیں۔ سعدؓ بن عبادہ نے

[1] :- ابنِ ہشام ص۳۲۵ باب ۸۰ ؂

عرض کیا یا رسولؐ اللہ! میں آپؐ کے چہرہ پر کچھ تغیر دیکھ رہا ہوں۔ گویا آپؐ نے ایسی باتیں سماعت فرمائی ہیں جو آپؐ کو ناپسند تھیں۔ آپؐ نے فرمایا! ہاں اور پھر وہ ساری باتیں سنائیں۔ اس نے کہا یا رسولؐ اللہ! عبداللہ بن ابی سلول سے نرمی فرمائیے۔ واللہ! اللہ تعالیٰ آپؐ کو ہمارے پاس اس وقت لایا جب ہم نے اس کے لئے تاج تیار کر لیا ہؤا تھا۔ اس لئے وہ سمجھتا ہے کہ اس کی حکومت آپؐ نے چھین لی ہے [1]

منافقت کی حد اس مقام تک بڑھ گئی کہ اس نے کھلم کھلا مخالفت شروع کر دی۔ لیکن ایسے موقعہ پر جہاں بھی اُس نے آنا مجروح ہوتے دیکھی وہ سامنے آ جاتا اور ایثار و قربانی کا مظاہرہ کرنے کی بجائے اکڑ جاتا۔ مثلاً جنگِ اُحد میں رسول خدا کو اُس نے مشورہ دیا کہ آپؐ مدینہ میں ہی ٹھہریں۔ یہی مناسب ہے باہر نکل کر حملہ نہ کیجئے۔ لیکن وہ مسلمان جو جنگِ بدر میں حصّہ نہ لے سکے تھے مُصر تھے کہ یا رسولؐ اللہ! باہر نکل کر ہمیں دشمنوں سے جنگ کرنے کا موقعہ عنایت فرمائیے۔ تاکہ وہ خیال نہ کریں کہ ہم میں کسی قسم کی بُزدلی یا کمزوری پیدا ہو گئی ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کا جوش دیکھ کر رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہزار لشکر کی معیت میں جمعہ کے روز نماز سے فارغ ہو کر غنیم پر حملہ آور ہونے کے لئے مدینہ سے نکل پڑے لیکن رئیس المنافقین جب مقام شوط پر پہنچا تو اڑ گیا کہ رسول خدا نے میری بات نہیں مانی اور ان کی مان کر دوسروں کو مجھ پر ترجیح دی ہے۔ لہٰذا ایک ثلث آدمیوں کو ساتھ لے کر یہ کہتے ہوئے کہ لوگو! میں نہیں سمجھ سکتا کہ اپنے آپ کو موت کا لقمہ کیوں بنایا جائے؟ واپس ہو گیا۔ عبداللہ بن ابی سلول کے لئے ذاتی اور قومی شرف حاصل ہونے کی بناء پر ایک جگہ مسجد میں مقرر تھی جہاں وہ بے روک ٹوک کھڑے ہو کر نماز جمعہ ادا کرتا تھا۔ جمعہ کے بعد جب رسولِ خدا منبر پر

[1] :- ابنِ ہشام باب ۹۰ ص ۶۳۵-۶۳۶ ؂

خطبہ کے لئے بیٹھتے تو بحیثیت ایک رئیس کے کھڑے ہو کر لوگوں سے مخاطب ہوتا۔ "اے لوگو! یہ اللہ کے رسُول تمہارے درمیان موجود ہیں۔ اللہ نے ان کی برکت سے تمہیں عزّت و حرمت دی ہے۔ تمہیں چاہیئے کہ آپؐ کی اعانت و نصرت کر کے تقویت پہنچاؤ۔ آپؐ کے احکام سنو اور فرمانبرداری پر کاربند رہو۔" لیکن جنگ اُحد کے بعد منافقت کر کے واپس آگیا۔ جب وہ کھڑا ہونے لگا تو مسلمانوں نے

اس کے کپڑے پکڑ لئے اور مزاحمت کی کہ دشمنِ خُدا بیٹھ جا۔ تُو اس قابل نہیں کہ کچھ کہے۔ جب باہر کودتا پھلانگتا جا رہا تھا تو ایک انصاری نے وجہ پوچھی جس کا اس نے جواب دیا۔ کہ مَیں ان کا معاملہ مضبوط کرنے کے لئے کھڑا ہؤا تھا۔ انصاری نے ڈانٹ کر کہا۔ تیرا بُرا ہو۔ واپس جا اور رسُولِ خُدا سے معافی مانگ۔ دعائے مغفرت کی درخواست کر۔ بدنصیب ابی سلول نے کہا "خدا کی قسم مجھے ضرورت نہیں کہ ان سے استغفار کی درخواست کروں۔"

ایک دفعہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بنو مطلق پر شعبان ۵ھ ہجری بابت دسمبر ۶۲۶ء میں لشکر کشی کی تو وہاں انصار و مہاجرین میں کنوئیں کے پانی پر کچھ جھگڑا اچل پڑا۔ یہانتک کہ تلواریں نکل آئیں۔ عبد اللہ نے موقعہ غنیمت جانا جھٹ کہا کہ اے انصار یہ تمہاری ہی غلطیوں کا نتیجہ ہے کہ آج تمہیں یہ دن دیکھنا پڑا۔ مَیں تمہیں پہلے ہی سمجھاتا تھا کہ تم ان مہاجرین کو اپنے سر نہ چڑھاؤ۔ خیر گھبراؤ نہیں۔ مجھے مدینہ پہنچ لینے دو پھر دیکھو گے کہ مدینہ کا سب سے معزز انسان یعنی وہ کمبخت خود مدینہ کے سب سے ذلیل انسان یعنی نعوذ باللہ محمد رسُولِ خدا کو وہاں سے نکال دے گا۔ اور یہ فتنہ کبھی سر نہ اُٹھائے گا۔ جب اس نے یہ الفاظ کہے تو انصار و مہاجرین اسکے رویہ سے سمجھ گئے کہ اس نے ان کے جوش سے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔ چنانچہ وہ سنبھلے اور تلواریں میانوں میں واپس

لے :۔ ابنِ ہشام صفحہ ۳۳۰ باب ۱۳۶

چلی گئیں۔ مگر زیدؓ بن ارقم نے مخبری کی اور جا کر صورتِ حال سے رسولِ خدا کو اطلاع دی کہ عبد اللہ نے اس طرح کہا ہے۔ رسُولِ خدا نے عبد اللہ بن ابی سلول اور اس کے دوستوں کو بلایا اور فرمایا کیا بات ہوئی۔ جس پر اس نے اصل واقعہ سے بالکل انکار کر دیا۔ یعنی خدا کی قسم زیدؓ نے جو بیان دیا ہے۔ وہ مَیں نے نہیں کہا اور نہ اس سلسلہ میں کوئی بات ہوئی ہے۔ لیکن بات سچی تھی پھیلنی شروع ہو گئی۔ حتّٰی کہ اس کے بیٹے کے پاس جا پہنچی۔ وہ ایک مخلص نوجوان تھا۔ یہ سنتے ہی بے تاب ہو گیا۔ اور رسُولِ خُدا کی خدمت میں اسی وقت حاضر ہؤا

اور کہنے لگا۔ یا رسُولؐ اللہ! آج میرے باپ نے یہ الفاظ کہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا میرے پاس بھی یہ رپورٹ پہنچی ہے۔ اس نے کہا یا رسُولؐ اللہ! اس جرم کی سزا سوائے قتل کے کیا ہو سکتی ہے؟ آپؐ میرے باپ کو قتل کرنے کا حکم دیں مگر مَیں یا رسُول اللہ! یہ درخواست کرنے کے لئے حاضر ہؤا ہُوں کہ اگر آپؐ میرے باپ کے قتل کا حکم نافذ فرمائیں تو کسی اور کو نہ دیں بلکہ مجھے حکم دیں۔ مَیں اپنے باپ کو قتل کر دوں۔ اور اس کا سر آپؐ کی خدمت میں پیش کروں۔ کیونکہ اگر کسی اور مسلمان کو آپؐ نے حکم فرمایا۔ تو ممکن ہے کہ شیطان مجھے ورغلائے کہ یہ میرے باپ کا قاتل ہے اور مَیں اپنے باپ کے قاتل کو لوگوں میں چلتا پھرتا دیکھوں اور جوش میں اس پر حملہ کر دوں۔ اس لئے کسی اور کو حکم دینے کی بجائے مجھے دیجئے کہ مَیں خود اپنے ہاتھ سے اپنے باپ کو قتل کر ڈالوں۔ رسولِ خدا نے فرمایا ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ ہم اسے کوئی سزا دینا نہیں چاہتے۔ ہم تمہارے باپ کے ساتھ نرمی و ملاطفت کا ہی سلوک کریں گے۔ عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی سلول وہاں سے اٹھا اور اس کا دل جل رہا تھا۔ اسے کسی پہلو قرار نہیں تھا۔ جب لشکر مدینہ کی طرف لوٹا تو پیشتر اس کے کہ عبد اللہ بن سلول مدینہ میں داخل ہو۔ اس کا بیٹا عبد اللہؓ بن عبد اللہ سواری پر سے اُترا اور باپ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور تلوار

میاں سے نکال لی۔ باپ سے کہا "تمہیں یاد ہے تم نے وہاں کیا الفاظ کہے تھے
کہ مدینہ کا معزز ترین انسان میں ہوں اور مدینہ کا ذلیل ترین انسان (نعوذ باللہ)
محمد رسولِ خدا ہیں۔ خدا کی قسم اس وقت تک تو مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتا
جب تک تو میرے سامنے اقرار نہ کرے کہ مدینہ کا ذلیل ترین انسان میں ہوں۔
اور محمد رسولِ خدا مدینہ کا معزز ترین انسان ہے۔ ورنہ اس تلوار سے تیرا
سر اُڑا دوں گا۔

عبداللہ نے جب یہ نظارہ دیکھا کہ اس کا اپنا ہی بیٹا اس کے سامنے تلوار
لے کر کھڑا ہے۔ اور وہ کہتا ہے کہ میں مدینہ کا ذلیل ترین انسان اور محمد رسولِ خدا
معزز ترین انسان ہیں تو اس کا دل لرز گیا۔ کہ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو میرا بیٹا میرا
خاتمہ کر دے گا۔" چنانچہ تمام دوستوں کے سامنے جن کے سامنے اپنی بڑائی کے
گیت گایا کرتا تھا۔ اقرار کیا کہ مدینہ کا ذلیل ترین انسان میں ہوں اور محمد رسول اللہ
مدینہ کے معزز ترین انسان ہیں۔ اور پھر عبداللہ بن عبداللہ بن ابی سلول نے
اپنے منافق باپ کو حدودِ مدینہ میں داخل ہونے دیا۔

خدا تعالیٰ کے پاک نبیؐ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت عمرؓ نے کہا
یا رسول اللہ! آپ اس کا جنازہ پڑھاتے ہیں۔ حالانکہ وہ ایسا تھا ویسا تھا۔
آپؐ نے فرمایا۔ اگر مجھے خدا تعالیٰ اختیار دیتا کہ ستر بار نماز جنازہ پڑھوں تو
اس کی بخشش ہو سکتی ہے۔ تو میں اس سے بھی زیادہ پڑھتا۔ آپ اس سے
ہمیشہ عفو و حلم سے ہی پیش آتے رہے۔ جب وہ مرا تو اس احسان کے
معاوضہ میں کہ اس نے حضرت عباسؓ کو اپنا کرتہ دیا تھا۔ مسلمانوں کی ناراضگی
کے باوجود آپؐ نے اپنا قمیص مبارک اُسے پہنا کر دفن کیا۔ کیونکہ آپؐ تو ابرِ
رحمت تھے جو دشت و چمن پر برابر و یکساں برستا ہے۔

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

پہلی عجمی تدبیر اور معجزات

خندق کا کھودنا

۶۲۷ء بعمر ۵۷ سال، ۷ ماہ ۸ ذیلقعد ۵ ہجری

اسلام دشمن قبائل ایک متحدہ تدبیر کے ماتحت اپنی تمام طاقتوں کو جمع کر کے
اسلام کی بیخ کنی کا مکمل ارادہ کر کے نکلے اور اسلام کو ملیا میٹ کرنے کی سر دھڑ
کی بازی لگانے والے پندرہ ہزار نفوس اپنے گھروں سے نکل چکے تھے۔
بعض مؤرخین نے ان سر پھروں کا اندازہ دس ہزار سے چوبیس ہزار بھی لگایا
ہے۔ یعنی مدینے جیسے معمولی قصبے کے خلاف سارا عرب چڑھائی کے لئے نکل
چکا تھا۔ اگرچہ بدر کی جنگ میں آئمۃ الکفر ہلاک ہو گئے تھے۔ اور جڑھیں کٹ گئی
تھیں اور انتقام کی آگ ان کے دلوں میں ایسی جلی ہوئی تھی کہ مسلمانوں کی اُحد
کی لڑائی میں ناکامی بھی بجھا نہ سکی۔ ان کے سردار خاک میں کیا ملے۔ کہ خاک
شعلے ہی اگلتی رہی۔ حتیٰ کہ حملوں کے سلسلے برابر چھ سال تک مستقل چلتے رہے۔
اب کے اخیر فروری مطابق شوال ۵ھ ہجری کو قریش اور غطفان قبائل بنو سلیم
اور بنو اسد اور یہود وغیرہ تمام اتحاد کی کڑی میں منسلک ہو کر ابو سفیان کی
سرکردگی میں مسلمانوں کی مٹھی بھر جمعیت کو منتشر کرنے کے لئے چڑھ آئے۔ اس
وقت مسلمانوں کے مرد جوان بوڑھے۔ بچے سب ملا کر تین ہزار سے زائد نہ تھے۔
جب خدا تعالیٰ کے رسولؐ کو علم ہو گیا کہ وہ ارادہ جنگ لے کر نکل رہے ہیں

تو آپؐ نے تمام صحابہ کرامؓ کو بلا کر مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیئے۔ تو حضرت سلمان فارسیؓ نے (جو فارسی عجمی طریقۂ جنگ سے واقف تھے) عرض کی کہ یا رسول اللہ! "جب شہر بے حفاظت ہو اور سپاہی تھوڑے سے ہوں۔ تو ایسے موقعہ پر ہمارے ملک میں خندق کھود دیتے ہیں۔ اور اس کے پیچھے بیٹھ کر مقابلہ کرتے ہیں۔ یعنی محصور ہو جاتے ہیں۔ آپؐ کو مختلف آراء کے مقابلہ میں حضرت سلمانؓ فارسی کی رائے وزنی اور نفع بخش معلوم ہوئی۔ چنانچہ آپؐ نے اس کو منظور کر لیا۔ اور حکم دیا کہ مدینہ میں خندق کھودنے کا انتظام کر لیا جائے۔ [لہ]

مدینے کے ایک طرف ٹیلے تھے۔ دوسری طرف ایسے محلے تھے جن کے مکان ایک دوسرے سے پیوست تھے اور تیسری طرف یہودی بنو قریظہ تھے یہ قبیلہ مسلمانوں سے اتحاد کر چکا تھا۔ سو وہ طرف اس طرح محفوظ تھی۔ اب باقی چوتھی طرف جو غیر محفوظ تھی وہ سرحد شمالی تھی۔ جہاں سے ہجوم کر کے دشمن مدینہ پر حملہ آور ہو سکتا تھا۔ آپؐ نے نشان دہی کی اور اپنی نگرانی میں تقسیم کار کے اصول کے مطابق دس دس ہاتھ یعنے پندرہ فٹ کے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ اور صحابہ کرامؓ کے سپرد کر دیا۔ کام زور شور سے جاری ہو گیا۔

رسولِ اکرم خیر البشر اس وقت کہاں تھے؟ آپؐ کھڑے کہیں حکم نہیں دے رہے تھے بلکہ صحابہ کرامؓ کے دوش بدوش مزدوروں کے ایک مزدور تھے۔ کارندوں کی شگفتگی طبع کی خاطر آپ مندرجہ ذیل اشعار بھی پڑھتے جاتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَۃ
فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرَۃ

یعنی۔ اے خدا! اصل زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے۔ پس تو اپنے فضل سے ایسے سامان کر کہ انصار و مہاجرین کو اُخروی زندگی میں بخشش اور عطاء نصیب ہو جائے۔

لہ :- ابن ہشام صـ ۲۲۳

نَحْنُ الَّذِیْ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا
عَلَی الْجِھَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

یعنی۔ ہم وہ ہیں کہ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر یہ عہد کیا ہے کہ ہم ہمیشہ جب تک کہ ہماری جان میں جان ہے خدا تعالیٰ کے راستے میں جہاد کریں گے۔

یہ صحابہ کرامؓ کا اپنے محبوب کے لئے جواب تھا۔ اور اس طرح یہ عجمی تدبیر سر انجام پاتی رہی۔ آقا و مولیٰ اپنے صحابہؓ کے ساتھ ساتھ مزدوری کرتے رہے۔ حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسولِ خداؐ کو اس حال میں دیکھا کہ آپؐ بھی جنگِ احزاب میں مٹی ڈھو رہے تھے۔ اور آپؐ کے گورے گورے پیٹ پر مٹی پڑی ہوئی تھی۔ اور آپؐ یہ فرماتے جا رہے تھے کہ "الٰہی اگر تیرا فضل نہ ہوتا تو ہمیں ہدایت نصیب نہ ہوتی اور نہ ہم صدقہ دیتے اور نہ ہم نمازیں پڑھتے۔ پس ہمیں اپنی جناب سے تسلی عطاء فرما۔ کہ اگر جنگ پیش آ جائے تو ہمارے پاؤں کو ثبات نصیب ہو۔ وہ دشمن کے مقابلہ پر بالکل نہ ڈگمگائیں۔ بھوک اور فاقہ کشی کا یہ عالم تھا کہ کئی کئی دن کا فاقہ آ جاتا۔ اور رسولِ خداؐ اپنے پیٹ پر پتھر باندھ کر پھرتے تھے۔ مسلمانوں کو اجر و ثواب کی ترغیب دینے کے لئے آپؐ بنفس نفیس ان کے ساتھ شامل ہوتے اور حد درجہ مشقت و مستقل مزاجی سے کام لیا۔ لیکن منافقین نے تساہل و تاخیر سے کام لیا۔ حضرت سلمانؓ فارسی سے روایت ہے کہ میں خندق کے گوشے میں کھدائی کر رہا تھا۔ کہ ایک پتھر ایسا آ گیا۔ جو کسی طرح بھی توڑنا ممکن نہ تھا۔ حضور نبی کریمؐ کو خبر دی گئی اور آپؐ نے کدال اپنے ہاتھ میں لے کر اس زور سے پتھر پر ماری کہ اس میں سے ایک روشنی نمودار ہوئی۔ آپؐ نے اللہ اکبر فرمایا۔ پھر دوبارہ آپؐ نے کدال ماری اور دوبارہ روشنی نمودار ہوئی۔ پھر فرمایا اللہ اکبر سہ بارہ بھی روشنی کے نمودار ہونے پر آپؐ نے فرمایا۔ اللہ اکبر۔ حضرت سلمان فارسیؓ

ے پوچھا۔ یا رسولِ خُدا یہ روشنی کیسی تھی؟۔ آپؐ نے فرمایا سلمان! تم نے اسے دیکھ لیا؟ مَیں نے کہا ہاں یا رسول اللہؐ۔ آپؐ نے فرمایا "میرے خدا نے مجھے ترقیات کا نقشہ دکھایا تھا۔ پہلی دفعہ مَیں نے مملکت یمن کے محلات دیکھے جن کی کنجیاں مجھے دی گئی تھیں۔ دوسری دفعہ مَیں نے مدائن کے سفید محلّات دیکھے ہیں۔ اور مملکتِ فارس کی چابیاں مجھے دی گئی ہیں۔ تیسری دفعہ کی روشنی سے خدا تعالیٰ نے مجھ پر صُنعا کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ پس تم خُدا کے وعدوں پر یقین رکھو۔ خدا تعالیٰ مددگار ہے۔ دشمن تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

حضور نبی کریمؐ کے یہ نظارے عالم کشف سے تعلق رکھتے تھے اور خدا تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو اس تنگی کے وقت میں آئندہ فتوحات اور فراخیوں کے مناظر دکھا کر صحابہ کرامؓ کے عزم و حوصلے بلند کئے اور اپنے وقت پر مسلمانوں کو موعودہ نعمتیں عطاء کر کے اُن کے ایمان کو تازہ کیا۔ چنانچہ تاریخ سے ثابت ہے کہ یہ پیشگوئیاں اور معجزات حرف بحرف پُورے ہوئے۔

آخر چھ دن کی طویل محنت سے یہ خندق پوری ہوگئی۔[1] ابھی یہ کام مکمل ہی ہؤا تھا۔ کہ دشمن مدینہ پر چڑھ آیا۔ لیکن جب آگے بڑھا تو خندق کو اپنے راستے میں پاکر بے حد پریشان ہؤا۔ وہ نئی تدبیر دیکھ کر گھبرا گئے اور بے ساختہ بولے: "یہ تو کوئی عجمی تدبیر ہے جو نہ پہلے کبھی دیکھی نہ سُنی تھی"۔

یہ خندق شیخین سے شروع ہو کر جبل سلع کے مغربی گوشے تک آئی اور غالبًا بعد میں اسے بڑھایا گیا۔ اس کی کل لمبائی ساڑھے تین میل اور چوڑائی گہرائی کا صحیح اندازہ نہیں ہے۔ بہرحال اتنی چوڑی اور گہری ضرور تھی کہ دشمن کے گھوڑے کود کر اندر نہیں آسکتے تھے۔ اور پیدل بھی اسے عبور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ خندق کی حفاظت کے لئے جابجا پہرہ کا خاص انتظام تھا۔ جب کفار کے چند سرکردہ

۱۔ ابنِ سعد۔

اشخاص گھوڑوں پر سوار ہو کر بڑھے تو خندق پر آکر رُک گئے۔ اور متعجب ہو کر کہنے لگے کہ خُدا کی قسم یہ تو وہ تدبیر و ترکیب ہے۔ جو عرب نہیں کر سکتے۔ یقینًا یہ ایک عجمی تدبیر ہے۔[2] سلمانؓ فارسی کی یہ عجمی تدبیر بیشک بہت کامیاب رہی۔ اہلِ علم کا بیان ہے کہ سلمانؓ فارسی کے لئے صحابہ کرامؓ یعنی مہاجرینؓ کہتے تھے سَلْمَانُ مِنَّا اور انصار کہتے تھے سَلْمَانُ مِنَّا۔ لیکن خُدا کا رسولؐ فرماتا تھا سَلْمَانُ مِنَّ اَھْلِ الْبَیْتِ۔ یعنی سلمان ہمارے اہل بیت اور ہمارے فرد ہیں۔

۲۔ ابنِ ہشام ص۲۴۳۔

یومِ خندق کا پہلا شہید

حضرت سعدؓ بن معاذؓ بن نعمان

بمطابق ۵ ہجری

حضرت سعدؓ بن معاذؓ قبیلۂ اوس کے سردار تھے۔ اور بہت بہادر اور تیز مزاج انسان تھے۔ جتنی پُرعزم و پُروثوق شخصیت تھی۔ اتنی ہی جسمانی ڈیل ڈول میں جسیم تھی۔ جب انہیں کعب کی عہد شکنی پر تفتیش کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ انہوں نے نہایت عمدگی سے تفتیش کے تمام مراحل طے کئے تھے۔ اور جب بھی جس موقعہ پر بھی انہیں کوئی ذمہ داری سونپی گئی تو انہوں نے احسن طور پر سرانجام دی۔ کعب بن اسد بنو قریظہ کی طرف عہد و پیمان کرنے کے لئے مختارِ کل تھا۔ اور وہ رسول پاکؐ سے اپنی قوم کے متعلق عہد و میثاق کر چکا تھا۔ لیکن جب حیّی بن اخطب نے اکسانے کی کوشش کی تو شروع میں تو کعب بن اسد ڈٹا رہا اور کہا کہ میں تو رسولِ خداؐ سے عہد کر چکا ہے۔ اور ان میں مَیں نے سوائے وفائے عہد اور صداقت کے کچھ نہیں پایا۔ لازم یہی ہے کہ مَیں اپنے معاہدہ کو پورا کر دوں۔ لیکن حیّی بن اخطب کے اکسانے پر اس نے عہد توڑ دیا تو رسولِ خداؐ نے سعد بن معاذؓ کو صورتحال کا جائزہ لینے کے لئے روانہ فرمایا اور ہدایت کر دی کہ اطلاع صحیح ہے تو اشارہ کنایہ سے کام لیا جائے۔ تاکہ باقی لوگوں میں ضعف و کمزوری پیدا نہ ہو چنانچہ معاذؓ کے سپوت سعدؓ نے نہایت ہوشیاری سے کام لیا۔ اور کعب کو شرارت

پر آمادہ پاکر دربارِ رسالت میں عرض کیا "عَضَلُ والقارہ"۔ رسُولِ خداؐ کی بصیرت نے بھانپ لیا۔ اور آپؐ نے فرمایا مسلمانوں کے گروہ تمہیں خوشخبری ہو کہ.....
اتنے میں سعدؓ بن معاذؓ نے رسولِ پاکؐ سے شرائط والا پرچہ لے کر مٹا دیا اور کہا۔ "ہم قوت آزمائی کریں گے۔ اور خدا کی قسم ہماری طرف سے انہیں تلواروں کے سوا کوئی عطیہ نہیں ملے گا۔ یہانتک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے"۔
پس سعدؓ بن معاذؓ بلا کے دلیر و جرّی تھے۔ معاملہ فہم تھے اور فیصلہ کن طبیعت کے مالک تھے۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں۔

بنو قریظہ کے محاصرہ میں سعدؓ بن معاذؓ نے کتنا بہادرانہ فیصلہ دیا کہ حضور سرورِ کائناتؐ نے فرمایا۔ "لقد حکمت بحکم اللہ"۔ ہوا اس طرح کہ بنو قریظہ کا محاصرہ کئے ہوئے جب رسُولِ پاکؐ کو پچیس ۲۵ دن تقریباً ہو گئے۔ تو ابو لبابہ کے مشورہ پر لوگ نیچے اتر آئے جس پر وہ لوگ بہت خوش بھی تھے۔ رسُولِ خداؐ نے انہی میں سے ایک بزرگ قابلِ تعظیم کو حَکَم بنا دیا۔ اور وہ تھے حضرت سعدؓ بن معاذؓ بنو قریظہ کو ان کے حکم بننے پر بہت اونچی امیدیں تھیں۔ اور جب وہ حضرت رسولِ خداؐ کے پاس سواری پر سوار تشریف لا رہے تھے۔ تو راستہ میں اپنے حلیفوں کے معاملہ میں اچھا فیصلہ کرنے پر اکسانا شروع کر دیا۔ لیکن حضرت سعدؓ نے خدا تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ خدا تعالیٰ انہیں اس وقت تک زندہ رکھے کہ بنو قریظہ کے انتقام کی آگ ٹھنڈی ہو جائے۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ کے معاملہ میں لومۃ لائم کی پرواہ نہیں کریں گے۔ اور وہ فیصلہ دیا کہ خُدا کے فرستادہ نے فرمایا۔ کہ سعدؓ نے جو فیصلہ دیا ہے۔ آسمانوں سے آیا ہوا ہے۔ پس سعدؓ حق و انصاف کے رستے میں اسقدر پختہ تھے کہ جمعیت اور جتھہ داری کا احساس تک ان کے دل سے محو ہو جاتا تھا۔

آپؓ خندق کی لڑائی کے پہلے شہید تھے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ بنو حارثہ کے قلعے میں سعدؓ بن معاذؓ کی والدہ بھی ہمارے ساتھ تھیں۔ مَیں نے ان

سے کہا! سعدؓ کی ماں! میرا دل چاہتا ہے کہ کاش سعدؓ کی زِرہ پوری پوری ہوتی۔ کیونکہ سعدؓ بن معاذؓ نے یومِ خندق میں ایسی زرہ پہنی ہوئی تھی۔ جو چھوٹی تھی اور کہنی تک ان کا ہاتھ زرہ سے باہر تھا۔ سعدؓ بن معاذؓ کی والدہ بولیں "کیا آپؐ کو اندیشہ ہے کہ تیر اسی خالی جگہ پر لگ سکتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کلائی میں زخم آیا اور ایک تیر ابو اسامہ جثیمی کا زِرہ سے خالی والے حصّے پر لگا۔ ان کی رگِ اکحل کٹ گئی۔ تیر مارنے والے نے کہا "یہ لو تیر میں ابن القرحہ ہوں" حضرت سعدؓ نے کہا خدا تیرا چہرہ جہنم میں عرق آلود کرے اور ساتھ ہی یہ دُعا کی کہ اللہ تعالیٰ اگر قریش سے مزید جنگ ہونے والی ہے تو مجھے اس کے لئے زندہ رکھ۔ کیونکہ مجھے یہی پسند ہے کہ ان سے جہاد کروں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے تیرے رسُول کو اذیّت دی۔ انہیں جھٹلایا اور وطن سے نکال دیا اور اگر جنگ کا خاتمہ ہو چکا ہے تو مجھے شہادت عطاء کر دگرنہ اس وقت تک موت نہ دے جب تک بنو قریظہ سے انتقام سے خود کو ٹھنڈا نہ کر لوں۔ چنانچہ بہت علاج معالجہ کیا۔ لیکن زخم مندمل ہو ہو کر پھر کھُل جاتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تیمارداری خود فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ کی ہدایت کے مطابق مسجد کے صحن میں انہیں ایک خیمہ میں رکھا گیا۔ یہ خیمہ ایک مسلمان رفیدہؓ نامی کا تھا۔ جو نرسنگ اور تیمارداری میں مہارت رکھتی تھی۔ اور مسجد کے صحن میں عموماً بیماروں کا علاج کرتی تھی[1]

معاذؓ بن رفاعہ سے روایت ہے کہ جب رات کے وسط میں حضرت سعدؓ بن معاذؓ کی روح پرواز کر گئی تو عین اس وقت جبرائیل علیہ السلام استبراق کا عمامہ پہنے حضور نبئ کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ سے پوچھنے لگے "محمدؐ! یہ کس کی میّت ہے جس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور عرش ہل گیا ہے" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کپڑے سنبھالتے ہوئے تیزی سے سعدؓ کی طرف

[1] - طبری و ابنِ سعد

دوڑے۔ وہاں دیکھا کہ وہ جاں بحق ہو چکے ہیں۔ باوجود اس کے کہ وہ لحیم و شحیم تھے۔ لیکن ان کا جنازہ اتنا ہلکا تھا۔ کہ منافقین کو بھی اقرار کرنا پڑا کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ ان کو اٹھانے والے تمہارے علاوہ اور ہستیاں بھی تھیں۔ اس ذاتِ پاک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ سعدؓ کی رُوح سے ملائکہ نے بشارت حاصل کی اور عرش محظوظ ہوُا۔

"اھتز عرش الرّحمٰن علیٰ فوت سعد"

حضورؐ پُرنور نے فرمایا۔ قبر بھینچتی ہے۔ اگر اس سے کوئی نجات پا سکتا تو سعدؓ ہوتے۔

حضرت سعدؓ کی وفات پر اُن کی ماں رو رہی تھی اور کہہ رہی تھیں کہ۔ وہ ایک قوت نافذہ اور تلوار کی دھار تھا۔ وہ مجسم سیادت و قیادت اور مجد و شرف جو ہر وقت تیار سوار تھا۔ اس کے ذریعہ دشمنوں کا رستہ بند تھا۔ وہ دشمنوں کے سر کاٹ کر رکھ دیتا تھا۔ رسُولِ خُدا نے فرمایا۔ "ہر نوحہ کرنے والی عورت جھوٹ بولتی ہے۔ ہاں! سعدؓ کی ماں نوحہ کرنے والیوں سے مستثنیٰ ہے۔"

پہلا دشمنِ خدا شاعر
کعب بن اشرف کا قتل

بمطابق ۵ھ ہجری

کعب بن اشرف وہ بدنصیب شاعر تھا۔ جو خدا اور اس کے محبوب رسول کا بدترین دشمن تھا۔ وہ چلتا پُرزہ اور ہوشیار آدمی بنوطے کی شاخ بنی نبہان سے تھا۔ اور اس کی ماں بنی نضیر میں سے تھی۔ وہ گو مذہباً یہودی تھا لیکن یہودی النسل نہیں تھا۔ بلکہ عرب تھا۔ اور عرب کے یہودی اس کو اپنا سردار خیال کرتے تھے۔

جب اس نے بدر کی فتح و کامرانی کی خبر زیدؓ بن حارث اور عبداللہؓ بن رواحہ سے سُنی تو بے تاب ہوگیا۔ اور چیخ کر کہنے لگا۔ کیا یہ صحیح ہے کہ تم لوگ سچ کہتے ہو۔ کہ محمد (صلعم) نے ان مکہ کے ستونوں کو قتل کر دیا۔ مکہ کی اتنی نامور ہستیاں خاک میں مل جائیں وہ جرّی تھیں۔ وہ مرتبے والے اور لوگوں کے بادشاہ تھے۔ بخدا اگر حقیقت میں محمد (صلعم) نے ان لوگوں کو قتل کر دیا ہے تو "رُوئے زمین کی نسبت شکم زمین بہتر ہے"۔ جب اس دشمن خدا شاعر کو یقین ہو گیا کہ یہ خبر جو اس کے کانوں نے سُنی ہے قطعی سچی اور حقیقت پر مبنی ہے۔ تو اس کے پاس کوئی چارہ نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ یقین کر کے کوئی بدترین اسکیم سوچتا۔ وہ وجیہہ اور شکیل ہونے کے علاوہ ایک قادر الکلام شاعر بھی تھا۔ اور ایک نہایت دولتمند عالم تھا چنانچہ

۱؎ :- ابن ہشام باب ۱۰۹ صفحہ ۹

وہ مکہ کی طرف بھاگا۔ اور عبدالمطلب بن ابی دواعہ کے گھر اترا۔ اور رسولِ خداؐ کے خلاف اشعار سُنا سُنا کر لوگوں کو ابھارنے لگا۔ اس نے خفیہ چالوں اور مخفی ساز باز سے اسلام اور بانیٔ اسلام کی مخالفت تیز کر دی۔ مرثیہ خوانی میں اندھا ہو گیا۔ اور مقتولین قریش پر بے تحاشہ مرثیے کہے۔ اپنی چرب زبانی اور سؤ گوئی سے مکہ کو شعلہ بار کر دیا۔ حضرت حسان بن ثابت نے جواباً کچھ اشعار کہے۔ حضرت میمونہؓ بنت عبداللہ نے بھی کعب کے جواب میں بہت اشعار کہے۔ لیکن وہ حد سے بڑھ گیا۔ یہانتک کہ مسلمانوں کی بہو بیٹیوں کے متعلق عاشقانہ اشعار کہنے شروع کر دیئے۔ اور ان کی دلآزاری کی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قلبی کوفت ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا مَنْ لِی بِابْنِ الْاَشْرَفِ؟ یعنے (کعب بن اشرف کی خبر لینے کی کون حامی بھرتا ہے) بنی عبدالاشہل والے محمدؓ بن سلمہ نے عرض کی یا رسول اللہ میں آپ کی خاطر تیار ہوں۔ میں اُسے قتل کر ڈالتا ہوں۔ رسول پاکؐ نے فرمایا۔ اگر تمہیں اس پر قدرت حاصل ہو جائے تو ایسا ہی کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے۔ اَلْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ۔ یعنے فتنہ پھیلانا قتل سے بڑا گناہ ہے۔ محمدؓ بن سلمہ نے ایک حد تک اپنی کوششیں شروع کر دیں۔ پہلے تو اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔

رسولِ خدا نے وجہ تسمیہ دریافت فرمائی۔ تو محمدؓ بن سلمہ نے جواباً عرض کی۔ یا رسول اللہ میں نے ایک بات تو آپؐ سے عرض کر دی لیکن مجھے خبر نہ تھی کہ میں اپنا وعدہ پُورا کر سکوں گا یا نہیں۔ فرمایا تیرے ذمہ تو صرف کوشش ہے۔ اس نے اجازت چاہی کہ اپنی منصوبہ بندی میں خلاف حقیقت باتیں کہہ لوں۔ آپؐ نے اجازت مرحمت فرمائی۔ کیونکہ اَلْحَرْبُ خُدْعَۃٌ کے مطابق کچھ خلاف حقیقت باتیں فتنے کو مٹانے کے لئے جائز ہیں۔ چنانچہ محمدؓ بن سلمہ نے ایک منصوبہ انصار کے ساتھ مشترکہ تیار کیا۔ جس میں سلکان بن سلام، عباد بن بشیر بن وقش، الحارث بن اوس اور ابوعبس بن جبر پانچوں متفق الرائے شامل ہو گئے۔ سلکان بن سلامہ جن کی

کنیت ابونائلہ بھی تھی وہ کعب بن اشرف کے رضائی بھائی بھی تھے [1] سلکان وہاں گئے اور تقریباً گھنٹہ دو گھنٹے وہاں کعب کے ساتھ محو گفتگو رہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو اشعار سناتے رہے۔ پھر آنے کی وجہ بیان کی کہ اے ابن اشرف! یہ شخص محمد (صلعم) ہم پر مصیبت بن کر چھا گیا ہے۔ عرب ہمارے دشمن ہو گئے ہیں۔ ایک ہی کمان سے تیر چل رہے ہیں۔ ہماری راہیں منقطع ہو گئی ہیں۔ یہانتک کہ ہمارے بال بچے برباد ہو گئے ہیں۔ اور جانوروں پر آبنی ہے۔ غرض ہم خود اور ہمارے بال بچے آفت میں مبتلا ہیں [2] کیونکہ غلّہ کی سخت قلّت ہو گئی ہے۔ کعب بن اشرف بے حد خوش ہوا۔ اور اپنی بدفطرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔ ہوئی نہ وہی بات جو مَیں تمہیں پہلے کہتا تھا۔ اور اس کا یہی نتیجہ ہونے والا تھا۔ کچھ غلّہ وغیرہ خریدنا چاہتے ہو تو کیا تم اپنے بچے ہمارے پاس رہن رکھو گے؟ ابونائلہ نے کہا۔ میرے دوست تیرے ہاتھ ہم اپنے ہتھیار رہن رکھیں گے۔ جن سے غلہ کی قیمت پوری ہو سکے گی۔ چنانچہ جب فیصلہ مکمل ہو گیا تو ابونائلہ اپنے ساتھیوں کو لے کر تمام ہتھیار سمیت رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ضروری ہدایات اور دعائیں لیکر روانہ ہوئے۔ حضورؐ ان کے ساتھ بقیع الغرقد تک تشریف کے لئے اور بیتِ اشرف تک تشریف لائے۔ چاندنی رات تھی۔ حضورؐ تو واپس لوٹ گئے۔ لیکن وہ لوگ کعب کی گڑھی تک جا پہنچے۔ ابونائلہ کی آواز پر لحاف میں سے نکل کر وہ بھاگا۔ اگرچہ اسکی نئی نویلی دلہن اُسے روکتی رہی۔ کہ تمہارا اسے ابن اشرف باہر نکلنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ کیونکہ جنگی آدمی ایسے وقت نیچے نہیں اترا کرتے اور مجھے ان کی آواز میں شرارت معلوم ہوتی ہے۔ کعب اپنی جوانمردی پر اتراتا تھا۔ باہر آگیا اور باتیں کرتے کرتے شعب العجوز تک پہنچ گئے۔ وہ ہتھیاروں سے بھی مطمئن تھا۔ کیونکہ اسے خیال تھا کہ غلّے کے عوض میں ہتھیار رکھنے کے لئے لایا ہوگا۔ کچھ دُور چلنے کے بعد ابونائلہ نے اس کے بال پکڑ لئے اور کہا دشمن خدا کو مارو۔ ان سب نے

[1] ۔ ابن ہشام باب ۱۰۹ صفحہ ۱۴۳ ۔

[2] ۔ بخاری باب قتل ابن اشرف ۔

اس پر ضربیں لگائیں۔ مگر اندھیرے کی وجہ سے تلواریں ایک دوسرے پر پڑنے لگیں۔ اور کارگر نہ ہوئیں۔ ابونائلہؓ نے اپنی چھُری نکالی اور پوری قوت استعمال کرتے ہوئے پیٹ میں گھونپ دی۔ دشمن خُدا نے ایسی چیخ ماری کہ اطراف کی گڑھیوں میں سے کوئی گڑھی ایسی نہ رہی جس پر آگ روشن نہ ہو گئی ہو اس کشمکش میں الحارثؓ بن اوس، بن معاضؓ بھی زخمی ہو گئے۔ اور خون بہنے سے کمزور ہو گئے۔ تمام ساتھی انہیں اٹھا کر رات کے آخری حصّہ میں رسولِؐ پاک کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپؐ نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے تھے۔ تمام نے سلام عرض کیا تو آپؐ باہر تشریف لائے۔ دشمن خُدا شاعر کی موت کی خبر آپؐ کو سنائی۔ آپؐ نے الحارثؓ بن اوس کے زخموں پر لعاب دہن لگا دیا۔ صبح جب ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہود کعب بن اشرف کی موت کی وجہ سے بہت خوفزدہ تھے۔ حسان بن ثابت نے کہا:۔

"اے ابن اشرف! تُو نے جس سے مقابلہ کیا۔ اس جماعت کی جزاء خدا تعالیٰ ہی کے ہاتھ ہے...... اور تلواروں نے تمہیں موت کا پیالہ پلا دیا ہے۔ کعب بن مالک نے کہا۔ جو تلواریں نیام سے باہر نکالی ہوئی تھیں وہ ہماری ہتھیلیوں پر آئیں پھر ہاتھوں کے سہارے کعب پر چڑھ گئیں۔ اور اس کا خاتمہ کر گئیں"

یہودیوں نے بعد میں مانا کہ کعب بن اشرف مستحق سزا تھا ۔

پہلی اسیر زوجہ مطہرہ

حضرت جویریہ رضؓ بنت حارث

۶۲۸ء مطابق ۶ ہجری

اسیر رئیس زادی جویریہ پہلی خاتون ہیں جنہیں جنگ کے نتیجہ میں اسیری نصیب ہوئی۔ لیکن خدا تعالیٰ نے امہات المومنین کی صف میں مقام عطا فرمایا۔ آپ رسولؐ خدا کے حرم میں داخل ہو کر آزاد و عظیم مقام کی وارث بن گئیں۔

عورتیں جو جنگ میں قید ہو کر آتی تھیں۔ اس کے لئے بھی اسلام نے ایک مکمل با اخلاق ضابطہ ہمیں دیا ہے۔ وہ عورتیں جو بطور قیدی کے مسلمانوں کے قبضہ میں آجاتی ہیں۔ جن کے مرد انہیں فدیہ دے کر جلد چھڑانے کے لئے نہ پہنچ جائیں۔ یا جو قید کے بعد مکاتبت کے طریق پر آزاد کئے جانے کا مطالبہ نہ کریں مسلمان مردوں کا رشتہ نکاح ان سے قائم ہو سکتا ہے۔ عام حالات میں بھی اسلام نے تعدد ازدواج کی استثنائی اجازت دے کر مردوں، عورتوں دونوں کے اخلاق کی حفاظت کی ہے۔ اور جنگ کے نتیجہ میں جنگی قیدیوں سے نکاح کی اجازت دے کر انسانیت پر عظیم احسان کیا ہے۔ کیونکہ اس طرح افراد اور سوسائٹی میں اخلاقی برائی پیدا نہیں ہوتی۔

سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ عورتوں کو جنگ میں پکڑا ہی کیوں جاتا ہے؟ کہ مسلمانوں کو استثنائی اجازت دینی پڑے۔ تو واضح رہے کہ پہلے زمانہ میں عورتیں

بکثرت جنگ میں شامل ہوتی تھیں۔ بعض اوقات عملی حصہ بھی لیا کرتی تھیں۔ سپاہیوں کو جوش دلاتیں۔ اور مرہم پٹی کرنا اور تیر چلانے کا کام تو جنگِ احد سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ اس لئے جنگجو عورت کو میدانِ جنگ میں قید کرنا ہی لازم ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ہر جنگ میں رسولؐ اللہ کے وقت میں کفّار کی عورتیں قید ہو کر آتی تھیں۔ اور صحابہ کرامؓ کی سپردگی میں دے دی جاتی تھیں اور وہ اسلام کے حکم کی رعائت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بشرطیکہ ان کے لواحقین فدیہ لے کر چھڑانے کے لئے نہ آئیں۔

اسی طرح قبیلہ بنو مطلق میں ان کے سردار کی بیٹی برّہ بھی قید ہو کر آئیں۔ جو پہلے ہی بیوہ تھیں۔ ان کے شوہر منافع بن صفوان غزوہ مریسیع میں مارے گئے تھے۔ جب مالِ غنیمت تقسیم ہوا تو برّہ ایک صحابی انصاری جو کہ ثابت بن قیس کہلاتے تھے ان کی سپردگی میں دے دی گئیں۔ چونکہ لونڈی اور غلام کچھ رقم دیکر آزاد ہو سکتے تھے۔ اور اس طریقہ کو فقہاء کی اصطلاح میں کتابت کہتے ہیں۔ اس اصول کے مطابق برّہ مکاتبہ بن گئیں۔ لیکن ان کو شرط کے مطابق نو۹ اوقیہ سونا ادا کرنا تھا۔ اور یہ رقم ان کی استطاعت سے باہر تھی۔ اس لئے برّہ فیصلے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تاکہ آپؐ سے کتابت کے سلسلہ میں کچھ مدد حاصل کرے۔ برّہ رسولِ پاکؐ کے پاس حاضر ہوئی اور عرض کیا۔ یا رسولِ خداؐ! میں حارث بن ضرار کی بیٹی ہوں۔ جو اپنی قوم کا سردار ہے۔ جو مصیبت مجھ پر پڑی ہے آپؐ سے مخفی نہیں۔ میں ثابت بن قیس کے حصے میں پڑی ہوں۔ میں نے انہیں مکاتیب پر راضی کر لیا ہے۔ اب آپؐ کے پاس حاضر ہوئی ہوں کہ مدد حاصل کروں۔ آپؐ نے فرمایا تمہارے ساتھ بہتر سلوک کیا جاوے تو پسند کرو گی۔ جویریہؓ نے پوچھا کہ کیا؟ آپؐ نے فرمایا کہ میں تمہاری طرف سے کتابت ادا کر دوں اور تم سے رشتۂ ازدواج قائم کر لوں؟ جویریہؓ نے جواب دیا۔ جی ہاں یا رسول اللہ میں قطعی راضی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ میں نے کر لیا۔[۱]

---

[۱] ۔ ابنِ ہشام باب ۱۳۶ ص ۳۳۵ ؎

حضرت جویریہؓ کی شادی کے متعلق ایک یہ بھی روایت ہے کہ اُن کے والد حارث اپنی صاحبزادی کو چھڑانے کے لئے خود حضورؐ کے دربار میں حاضر ہوئے تھے تو آپؐ کی فیضِ صحبت کی برکت سے مسلمان ہو گئے اور پھر اپنی طرف سے پیغام ملنے پر انہوں نے خود اپنی مرضی و رضاء سے اپنی بیٹی کی شادی آپؐ سے کر دی تھی۔ اور ایک یہ بھی روایت ہے کہ حارث ابن ابی ضرار نے خود نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی تھی کہ یا رسولِ خدا! مَیں قوم کا سردار ہُوں۔ میری صاحبزادی اس طرح قید میں نہیں رکھی جا سکتی۔ آپؐ نے فرمایا جویریہؓ سے پوچھا جائے۔ اگر وہ آزاد ہو کر واپس جانا چاہتی ہے تو ہم اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اگر ہمارے پاس رہنا چاہتی ہے تو ہمارے پاس ٹھہرے۔ حضرت جویریہؓ سے پوچھا گیا۔ تو اس نے مسلمان ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنا پسند کیا جس پر آپؐ نے آزاد فرما کر ان کے ساتھ شادی فرمائی[1]۔

حضرت جویریہؓ کا پہلا نام برّہ تھا۔ آپؐ نے بدل کر جویریہؓ رکھ دیا۔ بدلنے میں حکمت یہ تھی کہ چونکہ برّہ کے معنے نیکی کے ہیں۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ پسند نہیں فرماتے تھے کہ کبھی برّہ گھر پر نہ ہو تو یہ کہا جائے کہ برّہ گھر پر نہیں ہے یعنی نیکی اور برکت گھر سے چلی گئی ہے۔ گو کہ برّہ کے جانے سے نیکی کا جانا لفظی معنوں میں مُراد ہے۔ لیکن اس سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نیکی و تقویٰ کے لفظوں سے بھی پیار تھا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت جویریہؓ اپنی قوم کے لئے بہت بابرکت ثابت ہوئیں۔ اس رشتہ کو استوار کرنے کا یہ نتیجہ ہُوا کہ بنو مطلق کے لوگ بہت جلد اسلام کی تعلیم سے متأثر ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہو گئے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ خبر تمام لوگوں میں پھیل گئی کہ

[1] - اصابہ جلد ۱۰ حالات جویریہؓ

رسولِ کریمؐ نے جویریہؓ بنت حارث کو اپنے رشتۂ زوجیت میں منسلک کر لیا ہے لوگوں نے کہا یہ تو رسولِ خُداؐ کے رشتہ دار ہیں۔ پھر جو کسی کو ملا بطور تحفہ پیش کر دیا گیا۔ ان کے اسیرانِ جنگ کو آزاد کر دیا گیا۔ کیونکہ یہ شانِ نبوی کے خلاف ہے کہ نبی کے سُسرال کو اپنے ہاتھ میں قیدی رکھا جائے۔ میری نظر میں ایسی کوئی عورت نہیں جو اپنی قوم کے لئے اتنی باعث برکت ہوئی جتنی کہ حضرت جویریہؓ اپنی قوم کے لئے تھیں۔

حضرت جویریہؓ بہت حسین و ملیح تھیں۔ جو انہیں دیکھتا اس کے دل پر قابض ہو جاتی تھیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے انہیں خوبصورت اور خوب سیرت دونوں اوصاف عطا کئے ہوئے تھے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے مزید نواز لیا اور انہیں امّ المؤمنین بھی بنا دیا۔ وہ پینسٹھ ۶۵ برس کی عمر میں فوت ہوئیں اور جنت البقیع میں دفن کر دی گئیں[1]۔

[1] - شبلی صـ۲۱۶

پہلی صُلح ــــــ صُلح حدیبیہ

۱۳ مارچ ۶۲۸ء بمطابق ۶ ہجری بعمر ۵۸ سال، ۷ ماہ ۲۳ دن

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیْنَ لا
مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَکُمْ وَمُقَصِّرِیْنَ لا لَا تَخَافُوْنَ ط فَعَلِمَ
مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِکَ فَتْحًا قَرِیْبًا ہ

(سورۃ فتح ع۳)

تقریباً انیس برس کی جنگوں کے بعد صلح حدیبیہ پہلی صلح ہے جو ۶ ہجری کو مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ نبوت کے بعد تیرہ سال تک تو یکطرفہ جنگ جاری رہی۔ جو ایک سرد جنگ تھی۔ آپؐ اور صحابہ کرامؓ ظلم سہتے رہے۔ کیونکہ ایک اچھے شہری تھے۔ لیکن چودہ برس بعد یہی خاموش جنگیں خون ریزیوں میں تبدیل ہو گئیں۔ اور ہجرت کے بعد باقاعدہ میدانِ کارزار میں ہوئیں۔ گو کہ ہر دو جنگوں کا مقصد ایک ہی تھا۔ اور وہ تھا اسلام اور بانیٔ اسلام کی بیخ کنی۔ اگرچہ ۲ ہجری سے پہلے تک کی ہر جنگ دفاعی تھی۔ ہر وقت مسلمانوں کے سروں پر تلوار لٹکتی تھی۔ جنگ بدر جو ۲ ہجری میں ہوئی جس کا انجام کفار کے لئے تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اپنے اختتام کو پہنچ کر ختم نہیں ہوئی بلکہ دوسری جنگ اُحد کا پیش خیمہ تھی۔ جنگ بدر میں فریقین کی نسبت تین اور دس کی تھی۔ لیکن خدا تعالیٰ اور اس کے فرشتے تین سو غریب اور بے وطنی کے مارے ہوئے سپاہیوں کی پُشت پر تھے۔ اور رخنی ارادوں کو لئے ہوئے مکّہ کے جگر گوشے "یَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ"

کا منظر میدان میں دیکھ کر آئندہ کے لئے دھکی دے گئے تھے۔ کیونکہ عرب میں رواج ہی یہ تھا کہ شکست خوردہ فوج آئندہ لڑائی کے وعدے دے جاتی تھی۔ یہ جنگیں صدیاں جاری رہیں یا چالیس سال تک مستقل جاری رہتی تھیں۔ وقفہ درمیان میں ضرور ہوتا تھا۔ کچھ اسی قسم کی جنگیں قریش مکّہ نے رسولِ خدا سے لڑیں۔ اور ہر بار موعود لڑائی تھی۔ لیکن ایک وقت ایسا آگیا کہ انہیں رسولِ خدا سے صلح کے سوا چارہ نہ رہا تھا۔ اور یہ دن اسلام کی فتح کے قریب کا دن تھا۔

محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک خواب کی بناء پر فروری ۶۲۸ء میں پندرہ سو ۱۵۰۰ زائرین ساتھ لے کر مکّہ کی طرف بغرض طوافِ کعبہ سفر کیا۔ بیس سوار آپؐ کے قافلہ کے آگے تھے۔ تاکہ اگر دشمن مسلمانوں کو نقصان پہنچانا چاہے تو مسلمانوں کو وقت پر اطلاع مل جائے۔ اگرچہ کفار مکّہ کا یہ مذہب تھا کہ طوافِ کعبہ میں کسی کے لئے روک نہیں ڈالی جاسکتی۔ اور آپؐ نے صاف صاف الفاظ میں اعلان بھی کر دیا تھا کہ آپؐ صرف اسلام کا ایک رکن ادا کرنے کے لئے آرہے ہیں اور قربانیاں آپؐ کے ساتھ تھیں لیکن مکّہ والوں نے مکّہ کو ایک قلعہ بنا لیا اور خود چیتوں کی کھالیں پہن لیں۔ اور بیوی بچوں کو ساتھ لے کر قسمیں کھاتے ہوئے نکل پڑے کہ وہ آپؐ کو حج کے فریضہ کے لئے بھی نکلنے نہیں دیں گے۔ چنانچہ فوج کا ہراول دستہ مسلمانوں کے سامنے آکھڑا ہوا۔ لیکن چونکہ خدا کا رسولؐ لڑنے کی نیت سے ہی نہیں گیا تھا۔ اس لئے آپؐ نے ایک راہبر کی سرکردگی میں دوسرا رستہ اختیار کر لیا۔ جو جنگل کے بیچوں بیچ تھا۔ مقام حدیبیہ پہ پہنچ کر اونٹنی نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا اور رُک گئی۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! آپؐ دوسری اونٹنی لے لیں۔ یہ تھک گئی ہے تو آپؐ نے فرمایا۔ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا منشاء یہی معلوم ہوتا ہے۔

حدیبیہ کے مقام پر ڈیرے ڈال کر قریش مکّہ سے اجازت طلب کرنی چاہی تاکہ اجازت لے کر طواف کریں۔ انہوں نے بدیل نامی سردار سفیر بنا کر بات چیت کرنے

کے لئے بھیجا۔ جسے آپؐ نے صورت حال سے آگاہ کیا۔ کہ ہم لڑائی کی غرض سے ہرگز نہیں آئے۔ ہاں آپ لوگ لڑائی ٹھونس رہے ہیں۔ پھر دوسری بار ابوسفیان کا داماد عُروہ آیا جو بہت بدتمیزی سے بولا "یہ اُباشوں کا گروہ آپؐ اپنے ساتھ لائے ہیں"۔ مکّہ والے انہیں کسی صورت میں داخل ہونے نہیں دیں گے۔ آپؐ نے حضرت عثمانؓ کو بطور سفیر مکّہ والوں کے پاس بھیجا۔ کہ جا کر گفت و شنید کریں۔ کیونکہ مکّہ میں ان کی بڑی وسیع رشتہ داری تھی۔ وہاں گفتگو کے دوران کچھ شریر لوگوں نے یہ افواہ اڑا دی کہ حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اس پر رسولؐ خدا کو بہت تکلیف ہوئی اور آپؐ نے فرمایا۔ اگر یہ خبر درست ہے تو ہم بزور مکّہ میں داخل ہوں گے۔ اور صحابہ کرامؓ عہد کریں۔ تو فتح کر کے لوٹیں گے یا پھر ایک ایک میدانِ جنگ میں مارے جائیں گے۔ یہ عہد ایک بیعت کی شکل میں لیا گیا۔ جسے بیعتِ رضوان کہتے ہیں۔ چنانچہ پندرہ سو کے پندرہ سو زائرین نے دیوانہ وار یہ عہد کر لیا کہ شام سے پہلے پہلے مکّہ فتح کر لیں گے یا پھر میدان جنگ میں شہادت کا جام پیئیں گے بہر صورت اپنے سفیر کا بدلہ ضرور لیں گے۔ لیکن مسلمان بیعت سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ حضرت عثمانؓ واپس آ گئے۔ اور انہوں نے بتایا کہ مکّہ والے اس سال تو عمرہ کی اجازت نہیں دیتے۔ البتہ اگلے سال اجازت دینے کو تیار ہیں۔ اور ایک شخص سہیل معاہدہ صلح نامہ لکھنے کے لئے حاضر ہو گیا۔ آپؐ نے اور سہیل نے معاہدہ کی شرائط طے کرنی شروع کیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سہیل نے فوراً ٹوکا۔ اور کہا کہ اللہ کو تو ہم جانتے ہیں یہ رحمٰن اور رحیم کیا ہوئے؟ آپؐ ہمارے مذہب کا بھی احترام کریں۔ چنانچہ آپؐ نے قبول کر لیا کہ ٹھیک ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ پھر فرمایا یہ صلح مکّہ والوں اور محمد رسول اللہ کے درمیان ہے تو سہیل نے پھر اعتراض کیا کہ ہم آپؐ کو رسول اللہ مانتے تو جھگڑا ہی کس چیز کا تھا؟ آپؐ نے پھر فرمایا ٹھیک ہے۔ محمد ابن عبداللہ تحریر کرو۔ چنانچہ یہ معاہدہ محمد ابن عبداللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان چند شرائط پر طے ہوا۔

(۱) جنگ دس سال تک نہیں لڑی جائے گی۔

(۲) جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ملنا چاہے تو مل سکتا ہے اور جو مکّہ والوں سے ملنا چاہے تو وہ بھی مل سکتا ہے۔ اگر کوئی لڑکا جس کی عمر چھوٹی ہے اپنے باپ کی مرضی کے خلاف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جا ملے گا تو اُسے اس کے باپ یا متولی کو واپس بھیج دیا جائے گا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھیوں میں سے کوئی قریش کے پاس آ جائے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

(۳) اس سال مکّہ میں داخل ہوئے بغیر مسلمان واپس لوٹ جائیں اور اگلے سال سنہ ہجری تین دن تک یہاں ٹھہریں اور طواف پورا کریں۔ اس عرصہ میں قریش باہر شہر سے پہاڑی پر چلے جائیں گے۔

(۴) لیکن مدینہ والے جب مکّہ میں داخل ہوں تو بغیر ہتھیار کے جو ہر مسافر اپنے پاس رکھتا ہے۔ یعنی نیام میں ڈالی ہوئی تلوار۔

الغرض صلح حدیبیہ کے موقع پر حضورؐ نے جس جذبہ کا مظاہرہ فرمایا وہ قابلِ صد آفرین ہے کہ آپؐ نے بظاہر کڑی اور سخت شرائط محض صلح کے لئے قبول فرمالیں۔ نمائندہ کفّار کے مطالبہ پر بسم اللہ کے ساتھ "رحمٰن" اور "رحیم" کے الفاظ نہ لکھے۔ محمد رسول اللہؐ سے رسولِ خداؐ کا لفظ مٹا کر عبداللہ لکھا گیا۔ کفّار کی گستاخیاں اور طعنے برداشت کئے۔ اور معاہدہ پر دستخط ہونے سے پہلے جب پابہ زنجیر ابوجندلؓ باپ کے مظالم سے تنگ آ کر میدان حدیبیہ میں پہنچے تو سہیل نے صلح کرنے سے انکار کر دیا کہ اس کے بیٹے کو بموجب معاہدہ ہمیں واپس کر کے جاؤ۔ چنانچہ ابوجندلؓ کو ظالم اور جابر باپ کے سپرد کر دیا گیا۔ یہ کیوں ہوا؟

صرف اور صرف اس صلح جو طبیعت کی خاطر جو خُدا نے اپنے نبیؐ کے ضمیر میں رکھی ہوئی تھی۔ مسلمانوں کے خون جوش مار رہے تھے۔ ان کی تلواریں بیتاب تھیں۔ معاہدہ میں سے حضرت علیؓ رسول اللہ کا لفظ مٹانے کے لئے آمادہ نہیں

تھے۔ حضرت عمرؓ بے اختیار پوچھتے تھے کہ اگر اللہ کے وعدے سچے ہیں تو یہاں جھک کر صلح کیوں کی جاتی ہے۔

الغرض اِس صلح سے آپؐ کے صحابہؓ غم سے نڈھال تھے۔ کہ نہ توجہ کر سکے۔ نہ ظاہری غیرت وحمیت قائم رکھ سکے۔ کیونکہ آپؐ کو خدا تعالیٰ نے دوست دشمن سب کے لئے رحمت بنا کر بھیجا تھا۔ آپؐ کو خدا تعالیٰ کی خوشخبری معلوم تھی کہ:-

"عنقریب اگر خدا تعالیٰ نے چاہا تو مسجد حرام میں اپنے سر منڈوا کر اور اپنے بال کترو ا کر امن و امان سے "انشاء اللہ" داخل ہوں گے۔
.... اور یہ دن فتح قریب کا دن ہوگا"۔

بادشاہوں کے نام پہلا خط

قیصرِ روم ہرقل کے نام

سنہ ۶۲۸ء اواخر ۶ ہجری

آنحضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ایک عظیم مبلّغ تھے۔ اس لئے آپؐ کی زندگی کا ہر دن اور ہر رات آپؐ کا اُٹھنا۔ بیٹھنا اور سونا جاگنا سب تبلیغ ہی تھا۔ آپؐ مجسم پیغامِ الٰہی تھے۔ اس لئے یہ پیغام لے کر گدا سے شاہ تک پہنچے۔ ایک زمانہ تو جنگوں میں گزرا۔ جن میں سے کچھ تو دفاعی تھیں اور کچھ امن و آشتی قائم کرنے کے لئے تھیں۔ لیکن جس دم ذرا سکون ہوًا۔ تو آپؐ نے سب سے پہلا کام بادشاہوں کے نام بذریعہ خطوط اپنا پیغام پہنچایا۔ وہ پیغام جو آپؐ لے کر اُٹھے تھے۔ ہاں وہی پیغام جس کو سنانے کے لئے آپؐ نے طائف کا سفر کیا تھا اور جواب میں پتھر نصیب ہوئے تھے۔ ہاں وہی پیغام جس کو سُن کر آپؐ کے پیارے آپؐ کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔ بیشک وہی پیغام جس نے آپؐ کو گھر سے نکال دیا تھا۔ اور غارِ ثور نے گود میں تین دن پناہ دی تھی۔ وہی پیغام آج خاص و عام سے آگے بڑھتا بڑھتا بادشاہوں کے دربار میں جا پہنچا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلا خط آپؐ نے ذوالحجہ سنہ ۶ ہجری[1] دحیہ کلبیؓ کے ہاتھ قیصرِ روم کے نام روانہ فرمایا تھا۔ دحیہ کلبیؓ بصرہ کے گورنر حارث بن ابی شمرؓ[2] کے پاس گئے اور ان کی وساطت سے

---

[1] :- ابنِ مسعود بحوالہ زرقانی جلد ۳ صفحہ ۳۳۲، ۳۳۷ ۔ [2] :- زرقانی

قیصر روم ہرقل کو ملے۔ وہ ان دنوں شام کے دورہ پر آیا ہؤا تھا۔ دحیہ کلبی رضؓ جب دربار میں گئے تو دربار کے افسروں نے کہا کہ آداب دربار کو ملحوظ رکھتے ہوئے سجدہ ضروری ہے۔ مگر مسلمان سفیر نے یہ کہکر کہ "مسلمان انسان کو سجدہ نہیں کرتے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اپنا خط پیش کیا جو ترجمان نے پڑھ کر سنایا۔ خط سننے کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ اگر کوئی عرب کا قافلہ آیا ہؤا ہے تو میرے دربار میں پیش کیا جائے۔ چنانچہ ابوسفیان اور اس کے کچھ ساتھی دربار میں حاضر ہوئے۔ تو ہرقل نے حکم دیا کہ ابوسفیان سے جو کچھ میں پوچھوں گا اس کا صحیح صحیح جواب دے۔ اگر کچھ جھوٹ بولے تو اس کے ساتھی فوراً تردید کریں۔

سوال :۔ ہرقل نے پوچھا یہ نبوت کا دعویٰ کرنے والا شخص جس کا یہ خط ہے۔ کیا تم اس کو جانتے ہو۔ کہ اس کا خاندان کیسا ہے؟

جواب :۔ ابوسفیان نے جواب دیا۔ وہ اچھے خاندان میں سے ہے اور میرا رشتہ دار ہے اور چچازاد بھائی ہے۔

سوال :۔ کیا پہلے بھی کسی نے ایسا دعویٰ کیا ہے؟

ابوسفیان کا جواب نفی میں پاکر اس نے پوچھا کیا تم دعوے سے پہلے اس پر جھوٹ کا الزام لگاتے تھے۔ یا اس کے باپ دادا بادشاہ تھے؟

جواب :۔ ابوسفیان نے جواب دیا کہ نہیں وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا بلکہ اس کو امین و صدیق کہا جاتا تھا۔ اور اس کے والدین بادشاہوں میں سے نہیں تھے۔

سوال :۔ ہرقل نے پھر سوال کیا بڑے بڑے جابر اور قوت والے لوگ اسکی جماعت میں داخل ہوتے ہیں یا غریب و مسکین لوگ؟ وہ بڑھتے ہیں یا گھٹتے؟

جواب :۔ ابوسفیان نے کہا کہ غریب اور مسکین اور نوجوان لوگ شامل ہوتے ہیں اور وہ بڑھتے ہی جاتے ہیں۔

سوال :۔ اس پر ہرقل شاہ روم نے پوچھا کہ کوئی لوگ مرتد بھی ہوتے ہیں؟

جواب :۔ ابوسفیان نے نفی میں جواب دیا۔ اور کہا کہ آج تک کوئی ایسا شخص نہیں جو اپنے پاؤں پر پھرا ہو۔ اور نہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کبھی اپنا عہد توڑا ہے۔

سوال :۔ ہرقل نے پوچھا کہ دونوں فریقوں کے درمیان لڑائی کا کیا حشر ہؤا؟

جواب :۔ ابوسفیان نے جواب دیا کہ بدر اور اُحد کے نتائج توڈول کی مانند رہے۔ جو کبھی اُوپر جاتا ہے اور کبھی نیچے اور دفور جوش میں اس نے اپنی قوم کے بدترین انتقام مثلہ کا ذکر بھی کر ڈالا۔

سوال :۔ ہرقل نے پھر پوچھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں حکم کیا دیتا ہے؟

جواب :۔ ابوسفیان نے کہا کہ وہ کہتا ہے کہ خدا ایک ہے اسکی پرستش کرو۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ہمارے باپ دادا جن کو پوجا کرتے تھے۔ وہ ان کی پوجا سے روکتا ہے۔ اور ہمیں حکم دیتا ہے کہ خدا کی عبادت کریں۔ اور سچ بولا کریں اور گندے کاموں سے بچا کریں۔ اور ہمیں یہ بھی کہتا ہے کہ ہم مروت اور وفائے عہد سے کام لیا کریں اور امانتوں کو ادا کریں۔"

شاہ روم نے ان تمام سوالات اور جوابات سے یہی نتیجہ اخذ کیا کہ آپؐ صادق نبی ہیں۔ قیصر نے کہا کہ انبیاء ہمیشہ اچھے خاندان سے ہوتے ہیں اور جو شخص عام زندگی میں جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر جھوٹ بولے یہ قطعی ناممکن ہے اور یہ کہ اسکے باپ دادا بادشاہ نہیں تھے اسلئے وہ کسی ملک کو واپس لینے کیلئے بھی موقع نہیں ڈھونڈتا۔ پھر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ صادق نبی ہے کیونکہ انبیاء ہمیشہ مصائب میں وقت بسر کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کے زیر سایہ پرورش پاتے ہیں۔

آپؐ کا مصدّق پہلا بادشاہ نجاشی والئ حبشہ

۶۲۸ء یکم محرم ۷ ہجری

بادشاہوں میں نجاشی والئ حبشہ وہ بادشاہ ہے جس نے پیغمبر اسلام اور توحید کی تصدیق پر مہر ثبت کر دی جس طرح آپؐ رُوح کی ارتقائی منزلیں طے کر کے غارِ حرا سے باہر تشریف لائے۔ تو ورقہ بن نوفل بنی نوع انسان میں سے پہلا شخص تھا جس نے آپؐ کی پیغمبری کی تصدیق کی تھی۔ بعینہٖ ۵ نبوی کو نبوت کے ٹھیک پانچ سال بعد نجاشی حبشہ کا وہ پہلا بادشاہ تھا جس نے بھرے دربار میں بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ یہ تصدیق کر دی اور کہا کہ "خُدا کی قسم بے شک یہ چیز (کلام جو رسولؐ اللہ پر نازل ہوا) اور وہ چیز جو عیسٰی علیہ السّلام لائے ایک ہی طاق کی نکلی ہوئی روشنی ہے۔"[1]

جب مسلمان مہاجرین کی زندگیاں ہجرت حبشہ کے بعد امن سے گزرنے لگیں اور وہ قریباً ایک سو ہو گئے۔ تو یہ خبر کفارِ مکہ کے لئے خوشکن نہ تھی۔ اُن کے غضب کی آگ ایسی بھڑکی کہ شعلے حبشہ تک جا پہنچے۔ انہوں نے دو ممتاز مستقل مزاج ہستیاں وفد کی صورت میں حبشہ روانہ کیں۔ جن میں سے ایک عمرو بن عاص جو کہ بہت لسّان تھا۔ اور ایک عبداللہ بن ربیعہ جنہوں نے شاہ حبشہ کو گرانقدر

[1] ۔ سیرۃ النبیؐ کامل ص۳۳۵ باب ۵۲ ۔

تحائف پیش کئے۔ تاکہ بادشاہ کا دل جیت لیں اور اپنی مراد پوری کروا لیں۔

حضرت اُمّ سلمٰی اُمّ المومنین رضؓ سے روایت ہے کہ جب ہم حبشہ میں اترے تو وہاں ہمیں نجاشی کا سا بہترین پڑوسی مل گیا۔ دین میں امن نصیب ہُوا۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو گئے۔ نہ ہمیں کوئی تکلیف پہنچاتا اور نہ ہم کوئی بُری بات سُنتے تھے۔ کہ اہلِ مکّہ نے نجاشی کے پاس مکّہ کے سامان میں سے نایاب چیزیں بطور ہدیہ روانہ کیں۔ اس کے وزراء میں سے کسی وزیر کو نہیں چھوڑا جس کے لئے ہدیّہ نہ بھیجا ہو۔ تاکہ نجاشی سے استدعا کریں کہ مسلمانوں کو ہمارے حوالے کر دیں۔ پیشتر اس کے کہ مسلمانوں سے گفتگو کی جائے۔ یہ اسکیم بنا کر عمرو بن عاص دربار میں حاضر ہُوا۔ اور کہا بادشاہ سلامت ہمارے چند لوگوں نے اپنا آبائی مذہب ترک کر دیا ہے۔ اور ایک نیا دین نکالا ہے جو آپ کے دین کے بھی مخالف ہے۔ اور ملک میں فساد ڈال رہا ہے جن میں سے چند لوگ یہاں آ گئے ہیں۔ ہماری درخواست ہے کہ انہیں آپ ہمارے ساتھ بھجوا دیں۔ حضرت اُمّ سلمٰی رضؓ فرماتی ہیں کہ عبداللہ بن ربیعہ کو اس سے زیادہ کوئی چیز ناپسند نہ تھی کہ نجاشی مسلمانوں کی بات سُنے۔ اس کے وزیروں نے بھی کہا کہ بادشاہ سلامت! یہ لوگ کہتے تو سچ ہیں۔ ان کی قوم شرافت کے لحاظ سے اُن پر برتری رکھتی ہے۔ چاہیئے تو یہی کہ مسلمانوں کو اُن کے سپُرد کر دیا جائے۔ تاکہ وہ انہیں اپنے وطن واپس لے جائیں۔ لیکن نجاشی نے مسلمانوں سے گفتگو کرنے کو ترجیح دی۔ اور کہا کہ اگر قریش کے سفیر جو کچھ کہتے ہیں سچا ہُوا تو مَیں مسلمانوں کو ان کے حوالہ کر دوں گا۔ وگرنہ جب انہوں نے میرا پڑوس اختیار کیا ہے اور میری سرزمین میں بطور مہمان آئے ہیں تو ان کی حفاظت کروں گا۔ اور ان کے پڑوسی ہونے کا حق ادا کروں گا۔ چنانچہ نجاشی نے مسلمان مہاجرین کو بُلا بھیجا۔ اور ان سے دو باتیں دریافت کیں :۔

اوّل :۔ نیا دین کون سا لائے ہو؟

دوئم :۔ میرے دین اور اس دین میں کیا تضاد ہے ؟

حضرت جعفر بن ابی طالب نے نمائندگی کے فرائض سرانجام دیئے اور گفتگو کا آغاز یوں کیا:۔

"اے بادشاہ! ہم جاہل لوگ تھے۔ بت پرست تھے۔ مردار خور تھے قطع رحمی کرتے تھے۔ ظلم و تشدد ہمارا شیوہ تھا۔ کمزور غریب کا حق دبا لینا ہمارا ایمان تھا۔ پھر ایک ایسا وقت آیا کہ خدا تعالیٰ نے ہماری طرف ایک رحم دل شخص نبی بنا کر بھیجا جس کی حسب و نسب اور صدق و امانت پر نہ صرف ہم بلکہ اہل مکہ بھی تصدیقی مہر لگاتے ہیں۔ اس نے ہمیں توحید سکھائی۔ راست گفتاری امانت و صلہ رحمی کا حکم دیا۔ ہم میں سے ہر برائی کو جڑ سے نکال پھینکنے کے لئے ہمیں عبادت کی طرف متوجہ کیا..... ہم نے اس کی اتباع کی تو اس قوم نے ہمیں غدارِ دین سمجھ کر عذاب دیئے۔ ہماری زندگی ہم پر تنگ کر دی۔ دین کے کاموں میں رکاوٹ ڈالنے لگے۔ تو ہم آپ کے ملک کی جانب نکل آئے ہم نے آپ کو دوسرے لوگوں پر ترجیح دی۔ یہ تعاقب کر کے آپ کے دربار تک آ پہنچے تاکہ یہاں سے نکلوا کر انتقام کی بھٹی میں جھونک دیں۔ پس اے بادشاہ! ہم امید کرتے ہیں کہ آپ کے ماتحت ہم پر ظلم نہ ہوگا۔ ام سلمیٰؓ فرماتی ہیں کہ نجاشی نے کلام اللہ پڑھنے کو کہا۔ تو حضرت جعفرؓ نے کھیعص سورۃ مریم کی تلاوت کی۔ واللہ پھر تو نجاشی رو پڑا اور اس کی داڑھی تربتر ہوگئی۔ جب اس کے علماء نے یہ کلام سنا تو وہ بھی روئے یہاں تک کہ صحیفے بھیگ گئے۔ پھر نجاشی نے کہا: بیشک یہ چیز اور وہ چیز جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لائے تھے ایک ہی طاق کی نکلی ہوئی روشنی ہے۔ تم دونوں چلے جاؤ۔ واللہ میں انہیں تمہارے

حوالے ہرگز نہیں کروں گا اور نہ ایسا ارادہ کیا جائے گا۔

اس نے تحائف واپس کرتے ہوئے کہا کہ "مجھے اس کی خواہش نہیں کہ سونے کا ایک پہاڑ مل جائے۔ تم بے خوف رہو جو تمہیں برا بھلا کہے گا اس کا بدلہ لیا جائے گا"

اگلے روز عمرو بن عاص پھر نجاشی کے دربار میں پہنچا اور عرض کی کہ اے بادشاہ! آپ کو علم ہے کہ یہ لوگ آپ کے مسیح کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں؟ حضرت جعفرؓ نے کہا ہمارے عقیدہ کے مطابق مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے مگر اس کا رسول اور مقرب ہے۔ اور اس کے کلام سے عالم ہستی میں آیا ہے جو اس نے مریم پر ڈالا۔ نجاشی نے زمین پر سے تنکا اٹھایا اور کہا۔ واللہ جو تم نے کہا ہے مسیح کو اس تنکے کے برابر بھی اس سے بڑا نہیں سمجھتا۔ امیر قریش کا وفد تو خائب و خاسر ہو کر چلا گیا۔ لیکن پادری حضرات سخت برہم ہوئے۔ نجاشی نے کسی کی پرواہ نہیں کی۔ بلکہ کہا "قریش کے سفیروں کے ہدیے واپس کر دو۔ مجھے ان کی ضرورت نہیں۔ خدا کی قسم جب اللہ نے مجھے میری حکومت واپس دی۔ تو مجھ سے اس نے کوئی رشوت نہیں لی۔ کہ میں کوئی رشوت لوں۔ خدا نے میرے بارے میں وہ نہیں کیا جو لوگ چاہتے ہیں۔ پھر کیوں میں وہ کروں جو لوگ کہتے ہیں۔ اور خدا کے بارے میں بے سوچے سمجھے لوگوں کی بات مان لوں۔"[1]

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نجاشی وہ خوش نصیب بادشاہ تھا کہ جب اس نے انتقال کیا تو اس کی قبر پر نور نظر آیا کرتا تھا۔[2] جب نجاشی فوت ہوا تو رسول خدا نے نماز جنازہ غائب ادا فرمائی۔ یہ وہی بادشاہ ہے جس کو خدا تعالیٰ نے یہ سعادت عطا کی کہ ایک بار اس نے حضور نبی کریمؐ کا عقد مبارک حضرت ام حبیبہؓ

[1]:۔ ابن ہشام صفحہ ۳۴۲ باب ۵۲

[2]:۔ ابن ہشام

بنت ابی سفیان کے ساتھ چار سو دینار مہر پر پڑھا۔ اور مہر کی یہ رقم خود ادا فرمادی۔ نجاشی امِ حبیبہؓ کے پاس نکاح کا پیغام لے کر بنفسِ نفیس خود گیا تھا۔ اور بطور منظوری عقد کیا تھا۔ محمد بن علیؒ نے فرمایا کہ عبدالمالک بن مروان نے عورتوں کے لئے یہ چار صد دینار مہر کی حد بندی فرمانے کا یہی سبب بتایا ہے۔ امِ حبیبہؓ کا وکیل اس وقت حضرت خالد بن سعید بن عاص تھا۔ یہ پہلا بادشاہ ہے جسے یہ سعادت حاصل ہے کہ ایک نبی کا نکاح پڑھے اور اس کا مہر اپنے پاس سے ادا کر دے۔ سبحان اللہ!

پہلا حج ——— حجۃ الوداع

سنہ ۶۳۲ء لعمر ۶۲ سال ۸ ماہ ۱۷ دن ۱۰ سنہ ہجری

"فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۙ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ"

کے ارشاد پر قربان ہونے والے میرے آقا محمدؐ رسولِ خدا صبح شام یادِ خداوندی میں گزارتے۔ آپ رات کو مکمل نہ سوتے نہ جاگتے۔ کچھ نوافل ادا کرتے اور کچھ تقاضائے فطرت کے مطابق آرام فرما لیتے۔ اور پھر عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو جاتے۔ سربسجود رہتے۔ اتنا رکوع و قیام کرتے کہ آپؐ کے پاؤں سوج جاتے دن رات میں انتالیس ۳۹ نوافل و سنتیں ادا فرمانے والے وجود کو جب حج کی اجازت ملی تو پہلا حج ہی حجۃ الوداع ہو گیا۔ اگرچہ عمرہ کی سعادت آپؐ کو چار دفعہ ہجرت کے بعد نصیب ہوئی تھی۔ لیکن حج یہی پہلا اور یہی آخری تھا۔ خدا تعالیٰ کا منشاء پاتے ہی آپؐ نے دس[1] ہجری ۲۶ ذیقعد کو اعلان فرما دیا۔ یہ ایک ایسی خوش کن اور روح پرور خبر تھی جو ہوا کی سی تیزی سے چہار سو پھیل گئی۔ سارا عرب آج اپنے محسن کی قیادت میں حج کے لئے امنڈ آیا تھا۔ آپؐ کی تمام ازواج مطہرات بھی آپؐ کے ساتھ تھیں۔ اگرچہ عام حالات میں یا جنگ کے دوران جس بی بی کے نام کا قرعہ نکلتا آپؐ ان کو اپنی معیت میں لے جاتے تھے۔ لیکن اس سعید و بابرکت موقع پر آپؐ کی تمام شریک حیات آپؐ کے شریک تھیں۔ آپؐ نے غسل فرمایا اور چادر تہمند باندھی۔ نماز ظہر ادا فرما کر مدینہ سے باہر تشریف لائے۔ اور چھ میل کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ[2] کے مقام پر

[1] ۔ شبلی ص۱۵۱ حصہ دوم

شب بھر اقامت فرمائی۔ احرام باندھنے سے پہلے آپؐ نے دو بارہ غسل فرمایا۔ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے ہاتھ سے آپؐ کو عطر لگایا[1]۔ آپؐ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی اور لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ فرماتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے۔ پورے ۹ دن امیرِ کارواں اپنے ہزاروں قدوسیوں کے ساتھ سفر طے کرتے رہے۔ اور ۴ ذوالحجہ کو آپؐ مکہ معظمہ میں داخل ہو گئے۔ راستے میں جگہ جگہ منازل کیں اور نوافل فرماتے جہاں آجکل ان جگہوں پر مساجد تعمیر ہو چکی ہیں۔ آج خاندان بنو ہاشم کے لوگ استقبال کے لئے آگے بڑھے۔ جنہوں نے دس سال قبل آپؐ کے قتل کی شرائط لگائی تھیں۔ کعبہ پر نظر پڑی تو آپؐ نے فرمایا:۔

"اے خدا اس گھر کو اور زیادہ عزت اور شرف دے"۔

مقام ابراہیم پر دوگانہ ادا کیا۔ صفا اور مروہ پر بھی خدا کا شکرانہ ادا کرتے ہوئے چڑھے۔

سعی و طواف کے بعد آپؐ نے احرام اتارنے کا حکم دیا جن کے پاس قربانی کے اونٹ تھے انہوں نے احرام نہیں اتارا۔ جمعرات آٹھ ذوالحجہ کو آپؐ نے منیٰ میں قیام فرمایا۔ اگلے روز جمعہ کو صبح کی نماز پڑھ کر آپؐ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ عرفات پر نمرہ کے میدان میں ایک کمبل کے خیمہ میں دوپہر ڈھلنے تک آپؐ تشریف فرما رہے تھے۔ اپنی اونٹنی قصوا پر سوار ہو کر آپؐ نے خطبہ عطا فرمایا۔ فرمایا۔

"جاہلیت کے تمام فرسودہ مراسم آج میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں"۔

آج پہلا دن ہے کہ اسلام اپنے جاہ و جلال کے ساتھ نمودار ہوا۔ اور اپنے خطبہ میں سب سے پہلے تیر اس امتیازی مراتب پر آپؐ نے رکھدی۔ حد بندیاں اور تفرقے توڑ دیئے۔ فرمایا:۔

"لوگو! ہاں بیشک تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے۔

---

[1]: صحیح بخاری و صحیح مسلم ۔ [2]: شبلی حصہ دوئم صفحہ ۱۸۹ ۔

عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر۔ سُرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ اور مسلمان مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں[1]"۔

دوسرے نمبر پر عرب سرزمین کی یہ ریت چلی آرہی تھی۔ کہ جب تک خاندانی رقابت اور انتقام کی آگ خون ریزی کی بارش سے ٹھنڈی نہ ہوتی وہ چین سے نہ بیٹھتے۔ مگر آج محسنِ انسانیت نے فخر و مقدم اور تکبر کو سرنگوں کر دیا۔ فرمایا:۔

"جاہلیت کے تمام خون باطل کر دیئے گئے۔ اور سب سے پہلے میں ربیعہ بن الحرث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں[2]"

اپنے گھر سے اپنے خاندان سے اور اپنے ہی قبیلہ سے نمونہ پیش فرما کر جاہلیت کے تمام سُود بھی معاف کر دیئے۔ اور سب سے پہلے اپنے خاندان سے عباسؓ بن عبدالمطلب کا سُود باطل قرار دیا[3]۔

ایک اور لعنت جو عرب پر مسلط تھی وہ عورتوں کی تجارت تھی۔ عورتیں جائیداد منقولہ تھیں۔ چڑھاوے پر چڑھا دی جاتی تھیں۔ مگر آپؐ نے ان رسومات کی بیخ کنی فرما کر قدر دانی کا تاج عورت کے سر پہ پہنایا اور فرمایا:۔

عورتوں کے معاملہ میں خدا تعالیٰ سے ڈرو۔ تمہارا حق عورتوں پر اور عورتوں کا حق تم پر ہے[4]۔

"تمہارا خون اور تمہارا مال تا قیامت اسی طرح حرام ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے"۔

"میں تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہو گے۔ وہ کیا چیز ہے؟ کتاب اللہ[5]"۔

پھر چند اصولی احکام کا اعلان فرما کر آپؐ نے فرمایا:۔

---

[1]: ۔ مسند احمد ۔ [2]: شبلی حصہ دوم صفحہ ۱۹۳ ۔ [3]: ۔ صحیح مسلم و ابو داؤد ۔ [4]: ۔ ابن ہشام ۔

"تم سے خُدا کے ہاں میری نسبت پوچھا جائے گا۔ تم کیا جواب دوگے؟
صحابہ کرامؓ نے عرض کی: ہم کہیں گے کہ آپؐ نے خُدا کا پیغام پہنچا دیا۔
اور اپنا فرض ادا کر دیا۔ آپؐ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار
فرمایا۔ اے خُدا تو گواہ رہنا۔" ۱؎

خطبہ سے فارغ ہو کر آپؐ نے ظہر اور عصر کی ایک ساتھ نماز ادا فرمائی اور پھر
موقف کے مقام پر تشریف لے گئے۔ جہاں قبلہ رُو ہو کر دُعا میں مصروف ہوئے۔
مغرب سے پہلے سرکارِ دو عالم ہزاروں کی قیادت فرماتے ہوئے وہاں سے چلے اور
لوگوں کے ہجوم میں ایک اضطراب سا پیدا ہو گیا۔ آپؐ ہاتھ کے اشارے سے فرماتے
جاتے تھے کہ آہستہ چلو آہستہ چلو لوگو سکون کے ساتھ۔

مزدلفہ کے مقام پر مغرب و عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد آپؐ نے آرام فرمایا۔
اور تہجد کی نماز کے لئے بیدار نہیں ہوئے۔ محدثین نے لکھا ہے کہ:۔

"یہی ایک شب ہے جس میں آپؐ نے نماز تہجد ادا نہیں فرمائی"

نماز فجر کے بعد سورج نکلنے سے پہلے آپؐ نے یہاں سے کوچ فرمایا۔ اور جمرہ
کے مقام پر تشریف لے گئے۔ حضرت فضلؓ بن عباس سے کنکریاں چننے کو فرمایا
اور کنکریاں پھینکیں۔

لوگ دائیں بائیں آپؐ سے حج کے مسائل پوچھتے تھے اور آپؐ فرماتے
تھے کہ حج کے مسائل سیکھ لو۔ میں نہیں جانتا کہ شاید اس کے بعد مجھے دوسرے حج
کی نوبت آئے۔ آج دسویں ذوالحجہ اور سنیچر کا دن تھا۔ تیئس سال نو ماہ نبوت
کے فرائض سے با حسن سبکدوش ہونے والا وجود خدا تعالیٰ کے حضور شکرانہ ادا
کر رہا تھا کہ آپ کے دائیں۔ آپ کے بائیں۔ آگے اور آپؐ کے پیچھے انسانوں کا ایک جنگل
تھا۔ کبھی یہی وجود اس سرزمین میں تنہا تھا۔ اور آج زمین سے آسمان تک

۱؎ شبلی حصہ دوم ص ۱۹۶

قبول و اعترافِ حق کا نورِ ضُو فشاں تھا۔ اور دینِ فطرت کی تکمیل کا مژدہ کائنات
کے ذرّے ذرّے کی زبان پر جاری تھا۔ آپؐ نے مکرّر تاکید فرمائی کہ تمہارا خون
تمہارا مال اور تمہاری آبرو تا قیامت اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ
میں اور اس شہر میں محترم ہے۔

خلقِ خُدا کے لئے دکھی دل رکھنے والے محسن نے پھر دہرایا کہ:۔

"میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔
تم کو خُدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا۔ اور تم سے تمہارے اعمال
کی باز پرس کرے گا"

غلاموں، عورتوں، سود اور انتظام کے متعلق وصیتیں فرمانے کے بعد
آپؐ قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے۔ اور قربانی فرمائی۔ آپؐ کے ساتھ سَو
اُونٹ قربانی کے تھے۔ جن میں سے کچھ حضرت علیؓ نے قربان کئے۔ آپؐ نے حکم دیا
کہ ان کا گوشت پوست جو کچھ ہے سب خیرات کر دیا جائے۔ یہاں تک کہ قصاب
کی مزدوری بھی اس سے ادا نہ کی جائے۔ الگ سے دی جائے۔ قربانی سے
فارغ ہو کر آپؐ نے پہلے اپنے بال منڈوائے اور اپنے دستِ مبارک
سے کچھ بال حضرت ابو طلحہؓ انصاری اور ان کی بیوی کو عطا کئے اور کچھ باقی صحابہؓ
کرام کو تقسیم کر دیئے۔ اس کے بعد آپؐ آبِ زمزم کے پاس تشریف لے گئے
اور حضرت عباسؓ نے ڈول میں آبِ زمزم نکال کر پیش کیا۔ آپؐ نے قبلہ رُخ
ہو کر پانی پیا اور منیٰ واپس تشریف لے گئے۔

۱۲ ذوالحجہ کو آپؐ نے منیٰ میں بھی ایک خطبہ دیا۔ تیرہ تاریخ کو آپؐ نے آخری
طواف کیا۔ وہیں حج کی نماز ادا فرمائی اور پھر قافلہ بخیر و عافیت مدینہ کی طرف
روانہ ہو گیا۔ راستے میں خُم کے مقام پر آپؐ نے ایک مختصر سا خطبہ دیا جو بہت
اثر انگیز اور اہم تھا۔ آپؐ نے فرمایا:۔

حمد و ثناء کے بعد! اے لوگو میں بھی بشر ہوں۔ ممکن ہے کہ خدا کا فرشتہ جلد آجائے اور مجھے قبول کرنا پڑے۔ میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑتا ہوں۔ ایک خدا کی کتاب جس کے اندر ھدایت اور روشنی ہے۔ اور خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو۔ اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں۔ آخری جملہ کو آپؐ نے تین بار دہرایا۔[۱]

حجۃ الوداع کے بعد حضورؐ بہت کم مدت اس دنیا میں رہے ہیں۔ تقریباً اکیاسی روز تکمیل دین کے اعلان کے بعد آپؐ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَسَلِّمْ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ٥

تمت بالخیر

---

[۱] صحیح مسلم؛

دُرود شریف

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "بیشک اللہ اور اُس کے فرشتے نبی کریمؐ پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں، اے مُسلمانو! تم بھی اُنؐ پر دُرود و سلام بھیجو" چنانچہ دُرود شریف پڑھنے سے یہ فضائل حاصِل ہوتے ہیں

- اللہ تعالیٰ سے محبّت پیدا ہوتی ہے
- دُعا قبول ہوتی ہے
- عمر بڑھتی ہے اور نیک مقاصد پُورے ہوتے ہیں
- دُنیا اور آخرت میں تعظیم و تکریم ملتی ہے
- گُناہ صغیرہ مُعاف ہوتے ہیں
- فرشتوں کی طرح مراتب بُلند ہوتے ہیں
- قبر نور سے منوّر ہوتی ہے
- نبی پاکؐ کی شفاعت حاصِل ہوتی ہے
- بیماریوں سے شفا ملتی ہے
- منکر نکیر کے سوالات آسان ہوتے ہیں
- ایک صلوٰۃ بھیجنے کے عوض دس برکات حاصِل ہوتی ہیں
- نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں ملے گا، انشاءاللہ
- جنّت کا داروغہ خوش آمدید کہے گا، انشاءاللہ